

الماسون

علامہ شبلی نعمانی

دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ (۲۰۱۰ء)

المأمون

پہلا اور دوسرا حصہ

مولوی محمد شبلی نعمانی

U. 6906

مامون کی فہرست

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۳	مامون کی ولادت اور تعلیم و تربیت	۶۵	افریقہ اور منصور بن نصیر کی بغاوت
۲۰	مامون کی ولیمہ دی سنہ ۱۸۲ھ	۶۲	نصر بن شیبثہ کا گرفتار ہونا
۲۳	دستاویز جو امین نے لکھی	۶۸	ابن عائشہ اسد ملک کا قتل ابراہیم کی گرفتاری
۲۶	مامون کی دستاویز	۷۷	منصور اسکندریہ کی بغاوت میں سنہ ۱۸۲ھ
۳۰	مامون دامن کی مخالفت	۷۸	نصیری کی بغاوت
۳۱	مامون پر فوج کشی	۷۹	بابک غری کی بغاوت
۳۵	امروا و بسو۔ بحرین۔ عمان وغیرہ	۸۱	فتوحات ملی
۳۶	بغداد کا محاصرہ۔ سنہ ۱۹۷ھ	۸۲	جزیرہ صقلیہ کی فتح
۴۰	امین کا قتل سنہ ۱۹۸ھ	۸۷	روم پر حملے
۴۸	مامون کی خلافت سنہ ۱۹۸ھ	۹۰	مامون کی وفات سنہ ۱۹۸ھ
۴۹	ابن طباطبائی کا خروج سنہ ۱۹۹ھ	۹۳	مامون کا حلیہ
۵۲	ہرقمہ کا قتل اور بغداد کی بغاوت	۹۴	مامون کی اولاد ذکر
۵۳	حضرت علی رضا کی ولیمہ دی سنہ ۱۹۹ھ	۹۷	حصہ دوم
۵۵	ابراہیم بن المہدی کی تخت نشینی سنہ ۲۰۰ھ	۱۰۰	بغداد و سلطنت و غزوات
۵۸	مامون کا حراق و دہانہ ہونا اور بغداد میں قتل	۱۱۰	ملک کی آبادی امن و آمان
۶۰	حضرت علی رضا کی وفات سنہ ۲۰۳ھ	۱۲۰	ذوق ملی۔ رصد خانہ۔ پیاپیش زمین
۶۲	ابراہیم کی عزت و ملی	۱۲۳	امین کا قتل و علی حسین۔ اہل علم کی قدر
۶۴	مامون کا بغداد و آسٹل ہونا	۱۳۵	مامون کے عام اخلاق و عادات
۶۵	طاہر کا خراسان کی حکومت پر مقرر ہونا	۱۴۰	مامون کا مذہب و سلطنت
۶۷	عبد الرحمن بن احمد کی بغاوت سنہ ۲۰۵ھ	۱۴۵	مصر و سلطنت
۶۸	الحاکم بن علی کا قتل و وفات پاناشنہ ۲۰۵ھ	۱۴۶	امین و بادشاہ کی عادت
۶۹	مامون کے حکم کے اہل کمال	۱۴۹	مامون کے حکم کے اہل کمال

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دیباچہ

عَمَّیْ وَنَسْتَعِیْذُ بِفَضْلِ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ یٰ نَهٰیْتِیْہِ سَیِّئَاتِہِ لَہُ كُہِ وہ قوم نہایت بد نصیب ہے جو اپنے بزرگوں کے اُن کاموں کو جو یاد رکھنے کے قابل ہیں بھلا دے یا اُن کو نہ جانے۔ بزرگوں کے قابل یادگار کاموں کو یاد رکھنا اچھا اور بُرا دونوں طرح کا پھل دیتا ہے۔ اگر خود کچھ نہ ہوں۔ اور نہ کچھ کریں۔ اور صرف بزرگوں کے کاموں پر شبھی کیا کریں۔ تو استخوانِ بد فروش کے سوا کچھ نہیں اور اگر اپنے میں ویسا ہونے کا چسکا ہو تو پھر دوا مر ت ہے۔ مگر ہم وہ کریں یا یہ کریں۔ یہ تو پہلی بات ہے پہلے ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ وہ دھچپ حالات اور پر غر و ا قحَات ہم کو ملین کہاں سے۔ ہماری تاریخیں اُس زمانہ کی لکھی ہوئی ہیں جس میں زمانے نے تاریخ نویسی کے فن کو پوری طرح پر ترقی نہیں دی تھی ایسے ہمارے بزرگوں کے کاموں کے گوہر آبدار کہیں بھر سے پڑے ہوئے ہیں اور کہیں کوڑے کرکٹ میں رسلے ہیں ایک نہایت لائق شخص کا کام ہے جو اُن کو چُنے اور لڑی میں پرو کر سجائے۔

ہم کو نہایت خوشی ہے کہ ہمارے دوست مخدوم اور ہمارے مدرستہ العلوم کے پروفیسر مولانا مولوی محمد شبلی نعمانی نے اس کام کا بیڑا اٹھایا ہے اور ایک سلسلہ ہیروز آف اسلام کا لکھنا چاہا ہے۔ اسی سلسلہ میں کی ایک یہ کتاب ہے جو الماسامون کے نام سے موسوم ہے انھوں نے خلفائے نبی عباس میں سے مامون الرشید ابن ہارون الرشید کو عباسی خلفاء کا ہیروز قرار دیا ہے۔ اور اُن کے تمام کارنامے اچھے یا بُرے نہایت خوبی اور بے انتہا خوش اسلوبی سے اُس میں لکھے ہیں۔

تاریخانہ واقعات لکھنے چنداں مشکل نہ تھے مگر وہ باتیں جکے لکھنے کا اُس زمانہ کے مورخون کچھ بہت کم خیال تھا۔ یا اُن کی قدر نہیں کرتے تھے۔ اور اُس زمانہ میں انھیں کی تلاش اور انھیں کی مستد کیجاتی ہے۔ تلاش کرنی نہایت مشکل تھی مولانا نے ہمیں پوری یا جہانگ مکمل تھی کامیابی حاصل کی ہے۔ پہلے حصہ میں انھوں نے تاریخانہ واقعات لکھے ہیں اور نہایت خوبی اور اختصار سے دکھایا ہے

کہ خلافت کا سلسلہ کیونکر اور کیوں خاندان نبی امیہ کو برباد کر کے عباسی خاندان میں پہنچا اور کیا اسباب جمع ہوئے جس سے امین اُس کا بھائی محروم اور مقتول اور خود مامون تمام مملکت اسلامی کا مالک الملک و الشریک بن گیا۔

جایا ماقعات و محپ سے بھی اس حصہ کو آراستہ کیا ہے۔ جسکے سبب سے یہ سوکھا اور پھیکا تاریخانہ حصہ نہایت دلچسپ ہو گیا ہے۔

دوسرے حصہ میں انتظام سلطنت۔ آمدنی مملکت۔ فوجی انتظام۔ عدالت اور اسکی جزئیات کو جہان جہان سے ملیں۔ چُن چُن کر ایک جگہ جمع کیا ہے۔ اور مامون کی خصلت اور اسکی سوشیل حالت اُس کی پریوٹ زندگی اُسکے مشغولوں اور اُسکی مجلسوں کا ذکر کیا ہے اور اُس زمانہ کی زندگی اور طرز معاشرت کا نقشہ کھینچ دیا ہے۔ یہ حصہ نہایت ہی دلچسپ ہے شان اور عظمت اور جلال خلافت کے ساتھ ایسی ایسی سادہ اور بے تکلف باتوں سے بھرا ہوا ہے کہ اس سے اُس کو۔ اور اُس سے اس کو رونق ہوتی ہے۔

اس حصہ میں لطائف و ظرافت کے ساتھ ملی اور خصوصاً علم ادب کے ایسے ایسے نکتے ذکر ہیں جو ادیب کے لئے سرمایہ ادب اور ظریف کے لئے سرمایہ ظرافت ہیں۔

اس قدر جزئیات کو تلاش کرنا اور نظم اسلوب سے ایک جگہ جمع کرنا کچھ آسان کام نہ تھا مصنف نے کوئی بات ایسی نہیں لکھی جسکا حوالہ معتبر ماخذ سے نہ دیا ہو۔ ہر ایک جزوی بات پر بھی اُس کتاب کا جس سے وہ بات لی گئی حوالہ دیا ہے۔ اُسکے حاشیوں پر جس قدر کتابوں کے حوالے ہیں ان کو کچھ کر اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس کتاب کے لکھنے میں کس قدر جان بکھاری ہوئی ہوگی۔ اور مصنف کو کتنے ہزار دن و دن تاریخوں کے اُٹھنے پڑنے ہونگے اور اسی کے ساتھ جب یہ خیال کیا جائے کہ مصنف نے اُن جزئیات کو ایسی کتابوں سے تلاش کر کے نکالا ہے جن کی نسبت خیال ہی نہوتا تھا کہ انہیں مامون کے حالات ہونگے تو اُس محنت کی وقعت و قدر اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔

یہ کتاب اندوز زبان میں لکھی گئی ہے۔ اور ایسی صاف و شستہ اور برجستہ عبارت ہے کہ وہی والوں کو بھی اُس پر رشک آتا ہوگا۔

اندوز زبان نے بہت کچھ حرقی کی ہے مگر اس بات کا بہت کم لحاظ رکھا گیا ہے کہ ہر فن کے

لئے زبان کا طرز بیان جدا گانہ ہے۔ تاریخ کی کتابوں میں ناول (قصہ) اور ناول میں تاریخیانہ طرز گوئی ہی فصاحت اور بلاغت سے برتا گیا ہو دونوں کو بر باد کرتا ہے۔

لارڈ میکالی جو انگریزی زبان کا بے نظیر ادیب ہے اسکے تاریخیانہ اس سے باعتبار فصاحت و بلاغت کے اپنا نظیر نہیں رکھتے مگر ایشیائی اور مشرقی طرز اداسے تاریخیانہ اصلیت کو بہت کچھ نقصان پہونچانے والے ہیں۔

ہمارے لائق مصنف نے اسکا بہت کچھ خیال رکھا ہے۔ اور ہاوجود تاریخیانہ مضمون ہونے کے ایسی خوبی سے اسکو ادا کیا ہے کہ عبارت بھی فصیح اور دلچسپ ہے اور تاریخیانہ اصلیت بدستور اپنی اصلی صورت پر موجود ہے۔ جو خوبصورت ہے۔ خوبصورت ہو جو بھونڈی ہو بھونڈی ہے نہ خوبصورتی کو زیادہ خوبصورت بنایا ہے اور نہ بھونڈے پنے کو زیادہ بھونڈا اور درحقیقت یہ کمال تاریخ نویسی ہے اس کتاب کا حق تصنیف مصنف نے اپنی فیاضی اور قوی ہمدردی سے درستہ العلوم علی گڑھ کو عطا کیا ہے۔

پہلا ایڈیشن اس کتاب کا اسی سال میں کمیٹی مدرستہ العلوم نے کمیٹی کے فائدہ کے لئے چھاپا اور سب فروخت ہو گیا۔ اور لوگوں کی طلب باقی رہی۔ میں نے کمیٹی کی طرف سے اس کے فائدے کے لئے دوسرے ایڈیشن کے نکالنے کا ارادہ کیا۔ اور اس کے لئے یہ ویباچہ لکھا۔

مگر مجھکو مصنف کا دوبارہ شکر ادا کرنا پڑا کہ انھوں نے مہربانی سے پہلے ایڈیشن پر نظر ثانی کی اور بعض نہایت مفید اور ضروری مضامین اس میں اضافہ کیے اور حکمائے عہد مامون میں بالخصوص نہایت مفید اضافہ کیا۔ مجھکو اُمید ہے کہ یہ ایڈیشن پہلے ایڈیشن سے بھی زیادہ مطلوب و طبع ہوگا +

سید احمد خان

سرکاری کمیٹی مدرستہ العلوم علی گڑھ
۱۳ اکتوبر ۱۸۸۹ء



رائل ہیروز آف اسلام

۷۷۲۵۷
۱۷۱۷

یعنی

نامور فرمانروایان اسلام

پہلا اور دوسرا حصہ

المامون

اس کتاب کے دو حصے ہیں پہلے حصے میں تہید ترتیب خلافت امامون الرشید کی ولادت تعلیم و تربیت - ولیہدنی تخت نشینی - خانہ جنگیاں فتوحات ملکی اور وفات کے حالات ہیں۔ دوسرے حصے میں ان مراتب کی تفصیل ہے جسے اس عہدے ملکی حالات اور امامون الرشید کے تمام اخلاق و عادات کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ نیز ان تمام کارناموں کی تفصیل ہے جسکی وجہ سے امامون الرشید کا عہد عموماً شاہان عالم کے عہدے علمی حیثیت میں ممتاز تسلیم کیا گیا ہے۔

مرتبہ شبلی نعمانی

فضل المطابع پریس دہلی میں چھپا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زمانہ کے انقلاب سے مسلمانوں کی قومی خاصیتیں گو بہت کچھ بدل گئیں اور بدلتی جاتی ہیں۔ تاہم اپنی قومی تاریخ کے ساتھ جو دلچسپی اور شغف اُن کو پہلے تھا۔ اب بھی ہے۔ جس طرح قومی روایتوں کے محفوظ رکھنے میں وہ ہمیشہ نام آور رہے ہیں۔ آج بھی گزشتہ تاریخ کی طرف اُن کو وہ جوش التفات ہے کہ اُس سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔ فرق ہے۔ تو یہ ہے کہ اب سے سو برس پہلے جو زبانیں ہماری ملکی اور قومی زبانیں تھیں اُن میں زمانہ کے امتداد اور اسلامی حوصلہ مندیوں نے قومی تاریخ کے بے انتہا ذخیرے پیدا کر دیئے تھے جس کا یہ اثر تھا کہ افسانوں کی طرح یہ روایتیں عام لوگوں میں پھیل گئیں تھیں اور قصہ طلبی حوالہ اس کثرت سے ان زبانوں میں داخل ہو گئے تھے کہ ہمارے لٹریچر کا ہر جملہ۔ گویا قومی تاریخ کا ایک مختصر سامن تھا لیکن آج جو زبان (اردو) ہماری عام ضرورتوں کی کفیل ہے اس کے خزانے میں قومی تاریخ کا جس قدر سرمایہ ہے ضرورت سے بہت کم ہے ہندوستان کی بہت سی تاریخیں لکھی گئیں اور مغلیہ و تیموریہ کے کارنامے بڑی آب و تاب سے دکھائے گئے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ ہندوستان کی مجموعی تاریخ بھی ہماری قومی تاریخ کا ایک بہت چھوٹا حصہ ہے اسلام کو تیرہ سو برس سے کچھ اوپر ہوئے اس وسیع مدت میں اُس کی فتومات

کہاں کہاں پہنچیں۔ کس کس کو اُس نے تاج و تخت دیا۔ کتنی سلطین قائم کیں۔ کبھی ہنوا تیب کو عروج ہوا۔ کبھی عباسیہ کا ستارہ چمکا۔ آج ویم نے تاج حکومت سر پر رکھا۔ کل سلجوق کا علم اقبال ہوا۔ کبھی ایوبیہ نے روم و شام کے دفترالت دیے۔ کبھی ملٹین اٹھے اور یورپ کو پامال کر آئے۔ اگرچہ یہ خاندان مختلف ملک اور مختلف نسل سے تھے۔ لیکن اسلامی اتحاد نے ان سب کو ایک قوم کہہ کر پکارا اور انہیں کے نرم بزم کے کارنامے ہماری قومی تاریخ بن گئے جس کو اردو زبان میں ہم ڈھونڈنا چاہیں تو کہاں ڈھونڈیں۔

اُردو زبان کی یہ کم یا مٹی کچھ محلِ تعجب بھی نہیں۔ اُردو اگرچہ دیکھتے دیکھتے ترقی کے بہت زینے طے کر گئی اور قریب ہے کہ وہ ایک علمی زبان کے رتبہ تک پہنچ جائے لیکن علماء کا گروہ جو عربی زبان اور عربی تصنیفات کا مالک تھا اور اسوجہ سے تاریخی ذخیرے بھی گویا خاص اسی کے قبضہ اختیار میں تھے۔ اُس کی طرف مطلقاً مٹفت نہ ہوا۔ تصنیف و تالیف تو ایک طرف ہمارے علماء اس زبان میں خط و کتابت کنابھی عارِ بھاکے۔ حقیقت یہ ہے کہ اردو کچھ اس تیزی سے بڑھی کہ بہت سے لوگ اور خصوصاً یہ سادہ مزاج گروہ اسکی رفتار ترقی کا اندازہ بھی نہ کر سکا۔ چونکا تو اُس وقت۔ جب وہ (اُردو) ملک کی انشا پر دوازی اور عام تصنیفات پر پورے اقتدار کے ساتھ قابعن ہو چکی تھی اور میرا تو خیال ہے کہ اُن میں بہت سے اب تک وہی صحراے عرب اور بہارستان فارس کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ موجودہ نسلیں جنہوں نے حال کی آب و ہوا میں پرورد پائی۔ البتہ اردو کا حق سمجھتے ہیں اور ان کی دلی خواہش ہے کہ اپنی ملکی زبان کو ترقی کے اعلیٰ رتبہ پر پہنچائیں۔ اسی کا اثر ہے کہ ملک میں اردو انشا پر دوازی کا ایک عام جوش پھیل گیا ہے اور ہر طرف سے نئی تصنیفات کی صدائیں آرہی ہیں۔ لیکن چونکہ زمانہ کی پرہیز خیزتوں نے اس نے گروہ کو بہت کم موقع دیا کہ عربی زبان پر دستِ رس پاسکے۔ اس نے عربی تصنیفات سے وہ فائدہ نہ اٹھا سکا اور قومی تاریخ کے اصلی خزانے اسکی آنکھوں سے چھپ رہے گئے۔ مجسبرانہ۔ پرزور اور ایجا پسند طبیعتیں جو کسی طرح نکلی نہیں بیٹھ سکتی تھیں۔ تیز کردیں۔ اور نادلوں پر جھکیں۔ جس سے اٹنا ضرور ہوا کہ اردو کی وسعت کا ایک قدم اور آگے بڑھا۔ لیکن افسوس اور عبت کی جگہ ہے۔ کہ زبان عربی اور فارسی کو

ہناکر۔ ہماری ملی اور قومی زبان بنی۔ وہ اسی خاص سے محروم رہ گئی۔ جو قائم مقامی کی حیثیت سے اسکا ذاتی حق تھا۔ یہی ایک چیز ہے جو قومی فیلنگ اور قومی خوش کو زندہ رکھ سکتی ہے اور اگر یہ نہیں تو قوم قوم نہیں۔

انہیں خیالات کی بنا پر ایک مدت سے میرا ارادہ تھا کہ اسلامی حکومتوں کی ایک نہایت مفصل اور بیسٹ تاریخ لکھوں۔ لیکن شکل یہ تھی کہ نہ میں تمام خاندانوں کا استقصاء کر سکتا تھا نہ کسی خاص سلسلہ کے انتخاب کی محکوم کوئی وجہ مریخ تھی تھی۔ آخر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ رائل ہیسٹوریا آف اسلام (یعنی نامور فرمانروایان اسلام) کا ایک سلسلہ لکھوں جس کا طریقہ یہ ہو کہ اسلام میں آج تک خلافت و سلطنت کے جتنے سلسلے قائم ہوئے اُن میں سے صرف وہ نامور انتخاب کر لئے جائیں۔ جو اپنے طبقہ میں عظمت حکومت کے اعتبار سے اپنا مسر نہ رکھتے تھے۔ اور ان کے حالات اس ترتیب اور جامعیت سے لکھے جائیں کہ تاریخ کے ساتھ لائف کا مذاق بھی موجود ہو۔ جن خاندانوں کو میں نے اس شخص کے لئے انتخاب کیا ہے اُن کے نام یہ ہیں۔

ہیسٹوریائی نامور جو اپنے خاندان یا سلسلہ میں سب ممتاز ہے۔

خاندان یا سلسلہ

حضرت عمرؓ - خلیفہ دوم	قلنائے راشدین
ولید بن عبد الملک	بنو امیہ
مامون الرشید	عباسیہ
عبد الرحمن ناصر	بنو امیہ اندلس
سیف الدولہ	بنو محمدان
ملک شاہ	سلجوقیہ
نور الدین محمود زنگی	نوریہ
سلطان صلاح الدین قاتل بیت المقدس	ایوبیہ
یعقوب بن یوسف	موحیدین اندلس

ترکان روم سلیمان اعظم۔

ان خاندانوں کے سوا اور بھی بہت سے اسلامی خاندان ہیں جو تاج و تخت کے مالک ہوئے مگر میں نے ان کو دانستہ چھوڑ دیا ہے۔ ان میں سے بعضوں کے متعلق (مثلاً غزنویہ) مغلیہ تیموریہ، تو اس وقت ہماری زبان میں متعدد تصنیفیں موجود ہیں۔ بعض ایسے ہیں کہ شان حکومت یا وسعت سلطنت کے اعتبار سے ان کو یہ رتبہ حاصل نہیں کہ ہمیں روز کے معزز دربار میں ان کے لئے جگہ خالی کی جائے۔

یہ حقہ جو میں قوم کے سامنے پیش کر رہا ہوں مامون الرشید عباسی کی تاریخ ہے اور اسی مناسبت سے اُس کا نام المامون ہے۔ اس بات کا محک جو بھی افسوس ہے کہ چند مجاہدوں کی وجہ سے اس سلسلہ میں۔ ترتیب کی پابندی نہ کر سکا۔ اور خلفائے راشدین و بنو امیہ کو چھوڑ کر پہلے اُس خاندان کو لیا۔ جو ترتیباً تیسرے نمبر پر تھا۔ آمیندہ بھی شاید میں ترتیب کی پابندی نہ کر سکوں۔ لیکن یہ قطعی ارادہ ہے کہ اگر زمانہ نے مساعدت اور مدد دے دے تو اس سلسلے کے کل حصے جس طرح ہو سکے گا پورے کر دینگا۔

مامون الرشید کے تاریخی حالات کے متعلق عربی میں جس قدر مشہور اور مستند تاریخیں ہیں خوش قسمتی سے اکثر اس حصہ کی ترتیب کے وقت میرے استعمال میں ہیں لیکن میں علانیہ اعتراف کرتا ہوں کہ۔ موجودہ زمانہ میں تاریخ کا فن ترقی کے جس پایہ پہنچ گیا ہے اور یورپ کی دقیقہ بندی نے اُسکے اصول و فروع پر جو فلسفیانہ نکتے اضافہ کئے ہیں۔ اس کے اعتبار سے ہماری قدیم تصنیفات ہمارے مقصد کے لئے باطل کافی نہیں۔

تاریخ کبیر ابو جعفر جریر طبرستانی۔ مروج الذهب مسعودی۔ کامل بن الاثیر حسنی

۱۵۔ یہ نہایت مستند و مفید تاریخ ہے۔ امین الاثیر و ابن خلدون و ابو الفداء کا اصلی ماخذ یہی کتاب ہے۔ سترہ

۱۶۔ جلدوں میں بمقام بالینہ نہایت اہتمام سے چھاپی گئی ہے۔ ۱۰ اور ہنوز ناقص ہے۔ ۱۲۔

۱۷۔ تاریخ کامل محبوبہ مصر کے حاشیہ پر چھپی ہے اور نہایت مشہور و مفید تاریخ ہے۔ ۱۲۔

ابن خلدون - ابو الفوارس - دول الاسلام فہمی - تاریخ الخلفاء سیوطی - عیون مالحدائق
 احبار الدول قرمانی - تاریخ ابن و الفخ کاتب عباسی - فتوح لبلدان - بلاذری
 معارف بن قتیبہ - اعلام الاعلام - الجہوم الزاہرۃ - وہ مبوط اور مستند تاریخیں ہیں۔ جو
 اسلامی تاریخوں میں ممتاز خیال کی جاتی ہیں۔ اور دولت عباسیہ یا خاص مامون
 الرشید کے حالات سے آگہی کا ذریعہ ان سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے۔ لیکن ان
 تمام تاریخوں کو پڑھ کر اگر یہ معلوم کرنا چاہو کہ فلان عہد میں طریق تمدن اور طرز معاشرت
 کیا تھا۔ حکومت اور فصل مقدمات کے کیا آئیں تھے۔ خراج ملک کیا تھا۔ فوجی قوت کس قدر
 تھی۔ ملکی عہدے کیا کیا تھے۔ تو ان باتوں میں سے ایک کا پتہ لگنا بھی مشکل ہو گا۔ خود مرقاۃ
 وقت کے طور و طریقے اور عام اخلاق و عادات کا اندازہ کرنا چاہو تو وہ بزرگی حالات
 اور مفید تفصیلیں نہ ملیں گی جن سے اسکی اخلاقی تصویر ایک بار آنکھوں کے سامنے پہر جائے
 جن واقعات کو بہت بڑھا کر لکھا ہے اور ہزاروں صفحے اسکی نذر کر دئے ہیں۔ وہ صرف
 تخت نشینی - خانہ جنگیاں - فتوحات ملکی - اندرونی بغاوتیں عمال کے عزل و نصب کے
 حالات ہیں۔ یہ واقعات بھی کچھ ایسے عامیانہ طریقے پر جمع کر دئے ہیں نہ ان کی اسباب
 و علل کا مرتب سلسلہ معلوم ہوتا ہے۔ نہ ان سے کسی قسم کے دقیق تاریخی نتیجے مستنبط
 ہو سکتے ہیں۔

مثلاً اسی مامون الرشید کے عہد میں بہت سی بغاوتیں ہوئیں۔ ان کے متعلق جس تاریخ
 کو اٹھا لو نہایت تفصیلی حالات ملیں گے۔ لیکن اگر یہ تحقیق کرنا چاہو کہ کس قسم کے اندرونی واقعات
 نے ان بغاوتوں کو پیدا کیا تھا۔ اور ان کے نشوونما کی وہ ابتدائی اور تدریجی رفتار جس پر عوام تو
 کیا خاص کی نگاہیں بھی نہ اٹھیں کب شروع ہو چکی تھی۔ تو یہ تاریخی دفتر بہت کم مدد دینگے اور تمکو
 تمام تر اپنے اجتہاد سے کام لینا پڑے گا۔ تاریخ عالم کا ہر واقعہ بہت سے مختلف واقعات
 کے سلسلے میں بندھا ہے انہیں ریشہ و دانیوں کا پتہ لگانا اور ان سے فلسفیانہ نکتہ کشی کے
 ساتھ تاریخی نتائج کا استنبط کرنا۔ یہی چیز ہے جو علم تاریخ کی جان اور روح ہے
 بلاذری نہایت قدیم مہربانہ غلطہ متوکل باللہ عباسی المتوفی ۳۸۴ھ کے عہد میں موجود تھا اسکی تاریخ جرن میں بھی ہے

اور یوہپ کو اس فن کے متعلق جس اختراع و ایجاد پر زیادہ تر ناز ہے وہ اسی ظلم کی پرودہ کشائی ہے اس سے میرا یہ مقصد نہیں کہ اگلے مصنفوں کی کوشش پر نکتہ چینی کروں اُن لوگوں نے جو کچھ کیا موجودہ اور آئندہ نسلیں ہمیشہ اُسکی ممنون رہیں گی۔ لیکن زمانہ کا ہر قدم آگے ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ترقی کی جو حد کل مقرر ہو چکی تھی۔ آج بھی قائم رہے گی؟۔

اسکے علاوہ۔ یہ ایک بدیہی بات ہے کہ ہر زمانہ کا مذاق مختلف ہے۔ جن باتوں کو قدمانے اس خیال سے نظر انداز کر دیا۔ کہ یہ جزئی اور عام معمولی باتیں تصنیف کی متانت کے شایاں نہیں آج انہیں کی تلاش ہے کہ اُس عہد کی عام معاشرت۔ اور طرز زندگی کا اُن سے اندازہ کیا جائی اسی ضرورت سے میں نے اس کتاب کے دو حصے کئے پہلے حصے میں وہی معمولی واقعات ہیں جو عموماً تاریخوں میں مل سکتے ہیں۔ یعنی مامون کی ولادت و لیہدی۔ تخت نشینی۔ خانہ جنگیاں۔ بغاوتیں فتوحات ملکی۔ وفات۔

دوسرے حصہ میں اُن مراتب کی تفصیل ہے جن سے مامون کے پولیکل انتظامات اور شیوہ حالات کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔ اگرچہ اس خاص حصہ کی ترتیب کے وقت واقعات کی تلاش و جستجو میں۔ میں خاص تاریخی تصنیفات کا پابند نہ تھا۔ تراجم طبقات۔ مقامی جغرافیہ۔ سفر نامے۔ نقشیات۔ غرض جہاں سے جو بات ملی۔ اخذ کی تاہم اس بات کی سخت احتیاط کی کہ جو کچھ لکوا جائے نہایت صحیح اور مستند تاریخی روایتوں سے لکھا جائے۔

(ناظرین اس موقع پر حصہ دوم جہاں سے شروع ہوا ہو اسکی تہید بھی ملاحظہ فرمادیں)

مامون الرشید کی اہلی تاریخ شروع کرنے سے پہلے مناسب ہو گا کہ ہم مختصر طور پر دولت عباسیہ کے قیام کے ابتدائی حالات لکھیں۔ خام مودخوں نے عباسیہ کے ظہور اقبال اور بنو امیہ کے زوال کا زمانہ قریباً سا تہہ سا تہہ خیال کیا ہے امدان مشہور واقعات سے بھی جو شہرت عام کی روشنی میں چمک رہے ہیں۔ یہی گمان ہوتا ہے کہ عباسیوں کو اپنی رقیب سلطنت کی بربادی میں بہت کم عرصہ لگا۔ لیکن تاریخی اصول کے لحاظ سے کسی طرح خیال میں نہیں آسکتا کہ ایک ایسی پُر زور سلطنت ایسے فوری صدمہ سے دفعتاً زیر و زبر ہو جائے

یہ بات بھی کچھ کم تعجب کی نہیں کہ جب خلافت کے دعوے میں ہمیشہ پیغمبرِ مسلم کا قرب زیادہ مؤثر سمجھا جاتا تھا تو عباسیہ اور سادات کے ہوتے۔ بنو امیہ کیونکہ اس منصب پر قابض ہو گئے ان باتوں کے سمجھانے کے لئے ہم خلافت کے اجمالی سلسلہ کو اس ترتیب سے لکھتے ہیں جس وہ تمام عقدے خود بخود حل ہو جائیں جو ان خلافتوں کی پولیٹکل حیثیتوں کے متعلق تاریخی فلسفہ کے راز ہیں۔

خلافت کا اجمالی سلسلہ بنی ہاشم۔ بنی امیہ کی حریفانہ طاقتیں۔ بنو امیہ کی سلطنت۔ ہاشمیوں کی کوششیں دولتِ عباسیہ کا آغاز

آنحضرتِ مسلم سے پہلے عرب کی تمام قوت و شوکت کا اصلی مرکز قریش کا قبیلہ تھا۔ لیکن تشریش کے بھی دو برابر حصے ہو گئے تھے۔ ہاشم و امیہ اور جیسا کہ علامہ بن خلدون نے صاف تصریح کر دی ہے جمیعت اور ملکی اقتدار میں بنو امیہ کا ہلہ۔ بنو ہاشم سے بھاری تھا۔ البتہ آنحضرتِ مسلم کے وجود مبارک سے بنو ہاشم فخر اور اعزاز میں اپنے حریفوں سے نمایاں طور پر ممتاز ہو گئے۔ آنحضرت کے انتقال کے بعد جب خلافت کی نزاع پیدا ہوئی تو گو فوری طور پر صدیق اکبرؐ پر اتفاق عام ہو گیا۔ لیکن بنو ہاشم دیر تک اپنے اداکار پر رے کے رہے اور انکو اپنی ناکامی پر تعجب اور افسوس دونوں ہوا حضرت ابو بکر صدیقؓ رضی اللہ عنہ کے بعد شاید بنی ہاشم کے دعوے نئے سرے سے پیش ہوتے۔ لیکن حضرت عمرؓ کی باضابطہ ولیعہد می نے اسکا موقع نہ دیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنی وفات کے قریب چھ شخصوں کو چنا جنکی ماکانہ لیا قتبیں اُنکے نزدیک ایسی مساویانہ درجہ رکھتی تھیں کہ وہ کسی کے حق میں ترجیح کا فیصلہ نہیں کر سکے۔ حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ بھی انتخاب شدہ لوگوں میں شامل تھے اور گو حضرت عباسؓ نے اُنکو یہ ہدایت کی کہ وہ اپنی خلافت کو بختِ اتفاق کے ہاتھ میں نہ بلکہ بغیر کسی اعانت اپنے اتحقاق کا فیصلہ کر لیں

لے قریش کے اور بھی چھوٹے چھوٹے حصے ہو گئے تھے۔ لیکن برابر کے حریف صرف ہی دو تھے ۱۲

لیکن جناب امیرؓ کی بے غرضی اور فیاض دلی نے اس اختلاف انگیز تحریک کے قبول کرنیکی اجازت نہ دی اور جب عبدالرحمن بن عوف نے جو اس نزاع کے طے کرنے کے لئے ثالث مقرر ہوئے تھے حضرت عثمانؓ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ تو حضرت علیؓ نے قمبر جمیل کہا اور تن بہ تقدیر راضی ہو گئے حضرت عثمانؓ نہ خاندان بنو امیہ سے تھے۔ اور ان کی خلافت ایک نئے تاریخی سلسلہ کا دیباچہ تھی حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نہ ہاشمی تھے نہ اموی۔ اس لئے ان کے عہد تک بنو امیہ و ہاشم یہ دونوں خاندان خلافت میں کچھ حصہ نہیں رکھتے تھے۔

حضرت عثمانؓ نے اپنی خلافت میں۔ تمام بڑے بڑے ملکی عہدے بنی امیہ کے ہاتھ میں بیڑے امیر معاویہؓ پہلے ہی شام کے گورنر تھے۔ لیکن اس عہد میں انکا اقتدار اس حد تک پہنچ گیا کہ شام کے فرمانروائے مستقل بھیجے جاتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت قریباً بارہ برس رہی۔ اور اگرچہ اخیر میں اسی خاندانی رعایت پر لوگ ان سے ناراض ہو گئے۔ اور ان کی شہادت تک نہایت پہنچی۔ لیکن اس وسیع مدت میں بنی امیہ کا خاندان ملکی و مالی دونوں حیثیت سے نہایت طاقتور ہو گیا۔ جس کا یہ اثر تھا کہ حضرت علیؓ علیہ السلام کے عہد میں امیر معاویہؓ نے ہمسری کا دعویٰ کیا۔ اور اگرچہ ذاتی فضائل و مذہبی تقدس میں ان کو حضرت علیؓ سے کچھ نسبت نہ تھی۔ تاہم ایک مدت تک وہ ساویانہ طاقت کے ساتھ جناب امیرؓ کے حریف رہے اور جنگ کا جو اخیر فیصلہ ہوا وہ بھی گویا انہیں کے حق میں ہوا۔

اب اسلام میں ہاشمی اور اموی۔ دو طاقتیں حریف مقابل بنکر قائم ہوئیں۔ اور ان کی باہمی محرم آرائیوں کی مسلسل تاریخ شروع ہو گئی۔ امام حسن علیہ السلام نے گو مصلوٰۃ خلافت سے ہاتھ اٹھایا اور بظاہر امیر معاویہؓ کی حکومت بیدار رہ گئی۔ لیکن اسی زمانہ میں آل ہاشم و شیعوں کا علیؓ نے حضرت امام حسینؓ کو خلیفہ کرنا چاہا اور یہ انہوں نے انکا۔ کیا تو ان کے علائی بھائی محمد بن حنفیہ کے ہاتھ پر خفیہ بیعت کی۔ اور اکثر شہروں میں نقیب مقرر کئے۔ حضرت امام حسینؓ علیہ السلام کے جانکاہ واقعہ کو ہم دوبرانا نہیں چاہتے۔ افسوس ہے کہ اس عبت انگیز حادثہ نے خاندان نبوتؐ کی تمام زندہ یادگاریں مٹا دیں۔ اور ایک مدت کے لئے یہ توقع باقی رہی کہ اس مقدس گھر سے خلافت کی صدا بلند ہو۔ یزید کے مرنے کے بعد محمد بن حنفیہ

گروہ شاید اپنے خفی راز سے پردہ اٹھا دیتا لیکن ہاشمیوں ہی میں عبداللہ بن زبیر دوسرے
دعویدار ہو گئے۔ اور اپنی مشہور شجاعت والوالاعز می سے حجاز و اطراف عرب میں مستقل حکومت
قائم کر لی۔ اسی زمانہ میں۔ بنو امیہ میں سے مروان بن حکم نے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا چچا زاد بھائی
تھا اور ان کا میر منشی رہ چکا تھا۔ سلاطین میں شام و مصر پر قبضہ کر لیا اور وہ گو خود کچھ بہت
کامیاب نہیں ہوا۔ لیکن اسکے بیٹے عبدالملک نے جو ششہ میں تخت نشین ہوا اُس عظیم
الشان سلطنت کی بنیاد ڈالی جو دولت بنی امیہ کے ہیبت لقب سے مشہور ہے۔
عبداللہ بن زبیر مکہ معظمہ میں قلعہ میں بند ہو کر شہید ہوئے اور تمام دنیا کے سلام با استثناء عبدالملک
کے قبضہ اقتدار میں آ گئی۔ یہ حکومت جسکو اموی کی بنسبت مروانی کہنا زیادہ معقول ہے۔
قریباً ۶۸ برس تک قائم رہی۔ اور اسی قلیل مدت میں وثن شخص تخت نشین خلافت ہوئے۔
اس خاندان میں عبدالملک و ولید و سلیمان و ہشام۔ نہایت عظمت و اقتدار کے بادشاہ گذرے
صرف ولید کی فتوحات پر اگر لحاظ کیا جاوے تو دولت عباسیہ اپنی چہ سو برس کی زندگی میں
اُس کی ہسری کا دعوے نہیں کر سکتی۔ اس عہد میں حدود اسلامی کا دائرہ اس قدر وسیع ہو گیا
تھا کہ سندھ و کابل و ایران و ترکستان و عرب و شام و ایشیائے کوچک و اسپین اور تمام
افریقہ اس میں داخل تھا۔ با اینہم بنی ہاشم اپنی کوششوں میں برابر سرگرم تھے۔ اور مختلف
دقتوں میں بڑے زور شور سے مقابلہ کو اُٹھے۔ اگرچہ ولید و ہشام کے پُزور ہاتھوں نے
سلطنت کو ہر خطرہ سے بچالیا۔ لیکن بنیاد حکومت میں کسی قدر تزلزل پیدا ہو گیا اور جب
اُس عظمت و اقتدار کے فرمانروا اُٹھ گئے تو حکومت مروانی کا ڈھچکا بکھل ڈھیل پڑ گیا۔
اُس وقت تک خلافت کی کوششیں۔ صرف سادات اور علویین کی طرف سے ہوتی رہیں
عباسی خاندان اب تک بظاہر ایک گمنامی کی حالت میں تھا۔ علویین میں سے عبداللہ جو محمد
بن حنفیہ کے بیٹے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پوتے تھے اپنے پیروں کی ایک تعداد کثیر رکھتے تھے
اور خراسان و ایران میں جا بجا ان کے خبیہ نقیب مقرر تھے بتسمہ میں اُن کو زہر دیا گیا اور
چونکہ اُن کے کوئی اولاد نہ تھی اور نہ سادات میں اُس وقت کوئی صاحب اثر شخص موجود تھا۔
اس لئے وہ محمد بن علی کو جو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے عم بزرگوار کے پوتے تھے

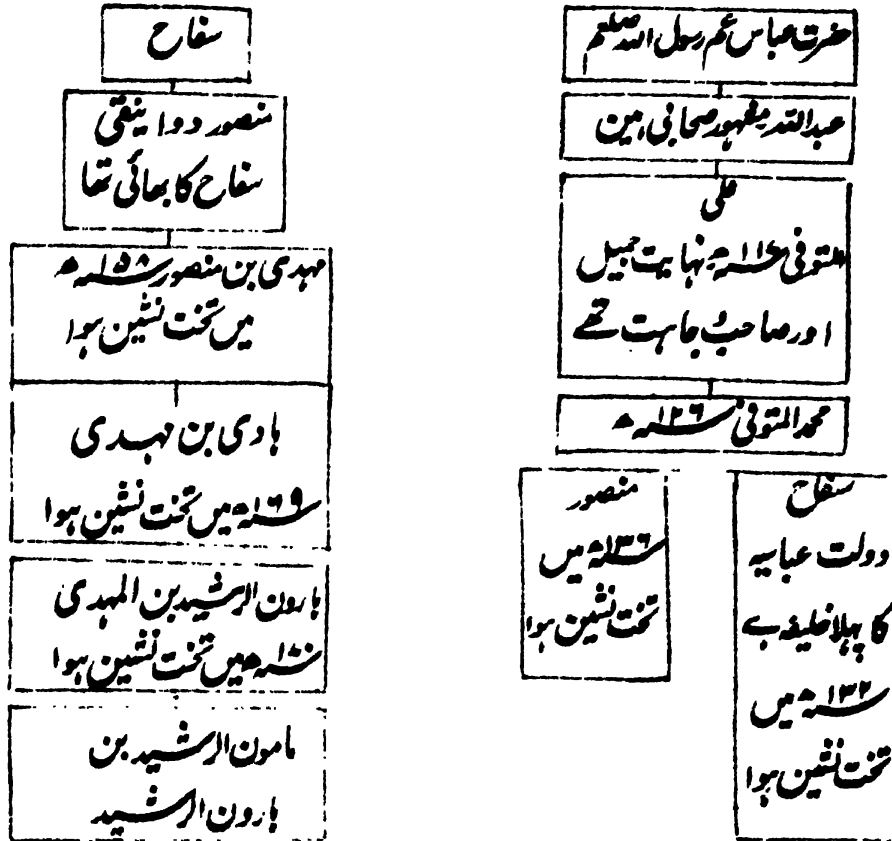
امام ابو مسلم خراسانی جو ان کا نقیب ہے۔ خراسان کے اضلاع پر قبضہ حاصل کرتا جاتا ہے۔ ابراہیم امام اس وقت حمیمہ میں تھے۔ اور ان کی فوجی جمعیت جو کچھ تھی ان سے بہت دور خراسان کی فتوحات میں مصروف تھی۔ مروان نے بلقار کے عامل کو لکھا کہ ابراہیم کو پایہ زنجیر کر کے دار الخلافہ روانہ کرے۔ چونکہ ان کے ساتھ کچھ جمعیت نہ تھی۔ بغیر کسی وقت کے گرفتار کر لئے گئے چلتے چلتے اپنے عزیزوں سے کہتے گئے کہ کوئی چلے جائیں۔ اور ابو العباس سفاح کو دبوٹنے کے حقیقی بھائی تھے خلیفہ بنائیں۔

سفاح نے کوئی پہونچکر مجھ کے دن ۱۲۔ ربیع الاول ۱۳۲ھ کو خلافت کا اعلان کیا۔ اور بڑے تزک و اہتمام سے مسجد جامع میں جا کر خلافت عباسیہ کا نہایت فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا۔ اور مصر ابو مسلم نے سمرقند، طارستان، طوس، نیشاپور، رے، جرجان، ہمدان، ہناوند، ہرمین، یمن اور یہ تمام ممالک عباسیوں کے علم اقبال کے سایہ میں آگئے شہر زور پر خود مروان کے بیٹے عبداللہ سے مقابلہ ہوا اور ابو عون نے جو ابو مسلم کا ایک فوجی افسر تھا عبداللہ کو شکست فاش دی۔ یہ خبر سنکر مروان، ایک فوج عظیم کے ساتھ جو تعداد میں لاکھ سے زیادہ تھی اور جس میں بنو امیہ کا تمام شاہی خاندان شریک تھا ابو عون کے مقابلہ کو بڑھا۔ اور ہر سفاح نے محمد بن علی اپنے چچا کو ابو عون کی مدد کو بھیجا مروان نے شکست کھائی۔ اور مصر کو روانہ ہوا۔ چند روز بھاگتا پہرا۔ اور آخر ۲۶ رذوالحجہ ۱۳۲ھ کو بومیر (مصر کا ایک شہر ہے) کے ایک گہرے میں محصور ہو کر مارا گیا۔ اور اسکے قتل کے ساتھ مروانی حکومت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ اسکے بعد عباسیوں نے بڑی سفاکی کے ساتھ قتل عام شروع کیا اور بالاتفاق نہر گیا کہ خاندان بنی امیہ کا ایک بچہ دنیا میں زندہ نہ رہنے پائے۔ ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان کا پتہ لگایا جاتا ہے۔ اور قتل کر دیئے جاتے تھے۔ اس پر بھی عباسیوں کا جوش انتقام کم نہ ہوا خلفائے بنی امیہ یعنی امیر معاویہ، یزید، عبدالملک، ہشام کی قبریں اکھڑا ڈالیں۔ اور اگر ایک ہڈی بھی ثابت مل گئی تو آگ میں جلا دی۔ اس ہنگامہ میں بنو امیہ میں سے ایک شخص عبدالرحمن نام۔ اندلس (اسپین) کو بھاگ گیا۔ اور زور بازو سے وہ عظیم الشان حکومت قائم کر لی جس کو آل عباس ہمیشہ رشک کی نگاہ سے دیکھا کرتے اور کچھ نہ کر سکے۔ عباسیوں کی خلافت بان سوچو میں برس تک قائم رہی اور اس مدت

میں ۳۷ تحت نشین گذرے۔ امامون جس کا حال ہم لکھنا چاہتے ہیں۔ اس خاندان کا چنا خلیفہ تھا۔ ذیل کے دو شجروں سے خلافت و نسب کی ترتیب معلوم ہوگی۔

شجرۃ النسب

شجرۃ الخلافۃ



ہارون الرشید۔ بڑی عظمت و شان کا خلیفہ گذرا۔ شاہزادگی کے زمانہ میں روم پر لشکر کشی کی۔ اور بے درپے فتنیں مائل کرتا ہوا یلیج قسطنطنیہ تک پہنچ گیا۔ سہ پر خلافت پر بیٹھا تو اسلام کے ملکی حدود اس قدر وسیع کر دئے کہ دولت عباسیہ میں کسی نہیں رہے تھے۔ قیصر روم نے چند بار خراج دینے سے انکار کیا۔ مگر اس نے ہر بار شکست دی قیصر کے پاسے تحت پیر یلیکی کو براہ د کر دیا۔ اور بزورِ شہر لکھوالی کہ پھر کسی آباد نہ کیا جائے گا۔

۱۱۷ھ میں ایک نہایت آباد اور مشہور شہر تھا۔ یونانی خاندان جو اس زمانہ میں قیصر کہلاتا تھا اسکا پایہ تخت بھی شہر تھا۔ عربی مورخ اسکو ہرقلہ کہتے ہیں اب ویران ہو کر ایک معمولی شہر بن گیا ہے۔

شاہان شان شوکت اور علم و ہنر کی سرپرستی نے ہارون الرشید کی شہرت کو اور بھی چمکایا۔ اُس کی قدردانی کی ندائے عام نے دلوں میں وہ شوق اور جوش پیدا کر دئے کہ نہ ان کے تمام اہل کمال و دربار میں کھینچ آئے۔ اور آستانہ خلافت علوم و فنون کا مرکز بن گیا خود بھی نہایت طباع اور قابل تھا۔ اسکی علمی مجلسیں۔ ادبی تعنیفات کی جان ہیں۔ حق یہ ہے کہ اگر اُس کا دامن انصاف ہر اکملہ کے خون سے رنگین نہ ہوتا۔ تو ہم اُس کے ہوتے عباسیوں میں سے کسی فرمانروا کو انتخاب کی نگاہ سے نہ دیکھ سکتے۔ مامون جس کے حالات۔ ہم اس کتاب میں لکھنا چاہتے ہیں۔ اسی ہارون کا فرزند رشید تھا۔

مامون کی ولادت اور تعلیم و تربیت

ربیع الاول ۱۵۸ھ میں پیدا ہوا۔ اُس کی ولادت کی رات بھی عجیب رات تھی جس میں ایک خلیفہ (ہادی) نے وفات پائی۔ دوسرا ہارون الرشید، تخت نشین ہوا۔ تیسرا (مامون)، عالم وجود میں آیا۔ خلیفہ ہادی نے وصیت کی تھی کہ میرے بعد ہادی۔ تخت نشین ہو۔ اور اسکے بعد ہرون۔ ہادی نے بدینتی سے ہرون کو محروم کرنا چاہا اور چونکہ ہرون خانہ جنگیوں سے ہمیشہ پرہیز کرتا تھا اس لئے ممکن تھا کہ ہادی اپنے خود غرضانہ ارادہ میں کامیاب ہو جاتا۔ لیکن موت نے دفعتاً اُس کی تمام امیدوں کو خاک میں ملا دیا۔ ہارون بستر خواب پر سو رہا تھا کہ وزیر اعظم یحییٰ جگا کر مژدہ خلافت سنایا۔ ہرون نے نہایت یاس سے کہا: ”دیکھو! تم ہنسی کرتے ہو۔ بھائی صاحب سن لیں گے۔ تو یہی ہنسی بلائے جان ہوگی“ یحییٰ نے عرض کیا کہ: ”قصائے آہی نے اس بحث کا فیصلہ کر دیا آپ طینا سے سریر خلافت کو زینت دیں۔“ اسی گفتگو میں۔ خواص مژدہ لائی کہ: ”شکوے سے حق میں وارث تاج و تخت پیدا ہوا“ یہی وہ مبارک فال لڑکا تھا جس کی قسمت میں مامون الرشید اعظم ہونا لکھا تھا۔ ہرون نے مبارک فالی کے لحاظ سے عبدالعزیز نام رکھا۔ کیونکہ بانی دولت عباسیہ یعنی خلیفہ سفاح کا بھی یہی نام تھا۔

مامون کی مان ایک کنیز تھی جس کا نام مراحل تھا۔ اور بادشہ و ہرات کا ایک شہر ہے، میں پیدا ہوئی تھی۔ علی ابن عیسیٰ گورنر خراسان نے اُسکو ہارون کی خدمت میں پیشکش بیٹھا تھا۔ افسوس ہے کہ مراحل دو ہی چار روز کے بعد انتقال کر گئی اور مامون کو ادھر پہنچنے کے دامن شفقت میں پلٹنا نصیب نہ ہوا۔

مامون جب قریباً پانچ برس کا ہوا تو بڑے اہتمام سے اُسکی تعلیم و تربیت شروع ہوئی۔ دربار میں جو علماء اور مجتہدین فن موجود تھے ان میں سے دو شخص یعنی کسائی نحوی اور یزیدی۔ قرآن پڑھانے کے لئے مقرر ہوئے۔ مامون کا سن ہی کیا تھا مگر طباعی اور فطانت کے جوہر ابھی سے چمک رہے تھے۔ کسائی کی تعلیم کا طریقہ یہ تھا کہ مامون کو پڑھنے کے لئے کہتا تھا اے آپ چمکا اے آپ چمکا سر جھکا کے بیٹھا رہتا تھا۔ مامون کہیں غلط پڑھ جاتا تو فوراً کسائی کی نگاہ اٹھ جاتی۔ اتنے اشارے سے مامون متنبہ ہو جاتا اور عبارت کو صحیح کر لیتا۔ ایک دن سورہ صف کا سبق تھا۔ کسائی حسب عادت سر جھکائے سن رہا تھا۔ جب مامون اس آیت پر پہنچا یا اَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اَلَمْ تَقُولُوْا مَا لَا كَفْعَ لِهٰٓؤُنَّ (اے ایمان والو وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں؟ تو بے اختیار کسائی کی نظر اٹھ گئی۔ مامون نے خیال کیا کہ میں نے شاید آیت کے پڑھنے میں کچھ غلطی کی مگر جب پھر مکرر پڑھا تو معلوم ہوا کہ صحیح پڑھی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد جب کسائی چلا گیا۔ تو مامون ہارون کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ اگر حضور نے کسائی کو کچھ دینے کے لئے کہا تو ایسا کیا وعدہ فرمائیے۔ ہارون نے کہا بوہاں اُس نے قاریوں کے لئے کچھ وظیفہ مقرر ہونے کی درخواست کی تھی۔ جسکو میں نے منظور بھی کیا تھا۔ کیا اُس نے تم سے کچھ تذکرہ کیا۔ مامون نے کہا نہیں۔ ہارون نے پوچھا پھر تم کو کیونکر معلوم ہوا۔ مامون نے اُس وقت کا مابرا عرض کیا۔ اور کہا کہ خاص اُس آیت پر کسائی کا دفعتاً چونک پڑنا بے وجہ نہیں ہو سکتا تھا ہارون اپنے کم سن بیٹے کی اس ذہانت

ہنایت متعجب اور خوش ہوا۔ یزیدی مامون کا صرف معلم نہ تھا بلکہ اتالیق بھی تھا۔ امدامون کے عام افعال و عادات کی نگرانی اُس سے متعلق تھی۔ اُس فرض کو یزیدی ہنایت سچائی سے ادا کرتا تھا۔

ایک دن یزیدی اپنے معمول پر آیا۔ مامون اس وقت محل میں تھا۔ خدام نے یزیدی کے آنے کی اطلاع کی۔ مگر کسی وجہ سے مامون کو باہر آنے میں فراڈیر ہوئی۔ نوکروں نے موقع پا کر یزیدی سے شکایت کی کہ جب آپ تشریف نہیں رکھتے تو صاحبزادے تمام ملازموں کو ہنایت و ق کر رہے ہیں۔ مامون جب باہر آیا تو یزیدی نے چہسات بیدارے اتنے میں خادموں نے وزیر السلطنت جعفر بن یحییٰ کے آنے کی اطلاع کی۔ مامون فوراً آنسو پونچھ فرش پر جا بیٹھا۔ اور حکم دیا کہ اچھا آنے دو۔ جعفر حاضر ہوا۔ اور دیر تک اوہراوہر کی باتیں کرتا رہا۔ یزیدی کو ڈر پیدا ہوا کہ مامون جعفر سے کہیں میری شکایت نہ کر دے۔ جعفر چلا گیا تو یزیدی نے پوچھا کہ میری شکایت تو نہیں کی۔ مامون نے سعادتمندانہ لہجہ میں کہا۔ ”استغفر اللہ میں ہارون الرشید سے تو کہنے کا نہیں جعفر سے کیا کہوں گا۔ کیا میں یہ نہیں سمجھتا کہ تادیب و تعلیم سے مجھ کو کس قدر فائدے پہونچیں گے۔“ خلفاء کا دستور تھا کہ دربار میں جو لوگ معتمد اور صاحب فضل و کمال ہوتے تھے اولاد کو ان کی آغوش تربیت میں دیدیتے تھے اور انہیں کے اہتمام میں وہ تعلیم و تربیت حاصل کرتے تھے۔ ہارون نے اسی قاعدے کے موافق مامون کو سترہ برس میں جعفر برکی کے حوالے کیا۔ مامون کی قابلیت علمی اور عام لیاقتوں کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہوا کہ وہ جعفر برکی کی آغوش تربیت میں پلا۔ جو قابلیت و ذرات کے علاوہ علوم و فنون میں دستگاہ کامل رکھتا تھا اور زیادہ تر اُسی کی سرپرستی میں مالک اسلامیہ میں فضل و کمال کا رواج ہوا۔ یزیدی کا بڑا بیٹا محمد بھی جو ہنایت متبحر اور شاعر تھا مامون کی تربیت پر تعلیم پر مامور تھا۔

۱۔ دیکھو منتخب کتاب المتعارفین نوادر الاخبار صفحہ ۱۰۱۔ ۱۲۰

۲۔ تاریخ الخلفاء کے سیوطی صفحہ ۳۱۹۔ ۳۲۰

مامون کو مدعوں نے مافظ القرآن لکھا ہے غالباً اسی نانہ میں وہ مافظ ہوا ہوگا بہر حال قرآن مجید کے ختم کرنے کے بعد اُس نے نحو و ادب پڑھنا شروع کیا اور وہ جہالت حاصل کی کہ جب کسائی نے ایک موقع پر امتحان لیا اور نحو کے متعدد مسئلے پوچھے تو اُس نے اس پر جستجی۔ ۷ سوالوں کے جواب دئے کہ خود کسائی کو تعجب ہوا اور مامون نے جوش طرب میں سینہ سے لگایا۔

اس امتحان میں ہارون کا دوسرا بیٹا امین بھی شریک تھا جو مامون سے ایک برس چھوٹا تھا اور جب کہ اس بات میں مامون سے شرف حاصل تھا کہ اسکی ماں زبیدہ خاتون تھی اور اس اعتبار سے وہ نجیب الطرفین تھا۔

یزیدی نے مامون و امین کو ہر جہت گونی اور من تقریر کی بھی تعلیم دی تھی۔ ان دونوں کی قابلیت پر یزیدی کو خود تعجب ہوتا تھا اور وہ کہا کرتا تھا کہ ”خلفائے بنی امیہ کے لڑکے قبائل عرب میں بھیج دئے جایا کرتے تھے کہ ششہ بیانی سیکھیں مگر تم تو گہر بیٹھے ادن سے کہیں زیادہ فصیح اور زبان آرد ہو“ اول اول اُس نے مجع کے دن ایک بڑے مجمع میں جو فصیح و بلیغ خطبہ پڑھایا یہ پڑتائیں لہجہ میں پڑھا کہ تمام حاضرین کے دل دہل گئے۔ اور اکثر لوگ رو پڑے ابو محمد یزیدی نے اس پر ایک قصیدہ لکھا۔ کتاب اللغات میں یہ قصیدہ نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ ہارون نے اس کے صلے میں یزیدی کو ۵ ہزار درہم عطا کئے فقہ کی تعلیم کے لئے سلطنت کے ہر حصہ سے فقہا بلائے گئے۔ اور مامون نے اُن کے فیض صحبت سے ایک ماہر فقیہ کا رتبہ حاصل کیا۔ علم حدیث کی سند ہشیم۔ عباد بن العوام یوسف بن عطیہ۔ ابو معاویہ الضریر اسمعیل بن علیہ۔ حجاج الاعور وغیرہ سے حاصل کی حدیث کے فن میں مالک بن انس امام وقت تھے اور بڑے بڑے ائمہ فن جن میں امام شافعی بھی داخل ہیں ان کی شاگردی پر فخر کرتے تھے۔ ہارون الرشید نے اُن کی خدمت میں درخواست کی کہ مریم خلافت میں قدم رکھ کر فرما کر شہزادوں کو علم حدیث پڑھائیں۔ امام مالک نے

۱۷ خلفاء میں صرف ابو بکر صدیقؓ، حضرت عثمانؓ، مامون الرشید مافظ القرآنؓ گذرے ہیں سبھی صفحہ ۲۲

۱۷ دیکھو مدار فی ذکر الخلفاء ص ۱۷۹

کہا: بیجا کہ "علم کے پاس لوگ خود آتے ہیں وہ دوسروں کے پاس نہیں جاتا" اوصوں نے اس بات سے ہارون کو ادبی غیرت دلائی کہ یہ علم تمہارے ہی گھر سے نکلا ہے اگر تمہیں اس کی عزت نہ کرو گے تو وہ کیونکر عزت پاسکتا ہے۔ اس معقول جواب کو ہارون نے نہایت خوشی سے تسلیم کیا اور شہزادوں کو حکم دیا کہ امام موصوف کے درگاہ عمام میں حاضر ہوں۔

ہارون الرشید خود بہت بڑا فقیہ اور پایہ نفاس فن تھا۔ موطا کے پڑھنے کے لئے جو علم حدیث کی نہایت معتبر اور مشہور کتاب ہے وہ اکثر امام مالک کی خدمت میں حاضر ہوا ہے اور چونکہ اسکو اپنی اولاد کی تعلیم کا شروع ہی سے نہایت اہتمام تھا۔ امین و مامون بھی اس درس میں اس کے ساتھ ہوتے تھے۔ ہر چند دار الخلافہ بغداد میں جس پایہ کے علماء موجود تھے۔ اس وقت اور کہیں نہ تھے۔ تاہم ہارون کی خواہش تھی کہ ملک میں اور جو اباب فن ہیں ان کے فیض تعلیم سے بھی مامون و امین محروم نہ رہیں۔ جب وہ کوفہ گیا جو اس وقت فقہ و حدیث کا مرکز تھا تو وہاں کے تمام محدثین کو طلب کیا۔ چنانچہ دو شخص کے سوا اور سب مقرر ہوئے۔ یہ دو بزرگ عبداللہ بن ادیس و یحییٰ بن یونس تھے۔ جنہوں نے اپنے طبقہ عمل سے ثابت کیا کہ امام مالک کے سوا اور لوگ بھی ہیں جو علم حدیث کی جہلی عزت کرتے ہیں۔ ہارون نے حکم دیا کہ مامون و امین خود ان کی خدمت میں حاضر ہوں۔ بن ادیس نے سو حدیثیں۔ روایت کیں۔ اور جب اسی وقت مامون نے اون حدیثوں کو زبانی سنا دیا۔ تو بن ادیس بھی اس کی قوت حافظہ اور واقفیت پر عیش عیش کرتے گئے۔

علوم مروجہ وقت میں سے مامون نے اگرچہ ہر ایک علم میں دستگاہ مناسب ماسل کی تھی۔ لیکن خاص فقہ ادب۔ تاریخ۔ ایام عرب میں وہ بڑے بڑے ماہرین فن کا ہمسرہ بناتا ہے۔ علم و ادب لیا قوت المستقصى صفحہ ۱۲۰۔ ۱۲۱۔ موطا کا وہ نسخہ جس میں ہارون الرشید نے پڑھا تھا۔ متنگ مھر کے کتب خانہ میں موجود تھا۔ سیوطی صفحہ مذکور ۱۲۰۔ ۱۲۱۔ سیوطی صفحہ ۱۲۲۔ ۱۲۳۔ ۱۲۴۔

تھا اور درحقیقت ایک ایسے شخص کو جو بالطلع ذکی ہو جس نے یزیدی اور کسائی جیسے مجتہدین فن سے تعلیم پائی ہو۔ جو ابو ذؤاس۔ ابو العباس سیویہ۔ قرا کی علمی مجلسوں میں شریک رہا ہو ایسا ہی یگانہ فن ہونا چاہیے۔ جیسا کہ مامون تھا بچپن میں ایک دن اس نے اسمعی سے پوچھا کہ یہ شعر کس کا ہے۔

ما كنت الا كحل مبيت دعا الى اكله اضطراراً

اسمعی نے کہا ابن عیینہ المہلبی کا۔ مامون نے کہا نہایت بلند خیال ہے۔ مگر فلان شعر سے ماخوذ ہے۔ اسمعی کو اس وسعت نظر اور واقفیت پر نہایت تعجب ہوا مامون نے اسی زمانہ میں شعر کہنا بھی شروع کیا تھا۔ اور چونکہ طبیعت نہایت موزوں اور نظرازیں وسیع تھی برجستہ کہتا تھا اور خوب کہتا تھا۔ ایک موقع پر ہارون الرشید نے جب فوج کو حکم دیا کہ ایک ہفتہ کے بعد سفر کے لئے تیار رہے اور ہفتہ گزر جانے پر بھی لوگوں کو اس کے ارادہ کا ٹھیک حال نہیں معلوم ہوا تو مامون نے اراکین دربار کی فرمائش سے خلیفہ وقت کی خدمت میں یہ قطعہ لکھا۔

يا خير من حبب المطي به ومن تقدي بسراج الفرس

اے ان سب لوگوں سے بہتر جنگو سواریاں لے کر چلتی ہیں اور وہ جس کے گھوڑے پر ہمیشہ زین رہتا ہے۔

هل غاية في المسير نرفها امر امرنا في المسير ملتبس

سفر کا کوئی وقت ہے جبکہ ہم لوگ جان سکیں یا یہ امر ہمارے لئے مبہم رہے گا۔

ما علم هذا الا الى ملك من لوزة في الطلح لقتبس

اس بات کا علم صرف اس بادشاہ کو ہے جس کے نور سے ہم لوگ تاریکی میں روشنی حاصل کرتے ہیں مامون کو اس وقت تک نہیں معلوم تھا کہ مامون نے شاعری کی ہے۔ اگرچہ اس جہاں اور زبان پر نہایت خوش ہوا مگر رقعہ پر بعد جواب کے یہ لکھا: "اے جان پرہیزگار شعر سے کیا کام۔ شعر عام آدمیوں کے لئے باعث فخر ہے مگر عالی رتبہ لوگوں کے لئے کچھ عزت کی بات نہیں۔"

۱۵ مرۃ الجنان یا مضمی۔ ترجمہ اسمعی ۱۶ ۱۷ سیوطی صفحہ ۳۲۔

۱۱۱۱۱۱۱۱ میں جب ابراہیم موسیٰ و کسائی نحوی۔ و عباس بن الاختف شاعر ایک ہی دن
تھنا کر گئے تو ہارون الرشید نے حکم دیا کہ خود شہزادہ مامونؑ جا کر ان کے جنازے کی نماز
پڑھائے۔ مامون نماز پڑھانے کے لئے کھڑا ہوا تو پوچھا کہ ”کس کا جنازہ سب سے آگے
رکھا گیا ہے“ لوگوں نے عرض کی ”ابراہیم کا“ مامون نے کہا ”نہیں عباس کا جنازہ آگے
رکھو“ نماز سے فارغ ہو کر واپس چلا تو ایک درباری نے عرض کی کہ عباس کو کیا ترجیح تھی
مامون نے کہا ان دو شعروں کی وجہ سے۔

لھی اللھی تشقی جھاو تکا بد
افی لیجینی الحب الجاحد

دسعی بھاناس فقا لوالا اذھا
نجد لثم لیکن غیر کظھم

دیکھئے مشوق کی نسبت لوگوں نے مجھ سے کہا کہ تم اُسی پر مرتے ہو۔ میں نے انکار کیا تاکہ
لوگ میری نسبت گمان نہ کریں۔ مجھ کو وہ عاشق پسند ہے جو وقت پر نگر جائے، علامہ ابو الفرج
اصغہانی نے اس واقعہ کو ابراہیم کے تذکرہ میں نقل کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ
اُس وقت فن ادب کو وہ عزت حاصل تھی کہ اس قسم کے مذہبی فرائض میں بھی اُس کا لحاظ
کیا جاتا تھا۔

مامون نے ان علم سے فارغ ہو کر فلسفہ کی طرف توجہ کی۔ ہارون الرشید نے جو مالیات
محکمہ کتب علیہ کے ترجمے کا قیام کیا تھا۔ اور جس میں ہندو۔ پارسی۔ عیسائی وغیرہ ہر مذہب
دولت کے لوگ نوکرتھے جو مختلف زبانوں کی کتب فلسفہ و طبیہ کے ترجمے کرتے رہتے تھے
مامون کے نگلیں فلسفہ میں بہت مدگار ہوا۔ لیکن اس موقع پر ہم اسکی تفصیل نہیں کرتے
اور اُس موقع کے لئے اُٹھا رکھتے ہیں جہاں ہم ملکی تاریخ سے فارغ ہو کر اُس کے
عام اخلاق و عادات کا تذکرہ کریں گے اور اسی موقع پر اس کی علمی مجلسین۔ علماء سے مناظرہ
مسائل علیہ کے متعلق ایجادات۔ فلسفہ کی ترویج کا حال کہیں گے۔ یہاں مختصر طور پر صرف
وہ حالات بیان کئے ہیں جو اسکی ابتدائی تعلیم سے متعلق تھے۔

مامون کی ولیعہدی ۱۸۲ھ

ہارون کی اولاد ذکر ۱۲۴ھ میں ختم ہوئی تھی۔ ہارون کے بیٹے لاہق و قابل تھے جن کو وہ ولیعہدی

کے لئے انتخاب کر سکتا تھا۔ مامون۔ امین۔ موتن۔ معتقم۔ معتقم گو نہایت قوی اندام۔ ولیر
شجاع۔ اور فنون جنگ سے واقف تھا لیکن جاہل محض تھا ہارون نے اس بنا پر اسکو خلافت
سے باطل محروم کر دیا۔ امین کی مان زبیدہ اور اسکا ماموں یحییٰ بن جعفر بن المنصور دربار میں
ایک پولیشل طاقت رکھتے تھے کیونکہ اراکین و دربار و افسران فوج جو اکثر بنی ہاشم تھے اتھا
نسب کی وجہ سے زبیدہ کے ساتھ تھے۔ مسئلہ میں یحییٰ بن جعفر نے وزیر السلطنت فضل
بن یحییٰ سے امین کی ولیعهدی کے لئے سفارش کی۔ اگرچہ امین کی عمر اس وقت کل پانچ برس
کی تھی اور اسوجہ سے خاندان شاہی کے چند ممبر اس تجویز پر راضی نہ تھے۔ تاہم فضل کی بات
ثالی نہیں جاسکتی تھی۔ ہارون نے تمام دربار سے امین کے لئے بیعت لی امین اگرچہ نہایت
ذکی البصیح۔ فصیح۔ خوش تقریر۔ پاکیزہ رو۔ حور شائل تھا۔ اسکے ساتھ اسنے رنخو۔ امب۔ فقہ۔ میں
نہایت مہارت حاصل کی تھی۔ لیکن عیش طلب۔ اور راحت پسند تھا۔ ہارون کو بھی بڑھاپہ اور اسکی
راحت طلبی کا زیادہ یقین ہوتا گیا۔ مامون کی ذاتی خوبیوں نے ہارون کو بالکل اپنا گرویدہ کر لیا
تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ ”میں مامون میں منصف کا حزم۔ مہدی کی مسانت۔ ہادی کی شان و شوکت
پاتا ہوں۔ اور اگر اپنے سے بھی اسکو نسبت دینا چاہوں تو دے سکتا ہوں۔“ میں نے
”امین کو خلافت میں اسپر ترجیح دی۔ حالانکہ مجھکو معلوم ہے کہ وہ فضول خرچ اور اپنی خواہشوں
کا مطیع ہے۔ اور لونڈیاں اور عورتیں اسکی مشیر کاہیں۔ اگر زبیدہ کا لحاظ اور بنو ہاشم کا دباؤ
نہ ہوتا تو میں مامون کو ترجیح دیتا۔“

ہارون نے ایک دن ابو یحییٰ سے اپنے چھوٹے بیٹے سے جو حسن و جمال میں اپنا نظیر نہیں کہتا
تھا کہا۔ ”کاش تیرا حسن مامون کو ملا ہوتا۔“ خود مامون سے بھی وہ کہا کرتا تھا کہ ”ساری خوبیاں
تجھی میں ہوتیں تو خوب ہوتا اور اگر میرے اختیار کی بات ہوتی تو میں ابو یحییٰ کا حسن تجھی کو دیتا۔“
سلطی سیوطی صفحہ ۱۱۳ ذریعہ صفحہ ۱۱۳ تمام عباسی نسل میں خاندان خلافت۔ اور نشان خلافت میں ابو یحییٰ
نہایت حسین اور صاحب جمال تھا۔ اسکے ساتھ شاعر نکتہ سخن اور موسیقی کا بڑا ماہر تھا۔ مامون الرشید کو ابو یحییٰ سے
نہایت محبت تھی۔ علامہ آغانی نے لکھا ہے کہ مامون الرشید اپنے بعد اسکو خلیفہ مقرر کرنا چاہتا تھا۔ مگر افسوس
کہ وہ یوسف جمال مامون کی زندگی ہی میں مر گیا مامون نے کئی دن تک اسکے غم میں کھانا نہیں کھایا۔ ۱۳

زبیدہ کو ان باتوں سے نہایت رنج ہوتا تھا۔ وہ ہارون کو طعنہ دیتی تھی کہ تم ایک کینزراؤ کو میرے تخت جگہ پر توجیح دیتے ہو۔ دونوں میں اکثر اس بات پر بحثیں رہتی تھیں۔ اور چونکہ زبیدہ عام لیاقتوں میں بھی امین کو مامون سے کم درجہ پر تسلیم نہیں کرتی تھی۔ ہارون اکثر موقعوں پر دونوں کا امتحان لیتا تھا۔ اور نتیجہ امتحان پر زبیدہ کو شرمندہ ہونا پڑتا تھا۔ ایک دن اُس نے چند سواکوں کی طرف اشارہ کر کے جو اُس کے پاس رکھی تھیں۔ امین سے پوچھا کہ یہ کیا چیزیں ہیں۔ امین نے کہا: ”سواک“ یعنی سواکین۔ پھر اُس نے مامون کو بلا کر ہی سوال کیا اُس نے جواب دیا کہ: ”خند محاسنک یا امیر المومنین“۔

ایک اور دن ہارون نے دو خاص غلاموں سے کہا کہ امین سے تنہائی میں بطور خود پوچھ کہ جب خلافت آپ کو ملے گی تو حضور ہمارے ساتھ کیا سلوک فرمائیں گے۔ امین نے نہایت خوش ہو کر کہا کہ میں تم کو اس قدر انعام اور باگیریں دوں گا کہ ہال ہو جاؤ گے۔ مگر جب مامون کے پاس گئے تو اُس نے دوات جس سے لکھ رہا تھا اٹھا کر اُس کے منہ پر پھینک ماری۔ اور کہا کہ: ”بد معاش جس دن امیر المومنین بنوں گے تو ہم لوگ جی کر کیا کریں گے ہم ان پر فدا نہ ہو جائیں گے۔“

اسپر بھی ہارون امین کی ولیعہدی کو مسترد نہیں کر سکتا تھا۔ مامون کے لئے اتنا کیا کہ ۱۷۲ھ میں امین کے بعد اسکی ولیعہدی پر لوگوں سے بیعت لی۔ اور سر دست خراسان و ہمدان کے صوبہ جات کا گدز مقرر کیا۔ تیسرے بیٹے قاسم کو جریرہ ثغور و عوام کی حکومت دی۔ اور مامون کو اختیار دیا کہ اگر قاسم لائق نہ ثابت ہو تو وہ معزول کر سکتا ہے۔ اگرچہ ہارون نے اس طور پر ملک کی تقسیم کر دی تھی۔ مگر وہ امین کی طرف سے مطمئن نہ تھا وہ جانتا تھا کہ امین خود غرض اور عیش پرست ہے اور چونکہ تمام عمائد بنی ہاشم اور افواج کا بڑا حصہ اُس کا طرفدار ہے اُس کو دوسروں کی حق تلفی پر بآسانی جرأت ہو سکتی ہے۔ اس خیال سے ۱۷۳ھ میں جب وہ مکہ معظمہ گیا تو امین کو تنہا خانہ کعبہ کے اندر لے جا کر فہمائش کی پھر مامون کو بلا یا۔ اور اس سے بھی اس معاملہ کے متعلق دیر تک باتیں کیں اسکے بعد دونوں۔

سے خدا جدا معاہدے لکھوائے جس میں ہر ایک نے اس تقسیم کو تسلیم کیا جو ہارون نے انکے لئے تجویز کی تھی۔ صاحب روضۃ الصفا نے لکھا ہے کہ تقسیم کی رو سے مامون کو جو مالک ملے اس میں کرمان شاہ۔ بہاوند۔ قم۔ کاشان۔ اصفہان۔ فارس۔ کرمان۔ رے۔ توس۔ طبرستان۔ خراسان۔ زابل۔ کابل۔ ہندوستان۔ ماوراء النہر۔ ترکستان داخل تھے۔ امین کو۔ بغداد۔ واسطہ۔ بصرہ۔ کوفہ۔ شامات۔ سواد عراق۔ موصل۔ حبشہ۔ حجاز۔ مصر۔ اور بغداد کی انتہائے حدود تک کی حکومت ملی۔ اس معاہدے پر دونوں سے دستخط کر کے اور وہ ایک جم غفیر کے سامنے جس میں یحییٰ برکی وزیر السلطنت۔ جعفر بن یحییٰ۔ فضل بن البرقع حاجب۔ اور خاندان خلافت کے تمام اعیان اور فقہاء و علمائے اشاعہ تھے۔ باور بلند پڑھ کر سنایا گیا۔ تمام حاضرین نے بطور شہادت کے اس پر دستخط کئے اور جب ہر طرح سے مصدق ہو گیا سونے کے ٹکڑے میں جو نمرود یا قوت سے مرصع تھا لٹک کر حرم کعبہ میں دروازے کے اوپر آویزاں کیا گیا۔ کعبہ کے دربانوں سے حلف لیا گیا کہ اسکی نہایت احتیاط کریں گے۔ اور سچ کے زمانہ میں کسی منظر عام پر وہ آویزاں نہ کیا جائیگا اگرچہ یہ معاہدے نہایت طولانی اور بالکل فضول باتوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ تمام تحریر میں ایک بات بھی ایسی نہیں جس سے کوئی دقیق پولیشل خیال پیدا ہو۔ تاہم اس خیال سے کہ وہ ایک قدیم زمانہ کی تحریر ہے اور اس سے اس وقت کے عام خیالات اور طریق محالہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ ہم بہت اسکا ترجمہ اس مقام پر لکھتے ہیں۔

دستاویز جو امین نے لکھی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ایک تحریر ہے جسکو محمد بن امیر المومنین ہارون بن امیر المومنین ہارون کے نے لکھا نہ بجاالت ثبات عقل صحت جسم۔ حدیثی فعل۔ اطاعت منداۃ بلا جبر اگر کہ جسکو امیر المومنین علیہ السلام نے جبراً لکھا میں موجود تھا ان دونوں معاہدوں کو تہا مہا تیار کج کہ میں نقل کیا ہے۔ دیکھو تاریخ مذکور از صفحہ ۱۰ تا ۱۱۔ مطلوبہ جرم مقام لینبرک۔ ابن وفتح کا تب عباسی نے بھی ان معاہدوں کو اپنی تاریخ میں قدر اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے۔

بارون کے ولیعہد سلطنت کیا ہے۔ اور عموماً تمام مسلمانوں پر میری بیعت لازم کی میرے
 بجائی عبداللہ بن امیر المومنین کو میرے بعد میری رضا مندی سے نہ جبر و اکراہ سے۔ خلافت
 اور ولیعہد ہی۔ اور مسلمانوں کے ہر ایک معاملہ کی افسری حاصل ہوگی۔ اور اُسکو امیر المومنین
 نے اپنی زندگی میں اور اپنے بعد خراسان اور اُسکے اضلاع و فوج و خراج و محکمہ ڈاک۔ و ہر چھپی
 و بیت المال۔ و بیت الصدقہ۔ و عشر و عشر کی ولایت دی ہے۔ پس میں اقرار کرتا ہوں کہ جو
 کچھ امیر المومنین نے بیعت و خلافت و ولیعہد ہی۔ اور مسلمانوں کے عام معاملات کی افسری
 میرے بجائی عبداللہ کو دی ہے۔ میں ان سب امور کو تسلیم کروں گا۔ خراسان اور اُس کے
 اضلاع کی حکومت جو اُس کو امیر المومنین نے عطا کی ہے۔ یا زمین خاصہ میں سے جو جاگیریں
 اُس کو دی ہیں۔ یا کوئی جائداد خاص کر دی ہے۔ یا کوئی زمین یا جاگیر اُس کو خرید دی ہے
 اور جو چیزیں اپنی زندگی میں بحالت صحت از قسم مال و جواہرات و اسباب و کپڑے و غلام
 و مویشی۔ کم ہوں خواہ زیادہ اُسکو عنایت کی ہیں۔ وہ سب عبداللہ بن امیر المومنین کی ہیں۔
 جو اُسکے لئے تسلیم کر لیا گیا ہے اور جس میں کچھ عذر نہیں ہے۔ اور میں نے اور عبداللہ بن امیر
 المومنین نے ان تمام چیزوں کو ایک ایک کر کے بقید نام و نشان و جگہ جان لیا ہے۔ اور اگر ہم دونوں
 میں سے کسی چیز کی نسبت ان چیزوں میں اختلاف پائے ہو تو عبداللہ کا قول قابل تسلیم ہوگا۔
 میں ان چیزوں میں سے کسی چیز کو اپنا مال نہ قرار دوں گا۔ نہ اُس سے چھینوں گا۔ نہ کم کروں گا۔
 وہ شے خواہ چھوٹی ہو خواہ بڑی۔ اور نہ ولایت خراسان نہ اور کسی صوبے سے جس کی حکومت
 امیر المومنین نے اُسکو دی ہے مجھ کو کچھ بھٹ ہوگی۔ میں عبداللہ کو ان صوبوں سے نہ معزول
 کروں گا۔ نہ خلع بیعت کروں گا۔ نہ کسی اور کو اُسکا قائم مقام کروں گا نہ کسی اور شخص کو ولیعہد یا
 خلافت میں اُسپر مقدم کروں گا۔ نہ اُسکی جان۔ یا خن۔ یا صحت۔ یا ایک سرمو کو ضرر پہنچاؤں گا
 نہ اُس کے جزئی یا کلی امور میں۔ یا حکومت۔ مال و جاگیر و زمین خاصہ کے متعلق۔ کوئی
 رنج و دہات کروں گا۔ کسی وجہ سے اُسکی کسی چیز میں تبدیلی نہ کروں گا۔ نہ اُس سے نہ اس کے
 عمال سے نہ اس کے منشیوں سے کچھ حساب کتاب بہونگا خراسان اور اُسکے صوبوں اور ان
 علاقوں میں جس کی حکومت امیر المومنین نے اپنی زندگی میں و عالت صحت میں اُسکو دی ہے

جو کچھ انتظامات خود اُس نے یا اُسکے عمال نے کئے ہونگے مثلاً خراج - خزانہ - طرازہ - ڈاک - صدقات - عشر - عشرہ - وغیرہ - اُسکے درپے نہ ہونگا - اور نہ کسی اور کو اجازت یا حکم دینگا - نہ ایسا خیال دل میں لاؤں گا نہ اپنے لئے وہاں کوئی باگیر کی زمین طلب کروں گا - اور امیر المومنین ہارون نے جو کچھ زمان خلافت میں اُسکو عطا کیا ہے جس کا اس دستاویز میں ذکر ہے اور جس پر مجھے اور عام لوگوں سے بیعت لی گئی ہے - اس میں کچھ کمی نہ کروں گا - نہ اور کسی کو اجازت دوں گا کہ اس سے تعرض کرے - یا اُس کا مخالف بنے - یا اُس کی بیعت کو توڑے - اس بارہ میں کسی شخص کی خلق اللہ میں سے کوئی بات نہ سنوں گا - نہ اُس پر ظاہر یا باطن میں راضی ہونگا - نہ اُس سے چشم پوشی کروں گا نہ غفلت کروں گا اور نہ کسی نیک آدمی سے نہ بد سے نہ بچے شخص سے نہ جھوٹے سے نہ ناصح سے نہ فریب دہندہ سے نہ قریب سے نہ بعید سے - نہ اولاد آدم میں سے کسی شخص سے نہ مرد سے نہ عورت سے کوئی ایسا مشورہ - یا فریب یا حیلہ - کسی بات میں - ظاہر یا باطن میں - حق یا باطل میں قبول کروں گا جس سے کسی معاہدہ یا شرط کا فائدہ نہ کرنا مقصود ہو - جو میں نے عبد اللہ بن امیر المومنین سے کی ہے - اور جس کا اس دستاویز میں ذکر ہے اور اگر کوئی شخص عبد اللہ سے بُرائی کا ارادہ کرے - یا ضرر پہنچانا چاہے - یا اُس کی بیعت توڑنا چاہے یا اُس سے ارادہ جنگ کرے - یا اس کی جان - یا جسم - یا سلطنت - یا مال - یا حکومت میں مجتہد - یا تنہا ظاہر یا باطن میں کچھ تعرض کرنا چاہے تو میرا فرض ہو گا کہ اس کی مدد کروں اور حفاظت کروں - اور جو اپنی جان و جسم و مال و خون و چہرہ و حریم و حکومت سے دفع کروں وہ اُس سے بھی دفع کروں اور اس کی اعانت کو لشکر بھیجوں - اور ہر مخالف کے مقابلہ میں اس کی مدد کروں - اور نہ چھوڑ دوں اُسکو اور نہ الگ ہو جاؤں اُس سے اور سب تک میں زندہ ہوں اس بارہ میں اُس کے کام کو اپنا کام سمجھوں گا - اور اگر امیر المومنین کو موت آجائے اور عبد اللہ بن امیر المومنین اُس وقت امیر المومنین کے پاس موجود ہوں - یا ہم میں سے صرف ایک شخص حاضر ہو - یا کوئی نہ حاضر ہو - ایک ہی جگہ ہوں یا مختلف مقامات میں - اور عبد اللہ بن امیر المومنین - خراسان کے علاقہ حکومت میں نہ ہو تو میرا فرض ہو گا کہ اُس کو خراسان روانہ کروں - اور وہاں کی حکومت و صوبے و فوج

اُس کے حملے کروں۔ میں اُس میں نہ تاخیر کروں گا۔ نہ اُس کو روکوں گا۔ نہ اپنے سامنے نہ کسی اور شہر میں خراسان کے ادھر اور فہرا اسکو روانہ کروں گا۔ خراسان اور اسکے مضافات کا حاکم کر کے مستقل طور پر بغیر اسکے کہ کسی کو اُس کا شریک کروں۔ اور ان سب لوگوں کو جو اُس کے ساتھ کروں گا جن کو امیر المومنین ہارون نے عبد اللہ کی ہمراہی میں مخصوص کیا از قلم افسران فوج۔ و لشکر و ندیم و منشی و مال و غلام۔ و خدام۔ اور جو اُس کے ہمراہ ہوں مع اُن کے اہل و عیال کے۔ ان میں سے میں کسی کو نہ روکوں گا۔ اور نہ کسی کو اس میں شریک کروں گا۔ میں عبد اللہ پر نہ کوئی امین رکھوں گا۔ نہ پرچہ نویس۔ نہ بندار اور نہ قلیل یا کثیر میں اُس کا ہاتھ پکڑوں گا۔

جو کچھ اس تحریر میں میں نے شرطیں کیں۔ اور جو کچھ لکھا ہے۔ اُن کی نسبت امیر المومنین ہارون کو اور عبد اللہ بن امیر المومنین کو ذمہ دیتا ہوں خدا کا اور امیر المومنین کا اور اپنا اور اپنے آبا و اجداد کا۔ اور تمام مسلمانوں کا۔ اور وہ سخت عہد جو خدا نے انبیاء اور مرسلین اور قائمہ خلافت سے لئے ہیں۔ اور اس قسم کے عہد و میثاق اور قسمیں جن کے پورے کرنے کا خدا حکم دیا ہے۔ اور جس کے توڑنے اور بدلنے سے ممانعت کی ہے۔ پہر اگر میں توڑ دوں کوئی شرط جو میں نے امیر المومنین ہارون اور عبد اللہ بن امیر المومنین سے کی ہے اور جب کا اس تحریر میں ذکر ہے۔ یا خیال کروں اُس چیز کے توڑنے کا جس پر میں قائم ہوں۔ یا اسکو بدلوں۔ یا خیال کروں یا بد عہد ہی کروں۔ یا کسی شخص سے چھوٹے یا بڑے۔ نیک یا گنہگار۔ مرد۔ یا عورت جماعت یا تنہا کسی سے کوئی بات اُس کے خلاف قبول کروں تو میں بڑی ہوں۔ خدا نے عز و جل سے اور اس کی ولایت سے اور اس کے دین سے۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے دن مشرک ہو کر خدا سے ملوں۔ اور ہر ایک عورت جو آج میرے عقد نکاح میں ہے یا آئندہ میں برس تک میرے عقد نکاح میں آئے۔ مطلقہ ہو تین طلاق سے طلاق الجرح۔ اور مجھ پر فرض ہو گا بیت اللہ کو ننگے پاؤں پیادہ جانا تیس حج کہ جو مجھ پر لازم واجب ہونگے۔ خدا نہ قبول کرے مگر اُسکا پورا کرنا۔ اور جو مال آج میرا ہے یا جسکو میں تیس برس تک حاصل کروں وہ کعبہ کے لئے مجھ کو بطور مدیہ کے بھیجنا ضرور ہو گا۔ اور

بجتنے غلام آج میرے ملوک ہیں یا آئندہ تیس برس تک ہوں سب آزاد ہونگے۔ اور جو کچھ میں نے ہارون امیر المومنین اور عبداللہ بن امیر المومنین کے لئے لکھا ہے اس اور شرط کی ہے اور رقم کھائی ہے اس میں تحریریں ذکر کیا ہے مجھ کو اسکا پورا کرنا لازم ہوگا۔ میں اس کے خلاف دل میں کوئی خیال نہ لاؤں گا۔ اور اس کے سوا نیت نہ کروں گا۔ اور اگر دل میں ایسا خیال لاؤں یا کچھ اصرار نیت کروں تو یہ عہد و پیمان اور قسمیں سب مجھ پر لازم اور واجب ہوں گی۔ اور امیر المومنین کے اقتدار ان فوج اور خود لشکر۔ اور تمام شہروں کے لوگ اور تمام مسلمان۔ سب میرے عہد بیعت و خلافت و ولایت سے بری ہوں گے۔ اور میرے خلع بیعت سے انہر کچھ حق مواخذہ نہ ہو گا حتیٰ کہ میں ایک بازاری آدمی کے برابر ہوں گا۔ مجھ کو ان لوگوں پر کچھ حق نہ ہو گا۔ نہ ولایت نہ اطاعت۔ نہ بیعت۔ اور ان لوگوں کو بے مواخذہ شرعی ان تمام قسموں اور عہدوں کا توڑنا جائز ہو گا جو انہوں نے میرے حق میں کہے ہیں

مامون نے بھی ایک ایسی ہی دستاویز لکھی یا اس کی طرف سے لکھی گئی جس کا خلاصہ یہ ہے

کہ امیر المومنین ہارون نے مجھ کو امین کے بعد ولیعہد کیا۔ اور امین نے ایک دستاویز لکھی جس میں اس نے میرے حقوق کو اس تفصیل سے تسلیم کیا اور اس پر رقم کھائی میں بھی امین کی اطاعت کروں گا اور اگر فوج وغیرہ کی مدد ہے گا تو کافی اعانت کروں گا۔ جب تک کہ وہ اپنے اقرار سے نہ پھرے اور اگر امین چاہے گا کہ اپنے بیٹوں میں سے کسی کو میرے بعد ولیعہد کرے تو میں اس کو تسلیم کروں گا۔ بشرطیکہ امین میرے حقوق میں خلل انداز نہ ہو۔ لیکن اگر خدا امیر المومنین ہارون اپنے فرزندوں میں سے کسی کو میرے بعد ولیعہد فرمادیں تو مجھ کو امین کو تسلیم کرنا لازم ہوگا اب تک تو بظاہر امین و مامون۔ مکی تقیم اور باہ و اقتدار میں برابر کے حصہ دار تھے۔ مگر متعدد تجربات نے ثابت کر دیا تھا کہ امین۔ خلافت کے بوجھ کو کسی طرح سنبھال نہیں سکتا اسی خیال سے اس معاملے پر ۴۷۲ ہجری عامہ و ۱۰۸۱ عیسائی میں خط میں لکھ دیا کہ ان کے نام نہیں رکھے۔ ۱۲۰

ہرون نے اُس کے اختیارات کم کرنے شروع کئے اسی کے ساتھ مامون کو ہر موقع پر تنبیہ دی۔ اور گویا طویل عمل سے ہمدردیاں خلافت اعظم کا مستحق مامون ہے۔ نہ امین۔ ۹۸ھ میں بمقام قرامین علی رؤس الاشہاد ظاہر کیا کہ مال۔ خزانہ اسلم۔ اسباب جو کچھ ہے مامون کا ہے۔ پہر تمام دربار سے کہا کہ ”مگر لوگ اس پر گواہ رہو“ ۹۹ھ میں جب روم پر حملہ آور ہوا تو شہر رقعہ پر جبکو بجائے بغداد کے دار الخلافہ قرار دیا تھا۔ مامون کو اپنا جانشین کر گیا اور تبرکاً خلیفہ۔ منصور کی عاتق خلافت بھی عنایت کی۔ امین ان کارروائیوں کو رشک کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ مگر کچھ کر نہ سکتا تھا ۱۰۰ھ میں خراسان کے بعض اضلاع میں بغاوت برپا ہوئی۔ جسکے فرو کرنے کو ہرون خود روانہ ہوا۔ راہ میں بیمار ہوا اور تمام ملک میں یہ خبر عام ہو گئی۔ امین کی سازش کے لئے یہ ایک عمدہ موقع تھا۔ کیونکہ دربار میں جتنے صاحب منصب تھے ان کے طرفدار تھے۔ اور خصوصاً وزیر اعظم فضل بن الربیع تو گویا امین کا دست و پاؤں تھا وہ عربی نسل سے تھا۔ اور امین نے اسی کے اہتمام میں تعلیم و تربیت پائی تھی۔ ہرون کے ساتھ اُس وقت اگرچہ امین و مامون۔ دونوں میں سے کوئی نہ تھا مگر فضل بن الربیع کی وجہ سے دربار پر امین کا اثر غالب تھا۔ ہارون کی بیماری کی خبر سنکر امین نے فوراً ایک قاصد روانہ کیا اور بہت سے خطوط دیئے۔ جہاں دربار کے نام تھے۔

ہرون الرشید نے اسی مرض میں ۳۰ جمادی الثانی ۱۰۱ھ میں انتقال کیا۔ اسکے مرنے کے بعد قاصد نے امین کے خطوط جنکا مشترک مضمون یہ تھا کہ ”فوج مع تمام خزانہ و سلاح و اسباب کے دار الخلافہ بغداد میں حاضر ہو“ تمام درباریوں کو حوالہ کئے۔ افسران فوج اور بعض عائد اس حکم کی تعمیل میں کسی قدر متال ہوئے۔ لیکن فضل بن الربیع وہ شخص تھا کہ سارا دربار اسکے اشاروں پر حرکت کرتا تھا اُس نے لوگوں کو یقین دلادیا کہ امین کے سامنے جو خاص دار الخلافہ پر قابض ہے۔ مامون کو ہرگز فروغ نہیں ہو سکتا“ چونکہ فوج بھی سکونت کے تعلق سے بغداد ہی کی طرف مائل تھی۔ امین اپنی تدبیر میں پورا کامیاب ہوا مامون کی بدتمنی اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ فوج و ختم ایک طرف خزانہ عامرہ میں سے۔ جس میں اسباب و جواہرات کے علاوہ پچاس کروڑ کے صرف درہم و دینار تھے۔ اُسکو ایک جہ بھی

نصیب نہ ہوا۔ غرض متفقاً سب نے بغداد کا رخ کیا۔ مامون اُس وقت مرو میں تھا جب چنبر پہنچی تو اراکین و بار کو جمع کیا اور صلاح پوچھی۔ سب نے بڑے جوش سے کہا کہ دو ہزار سوار ساتھ ہوں تو ہم شاہی فوج کو بندہ واپس لاسکتے ہیں۔ مگر فضل بن سہل نے جو وزارت اعظم کے پایہ پر ممتاز تھا۔ مامون کو الگ لے جا کر کہا کہ یہ گنتی کے آدمی۔ شاہی فوج پر جسکا شمار نہیں ہو سکتا فتح تو کیا حاصل کر سکتے ہیں۔ جب شکست کھا کر۔ جان سے نا امید ہونگے تو حضور کو امین کے حوالہ کر دیں گے کہ اس کا رگزار می کے صلہ میں اپنی جانیں بچالیں۔ اگر یہی منطوق ہے تو خط بیجکر پہلے فوج کا عندیہ دریافت کر لیا جائے۔ دو خاص خادم یہ نامے لیکر گئے فضل بن الربیع نے خط پڑھ کر کہا: میں تو اسے عام کا پابند ہوں جس طرف سب ہونگے میں بھی ہوں گا۔ لیکن عبدالرحمن ایک افسر فوج نے قاصدوں کے پہلو پر نیزہ رکھ کر کہا کہ: ”تمہارا آقا ہوتا تو یہ برہمی اُسکے پہلو سے پار ہو چکی ہوتی۔“ اب مامون کو چند در چند مشکلوں کا سامنا تھا۔ اوپر تو اُسکے مالی اور فوجی دونوں بازو ضعیف تھے۔ اوپر یہ ڈہنگ دیکھ کر ترسان کی اکثر سرحدی ریاستیں بغاوت پھڑک رہی تھیں۔ مامون خلافت سے یک نحت مایوس ہو گیا اور اگر فضل بن سہل نے نہایت استقلال سے اُسکو تسکین نہ دی ہوتی تو غالباً وہ حکومت سے دست بردار ہو جاتا۔ اُس نے فضل سے صریح لفظوں میں کہہ دیا کہ: ”سلطنت مجھ سے نہیں سنبھل سکتی تم سیاہ و سفید کے مالک ہو۔ اور میں عمان حکومت تمہارے ہاتھ میں دیتا ہوں۔“

فضل کو بظاہر کوئی سہارا نہ تھا اُس نے مامون کے افسران فوج سے جب اعانت کی درخواست کی تو سب نے کانوں پر ہاتھ رکھا۔ اور کہا کہ: ”حاشا! ایسے دو بھائیوں کے معاملہ میں کون دخل دے سکتا ہے؟ تاہم فضل کے غم و ثبات میں ذرا فرق نہ آیا اُس نے اپنے مضبوط اور پیش میں دل سے بھی صدا سنی کہ وہ مامون ضرور کامیاب ہو گا۔ مامون کے ساتھ اگرچہ فوجی جمعیت بہت کم تھی۔ لیکن علماء و فضلا کا ایک بڑا گروہ موجود تھا۔ جو اس کی علمی مجلسوں کو رونق دیتا تھا۔ اور جن کے ذہن و تقویٰ کا ملک پر بڑا اثر تھا۔ فضل نے ان مذہبی جنرلوں سے جو کام لیا۔ بڑے بڑے فوجی افسروں سے بھی نہیں ہو سکتا۔ تھا۔ یہ لوگ تمام اطراف و دنیا میں پھیل گئے اور غلط و افتاد کے ذریعہ سے وہ اقتدار

حاصل کیا کہ اُن کی ایک صد ہر ملک کا ملک اُمتدا آیا۔

امامون نے خود بھی فصل خصومات اور شایانہ فیاضیوں سے ایسا حسن قبول حاصل کیا کہ اُس کے دل و انصاف کے گھر گھر چرچے تھے خصوصاً حنرا سان کا ایک چوتھائی عراج معاف کر دینے سے۔ تمام ملک اُس کے ساتھ جان دینے پر آمادہ ہو گیا اور بڑے جوش سے یہ صدائیں بلند ہوئیں کہ دو کیوں نہ ہو! ہمارا بھانجا۔ اور ہمارے پیغمبر صلعم کے چچا کا بیٹا ہے۔ چونکہ امامون کی ماں غبی تھی۔ اس لئے تمام ایرانی اُسکو اپنا بھانجا کہتے تھے۔

امامون و امین کی مخالفت

امین کو اس کامیابی کے بعد امامون سے کچھ محبت نہیں رہی تھی۔ اُس نے تخت نشینی کے دو سکر ہی دن قصر المنصور کے سامنے ایک گیند گہر طیار کرایا۔ فرامین بھیجے کہ قوال مسخرے۔ ارباب نشاط جہاں جہاں ہوں اُن کی تنخواہیں مقرر کر دی جائیں اصدار الخلاقہ کو روانہ کئے جائیں۔ ہاتھی۔ عقاب۔ سانپ۔ شیر۔ گھوڑے کی فصل کی کشتیاں بنوائیں۔ اور ان میں بیٹھ کر عالم آب کی سیر کرتا تھا۔ ان صحبتوں میں اُس کو امامون کا خیال بھی نہیں رہا۔ لیکن فضل بن الربیع جو امامون کی ناکامی کا اصلی باعث تھا اور انہیں کا ردوائیوں کے صلے میں وزیر اعظم مقرر ہوا تھا۔ امامون کی طرف سے مطمئن نہ تھا۔ اس نے امین کو اس بات پر آمادہ کیا کہ امامون خلافت سے معزول کر دیا جائے۔ امین نے پہلے تو انکار کیا۔ مگر فضل نے کہا کہ اول جو بیعت تمام ملک سے لی گئی۔ وہ آپ کے لئے تھی اور غیر مشترک تھی۔ پہرا دون الرشید کو اُس میں کسی قسم کی تبدیلی کا کیا اختیار تھا یہ بات امین کے دل میں اتر گئی۔ اور اس پر آمادہ ہوا کہ امامون کو معزول کر کے موئے کے لئے جو اُس کا صغیر السن لڑکا تھا۔ بیعت لے دربار میں اگرچہ زیادہ وہی لوگ تھے جو امین کی ہاں ہیں ہاں ملتے تھے تاہم جب عام دربار سے رائے طلب ہوئی تو عہدہ بن حازم نے بے باکانہ کہا کہ سلام میں آجنگ کسی نے عہد شکنی نہیں کی

آپ یاد رکھیں کہ اسکی تیاری آپ کے عہد سے شروع ہوتی ہے۔
 امین نے خواہو کر کہا کہ مدح رہ عبد الملک تجھ سے زیادہ عاقل تھا۔ اس کا قول ہی
 کہ ”ایک جگہ میں دو شیر نہیں رو سکتے“ پھر افسران فوج طلب ہوئے غزیمہ نے صاف
 مخالفت کی اور کہا کہ ”اگر آپ مامون کی بیعت توڑتے ہیں۔ تو ہم۔۔۔ سے بھی اپنی نسبت
 کچھ امید نہ رکھتے۔“

امین اسوقت اس ارادے سے باز رہا۔ مگر فضل بن الربیع کا جاوے اثر نہیں جاسکتا
 تھا۔ چند روزوں کے بعد تمام ملک میں احکام بھیج دیئے کہ خطبوں میں مامون کے بعد
 مومن کا نام پڑھا جاوے۔ مامون اپنی قوت کا اندازہ کر چکا تھا اب اس نے علانیہ مخالف
 کارروائیاں شروع کیں۔

امین نے جب شامزادہ عباس کو مامون کے پاس سفیر کر کے بھیجا کہ موصلی کی ولیعہدی
 تسلیم کرے تو اس نے صاف انکار کیا۔ اسی طرح امین نے خراسان کے بعض اضلاع طلب کئے
 تو مامون نے قاصدوں سے کہہ دیا کہ ”امین کو اس قسم کی خواہشوں سے باز آنا چاہیئے۔“
 یہ کارروائیاں گویا دیباچہ جنگ تھیں اور اس وجہ سے مامون نے اقیانوسات تمام ممالک
 میں فرامین بھیجے کہ کوئی شخص جب تک سند اجازت نہ رکھتا ہو یا مشہور تاجر نہ ہو ممالک محروسہ
 میں داخل نہیں ہو سکتا۔ فوجی افسروں کو تاکید لکھی کہ سرحدی مقامات پر معمول سے زیادہ
 فوج و سامان طیار۔ ہے۔ طاہر بن حسین کو روانہ کیا کہ جس قدر جلد ممکن ہووے پہونچکر
 دشمن کا سدراہ ہو۔

مامون پر فوج کشی ۹۵ھ

امین تو یہاں ڈھونڈتا تھا۔ مامون کی گستاخیاں اشتہار جنگ کے لئے اور بھی محرک ہوئیں
 امین نے وہ دستاویزیں جو معاہدہ بیعت کی نسبت لکھی گئی تھیں۔ مکہ معظمہ سے منگو کر پھاڑ
 کر ڈالیں۔ اور مومن اپنے بیٹے کو جو ہنوز پنج سالہ لڑکا تھا۔ ناطق بالحق کا خطاب دیا۔
 حال کو تاکید فرمایا کہ خطبوں میں مامون کے بجائے مومن کا نام پڑھا جاوے۔

فوج کو طیاری کا حکم دیا، سب سالار فوج ملی بن بیٹے کو دو لاکھ دینار انعام میں دلوا دئے۔ اور سات ہزار مغرق خلعتیں معمولی افسروں کو تقسیم کیں۔ کوچ کے دن فوج اس سرو سامان سے آہستہ ہو کر نکلی کہ بغداد کے بڑے بڑے معمر اور سن رسیدہ جو فوجی جاہ و جہتم کے ہزاروں تماشے دیکھ چکے تھے حیرت زدہ رہ گئے۔ علی بن یحییٰ روانگی کے وقت زبیدہ خاتون (امین کی ماں) سے رخصت ہونے لیا۔ زبیدہ نے چاندی کی ایک زنجیر منگوا کر دی کہ مامون گرفتار ہو تو اس میں مقید کر کے لانا۔ اس کے ساتھ یہ نصیحتیں کیں کہ: "امین اگر چہ میرا محنت جگر ہے تاہم مامون کا بھی مجھ پر بہت کچھ حق ہے۔ تم جانتے ہو کہ وہ کس کا بیٹا اور کس کا بھائی ہے۔ گرفتار ہو تو پاس ادب ملحوظ رکھنا۔ سخت بکے تو برداشت کرنا۔ راہ میں رکاب تمام کر چلنا۔ کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے۔ تو جانتا ہے کہ اس کا کیا مرتبہ ہے یا در کہ کہ تو اس کا سیطرہ ہمسر نہیں ہو سکتا، غرض علی پچاس ہزار فوج لے کر رے کی طرف بڑھا۔ راہ میں جو قافلے ملتے تھے۔ متغی اللفظ بیان کرتے تھے کہ طاہر رے میں بڑی طیاریاں کر رہا ہے۔ مگر علی۔ کثرت فوج پر اس قدر مغرور تھا کہ اسکو مطلق پرواہ نہ تھی۔ وہ برابر بڑھتا ہوا رے کی حد تک پہنچ گیا۔ طاہر کو لوگوں نے رائے دی کہ شہر میں رہ کر علی کا مقابلہ کیا جائے۔ کیونکہ ایسی مختصر فوج میدان میں کام نہیں دے سکتی۔ طاہر نے کہا کہ: "اگر دشمن کی فوجیں شہر نباہ تک پہنچ گئیں تو اس کا طاہری غلبہ دیکھ کر خود شہر وائے ہمبر ٹوٹ پڑیں گے۔ طاہر صرف چار ہزار فوج لیکر باہر نکلا۔ علی بھی قریب پہنچ گیا تھا۔ دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں۔ علی کی فوج نہایت ترتیب سے بڑھی۔ سب سے آگے زرہ پوشوں کا رسالہ تھا۔ پیچھے سو سو قدم کے فاصلے پر دس علم۔ اور ہر علم کے نیچے سو سوار تھے۔ علموں کے پیچھے خاص شاہی گارڈ تھا جس کے قلب میں علی تھا اور اس کے پہلو میں بڑے بڑے تجربہ کار افسر تھے۔ طاہر کی فوج گو نہایت مختصر تھی مگر اس کے پُر زور خطبوں نے ہر شخص میں وہ جوش بہر دیا تھا کہ دشمن کی کثرت فوج کا کسی کو خیال ہی نہ تھا سب سے پہلے جن شخص نے صف سے نکل کر لڑائی کی ابتدا کی وہ حاتم طائی۔ علی کی فوج کا ایک نامور بہادر تھا۔ طاہر نے یہ انتظار نہ کیا کہ اسی کے رقبہ کا کوئی سوار اس کے مقابل ہو۔

اس کو صرف اپنے زور بازو پر اعتماد تھا خود مقابلہ کو نکلا اور جوش غفہ میں اگر دونوں ہاتھوں سے قبضہ پکڑ کر اس زور سے تلوار ماری کہ ایک ہی ضرب نے حاتم کا فیصلہ کر دیا اسی کے صلہ میں زبان خلاق سے اس کو ذوالیمینین کا لقب ملا یعنی دائیں ہاتھوں والا۔ اب عام لڑائی شروع ہوئی۔ علی کی فوج نے طاہر کے میمنہ اور میسرہ پر اس زور سے حملہ کیا کہ طاہر کی فوج کے قدم اکٹھے گئے۔ تاہم وہ بذات خود ثابت قدم رہا۔ اور دوبارہ فوج کو ترتیب دے کر اہل علم پر حملہ آور ہوا۔ اس کے پے در پے حملوں نے علم پر داروں کی صفیں الٹ دیں۔ پھر کچھ ایسی ہل چل پڑی کہ تمام فوج ہتھرتھو گئی۔ علی نے ہزار سہالا کر سنبھل نہ سکی۔ اسی ہنگامہ میں دفعتاً ایک تیرا کر لگا۔ اور علی کا خاتمہ ہو گیا۔ طاہر نے فتح قطعی حاصل کی۔ اور ماموں کو ان مختصر لفظوں میں نامہ فتح لکھا۔ کتابی الی امیر المؤمنین و اس علی بن ابی طالب و خاتمہ فی صبحی و جندہ مصر فون تحت اموری یعنی میں امیر المؤمنین کو خط لکھ رہا ہوں۔ اور علی کا سر میرے سامنے ہے اس کی انگوٹھی میری انگلی میں ہے۔ اور اس کی فوجیں میرے زیر حکومت ہیں۔

قائدوں نے رے سے م و تک کی مسافت جو ڈبائی سو فرسنگ سے کم نہ تھی تین دن میں طے کی۔ اور چوتھے دن ماموں کے دربار میں حاضر ہوئے۔ وہ دن کے بعد علی کا سر پہنچا بنظر عبرت تمام خدایان میں تشہیر کیا گیا۔

امین حوض کے کنارے کوثر اپنے پیارے غلام کے ساتھ مہیلیوں کا شکار کر رہا تھا۔ حوض میں رنگ برنگ کی مہیلیاں پڑی تھیں جنکو سونے کی تھنیاں پھنائی تھیں تھنیاں میں بیش قیمت موتی پڑے تھے کہ جس کے شکار میں جو مہلی آئے موتی بھی اسی کو ملے۔

امین خوبصورت لونڈیوں کے ساتھ جیت اُس کے کنارے شکار کر رہا تھا۔ آج بھی وہ اسی شغل میں تھا کہ دفعتاً مسہ و رے نے فوج کی شکست او علی کے مارے جانے کی خبر سنائی۔ امین نے ہلا کر کہا چپ بھی رہا کوثر وہ مہیلیاں پکڑ چکا ہے اور جگہ صبح سے اب تک ایک بھی نہیں ملی۔ شکار سے فارغ ہوا تو افضل بن الربیع کو طلب کیا اس نے شکست کی یہ تلانی کی کہ ماموں کے وکیل کو جو بغداد میں رہتا تھا پکڑ بلایا۔ اور مال و اسباب کے علاوہ دس لاکھ

روپے وصول کئے۔

امین نے ایک اور فوج طہار کی جس کی تعداد بیس ہزار سے کم نہ تھی عبدالرحمن سالار مقرر ہوا۔ اس زمانہ میں طاہر ہمدان کے قریب مقیم تھا۔ یہ فوج بھی ہمدان کی سرحد پر پہنچ کر شہری عبدالرحمن نے اس شہر کو صدر مقام قرار دیا اور ضروری موقعوں پر سوار و پیادے متعین کئے طاہر نے شہر پر حملہ کیا۔ مہینوں محاصرہ رہا۔ آخر عبدالرحمن امن کا طالب ہوا اور شہر چوڑ کر کسی طرف نکل گیا۔ طاہر قزوین پر بڑھا۔ بیان کا عامل جس کا نام کثیر تھا۔ اس کی آمد کی خبر سن کر پہلے ہی بھاگ گیا تھا۔ قزوین پر تو قبضہ ہو گیا۔ مگر فتنہ عبدالرحمن ایک فوج عظیم لے کر پہنچا۔ اور اس تیزی سے حملہ آور ہوا کہ طاہر کی فوجیں ہتھیار بھی نہ سنبھال سکیں۔ صرف پیادوں کی جماعت مسلح تھی وہ نہایت ثابت قدمی سے لڑتی تھی فرصت پا کر سواروں نے بھی ہتھیار سنبھالے اور سخت محاصرہ ہوا عبدالرحمن کی فوج نے شکست کھائی۔ تاہم وہ خود ثابت قدم رہا اور جب اس کے ساتھیوں نے کہا کہ ”اب لڑنا بے سود ہے۔ بھاگ چلئے“ تو اس نے نہایت جیظ سے کہا کہ ”میں خلیفہ امین کو شکست کھایا ہوا منہ دکھانا نہیں چاہتا، نہایت بہادری سے لڑا اور مارا گیا۔“

اس فتح نے دور دو تک طاہر کا سکہ بٹھا دیا جیل کے تمام غلام اس کے قبضہ میں آگئے تاہم یہ شکستیں امین کے حوصلہ کو پست نہ کر سکیں۔ اس نے ایک عظیم الشان فوج آراستہ کی جو تعداد میں کم و بیش چالیس ہزار تھی سپہ سالار وہ مقرر کئے جو دولت عباسیہ کے مشہور اور نامور افسر تھے۔ یعنی احمد بن زید۔ و عبدالرحمن بن حمید طاہران بہادروں کا کسی طرح مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اور اس بات کو وہ خود بھی سمجھ گیا تھا۔ اب اس نے تلوار کے بدلے تدبیر سے کام لیا۔ جعلی خطوط اور قاصدوں کے ذریعہ سے ان دونوں افسروں میں پھوٹ ڈال دی اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ خود یہ دونوں آپس میں لڑ گئے۔ مدت تک ایک دوسرے کے مقابلہ میں شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے۔ اور جس طاقت سے طاہر کے مقابلے کو آئے تھے باہم دگر و فک کر کے بغداد واپس گئے۔

ان فتوحات نے ماموں کی امیدیں وسیع کر دیں۔ امیر المومنین کا لقب اختیار کیا۔

اور درباریوں کو بڑے بڑے عمدے دے۔ فضل کو ان تمام ملک کا گورنر مقرر کیا۔ جو ہمدان سے تہمت تک طول میں۔ اور بحر فارس سے جرجان و بحر ولیم تک عرض میں خاص خلافت نامونیہ کے زیر نگیں تھے۔ اس کے ساتھ ذوالریاستیں کا لقب دیا اور تیس لاکھ درہم ماہوار تنخواہ مقرر کی۔ اسی طرح حسن بن سہل کو وزیر الخراج۔ علی بن ہشام کو وزیر الحرب۔ بنعیم کو وزیر القلم مقرر کیا۔

اہواز۔ بصرہ۔ بحرین عمان وغیرہ

طاہر خود شلاشاں میں نہرا۔ اور رستی کو اہواز پر بھیجا۔ محمد بن یزید بن حاتم المہلبی جو امین کا عامل تھا۔ اسی اطراف میں موجود تھا۔ رستی کی آمد سنکر اہواز پہنچا۔ اور قلعہ ہندی شروع کی۔ مگر اس کے دوسرے ہی دن رستی اور قریش جس کو طاہر نے ایک فوج گراں کے ساتھ رستی کی مدد کو بھیجا تھا۔ ہونچے۔ نہایت سخت معرکہ ہوا۔ محمد کی فوج نے شکست کھائی۔ مگر وہ خود چند جان نثار غلاموں کے ساتھ میدان جنگ میں کھڑا رہا۔ اگرچہ فتح سے ناامید ہو چکا تھا۔ تاہم اس نے اپنے غلاموں سے کہا کہ جو ہاگ گئے اُنکے واپس پھرنے کی امید نہیں جو ساتھ ہیں اُن کا ثابت قدم رہنا یقینی نہیں میں تو لڑ کر مارا جاؤں گا تم کو اجازت ہے باہر چاہو چلے جاؤ میں تمہارے مرنے سے بہر حال تمہارا زندہ رہنا زیادہ پسند کرتا ہوں کس نے متفق اللفظ کہا کہ آپ کے بعد دنیا اور زندگی دونوں پر لعنت ہے محمد اور اس کے جاں نثار غلام گھوڑوں سے اتر پڑے اور پیادہ حملہ آور ہوئے۔ اگرچہ محمد نے طاہر کے بہت سے آدمی ضائع کئے مگر خود جانبر نہ ہو سکا۔ محمد کے مشہور خاندان آل مہلب سے تھا جس کی دلییری اور ہماوری عرب کے کارناموں میں ضرب المثل کی طرح مشہور ہے۔ اور چونکہ وہ خود بھی نہایت شجاع اور یادگار سلف تھا طاہر کو بھی اس کے مارے جانے کا افسوس رہا۔ اس فتح نے اہواز۔ یمامہ۔ بحریں۔ عمان تک مطلع صاف کر دیا۔ اور یہ تمام خلافت طاہر کے قبضہ میں آ گئے۔ اب وہ واسط کی طرف بڑھا۔ یماں کا عامل پہلے ہی بھاگ گیا تھا۔ کوفہ۔ بصرہ۔ موصل کے عاملوں نے خود طاہر کے پاس اطاعت کے خطوط بھیجے اور جب ۱۹۶ھ تک طاہر کی فتوحات سے

صرف بغداد اور اس کے متعلقات بچ رہے۔ مائن میں برکی نے بہت کچھ تیاریاں کیں۔ دارالخلافہ سے بھی ہر روز مدد چلی آتی تھی۔ مگر طاہر کا کچھ ایسا رعب چھا گیا تھا کہ جب برکی اس کے مقابلے کو نکلا تو فوج کی صفیں بھی درست نہ ہو سکیں۔ ایک کو سنبھالا تو دوسری ابتر ہو گئی۔ میوڑ ہو کر خود سب کو اجازت دیدی کہ جہاں چاہیں چلے جائیں۔

ان فتوحات کی شہرت عام ہوتی جاتی تھی۔ اور ملک میں مامون کا اقتدار بڑھتا جاتا تھا۔ حمیر میں بھی اس کا سکہ و خطبہ جاری ہو گیا۔ داؤد جو مکہ معظمہ کا حاکم تھا اس نے تمام اعیان عرب کو جمع کیا۔ اور مجمع عام میں ایک نہایت پراثر تقریر کی۔ جب امین کی برائیاں کیں تو ان فقروں نے ساری مجلس کو کپ کپا دیا کہ یہ وہی امین ہے جس نے حرمت حرم کا بھی خیال نہ کیا۔ اور جن معاہدوں کی تصدیق صحیح کعبہ میں ہوئی تھی ان کو چاک کر کے آگ میں جلا دیا۔ داؤد اس تقریر کے بعد ممبر پر چڑھ گیا۔ اور سر سے ٹوپی اتار کر پھینک دی کہ اسی طرح میں امین کو خاک پر پھینکتا ہوں۔ سب نے غائبانہ مامون کے لئے بیعت کی۔ مامون کو جب یہ خبر پہنچی تو داؤد کو پانچ لاکھ درہم بطور نذر کے بھیجے۔ اور مکہ کی حکومت اس پر مسترد کی چند روز کے بعد یمن وغیرہ کے عامل نے بھی طاہر کی اطاعت قبول کی۔ اور امین کی حکومت بغداد کی حد تک رہ گئی۔ تاہم اس نے ایک عظیم الشان لشکر جس میں قریباً چار سو افسر تھے۔ علی بن محمد کی ماتحتی میں ہرثمہ کے مقابلے کو روانہ کیا۔ رمضان ۱۹۶ھ میں بمقام نہروان دونوں فوجیں مقابل ہوئیں۔ امین کی یہ اخیر کوشش بھی کچھ کامیاب نہ ہوئی۔ فوج نے شکست کھائی اور علی زندہ گرفتار ہوا۔ اب صرف یہ تدبیر باقی رہ گئی کہ مال و زر کی طمع والا کردشمن کی فوج تو منی جائے۔ امین کے خزانہ عامرہ میں ہارون الرشید کے زمانہ کا اب بھی بہت کچھ اندوختہ موجود تھا۔ جو اس ضروری موقع پر تیغ و خنجر سے زیادہ کام آیا۔ قریباً پانچ ہزار آدمی اسی طمع پر طاہر کا ساتھ چھوڑ کر دارالخلافہ بغداد میں حاضر ہوئے۔ امین نے خطوط میں جو وعدے کئے تھے اس سے بھی زیادہ انعام و صلہ دیا۔ اور فخر کے طور پر ان کی داڑھیاں مشک سے

رنگوائیں۔ یہ لوگ اور بہت سی فوج لے کر طاہر سے لڑنے کے لئے روانہ ہوئے۔
 مصر میں مقابلہ ہوا۔ مگر نتیجہ جنگ نے ثابت کر دیا کہ جو لوگ طاہر کے ساتھ دغا کر چکے
 تھے وہ امین کے ساتھ بھی وفاداری نہیں کر سکتے تھے۔ طاہر نے فتح قطعی حاصل کی
 اور شہنشاہ غنیمت ہاتھ آئی امین نے اب ایک نئی فوج تیار کی جس میں حوالی بغداد
 کے عوام بھرتی تھے۔ انہیں میں سے کمانیر و جنرل بھی مقرر کئے اور ایک ایک کو گراں بہا
 انعامات سے مالا مال کر دیا قدیم افسر جوان فیناضیوں سے محروم رہے۔ نہایت
 ناراض ہوئے۔ ادھر طاہر نے ان سے خط و کتابت شروع کی جس کا یہ اثر ہوا کہ وہ
 علانیہ باغی ہو گئے۔ درباریوں نے عرض کیا کہ انعام و صلہ کی طمع دلا کر ان کو قابو میں لانا
 چاہئے۔ لیکن امین کو اپنی نواز مودہ فوج پر اس قدر ناز تھا کہ اس نے قدیم تجربہ کار لشکر کی
 کچھ پروانہ کی۔ اور ان نواز مودوں کو حکم دیا کہ باغیوں کو گرفتار کر لائیں۔ ادھر امین کی پرانی
 اور نئی فوجیں باہم معرکہ آرائیں اور طاہر بے روک ٹوک بڑھتا چلا آیا۔ اور ذوالحجہ
 ۹۶ھ ہجری میں باب الاہنا پہنچ کر ایک باغ میں مقام کیا۔ امین کے بہت
 سے افسران کے پاس حاضر ہو گئے۔ اور بڑے بڑے انعامات و صلے
 حاصل کئے۔

بغداد کا محاصرہ ۹۷ھ

اگرچہ امین کی تمام قوت صرف یہ تھی۔ اور بظاہر دار الخلافہ میں کوئی شخص
 طاہر کا سدِ راہ نہ تھا۔ تاہم طاہر نے نہایت احتیاط سے کام لیا۔ بغداد ایک مدت
 سے خلفائے عباسیہ کا پایہ تخت اور ان کی طاقت کا اصلی مرکز تھا۔ خاص شہر
 کی آبادی دس لاکھ سے کم نہ تھی۔ جن میں اکثر مسلمان تھے۔ اور یہ گری کا خطی جو ہر
 رکھتے تھے۔ اس لحاظ سے بغداد پر قبضہ حاصل کرنا کچھ آسان کام نہ تھا۔ طاہر
 نہایت تدبیر سے چلا۔ بڑے بڑے نامور افسر جو ساتھ تھے ان کو خاص خاص حصوں
 پر متعین کیا۔ اور یہ حکم دیا کہ جو لوگ حلقہ اطاعت میں آئیں۔ ان کو امن دیا جائے۔

باقی حصوں پر منجیقون کے ذریعہ سے آگ اور پتھر برساتیں اور تمام عمارتوں کو خاک کے برابر کر دیں۔ نہایت سفاکی اور بیری سے ان احکام کی تعمیل ہوئی۔ ہزاروں عالیشان مکانات برباد کر دیے گئے محلے کے محلے تباہ ہو گئے۔ افراسیود - محمد بن عیسیٰ سعید بن مالک - نہایت دلیری سے لڑے۔ مگر عاجز ہو کر طاہر کی پناہ میں آنے گئے۔ رفتہ رفتہ عبداللہ بن عقیل بن ہامان - محمد طائی وغیرہ نے بھی جو امین کے ارکان خلافت تھے اطاعت قبول کی صرف شہر کے اہل عیار باقی رہ گئے جو طاہر کے سد راہ تھے۔ لیکن ان کے زیر کرنے میں طاہر نے جو دقتیں اٹھائیں۔ بڑے بڑے معرکوں میں نہیں اٹھائی تھیں۔ قصر صالح پر ان پر لوگوں نے اس دلیری سے مقابلہ کیا۔ کہ طاہر کی بہت سی فوج ضائع ہوئی۔ اور چند مشہور افسر مارے گئے۔ یوحنا کا بیان ہے کہ علی کے معرکہ سے لیکر آج تک طاہر کو کبھی ایسی سخت لڑائی کا سامنا نہیں ہوا تھا۔ اس شکست کے انتقام میں طاہر نے حکم دیا کہ وجہ سے دارالرقیق تک اور باب الشام سے بالکوفہ تک جس قدر آبادی ہے کلیتہً برباد کر دیجائے۔ اس پر بھی جب اہل شہر مطیع نہ ہوئے تو گزرگاہوں پر پیرے بٹھا دیے کہ باہر سے رسد کی کوئی چیز نہ آئے پائے۔ لیکن عیار اب بھی زیر نہ ہوئے۔ قصر شامیہ پر طاہر نے عبداللہ کو مٹھین کیا تھا۔ عیاروں نے اس کو سخت شکست دی۔ اور جب طاہر کی طرف سے ہر شتمہ مدد کو آیا تو عیاروں نے اس کو زندہ گرفتار کر لیا۔ طاہر خود گیا تو بڑے سخت معرکہ بعد عیار پیچھے رہے۔ پورے برس دن محاصرہ رہا۔ اور دارالاسلام بغداد ایک دیرمانہ سے بدتر ہو گیا۔ ایسا معمور اور پر رونق شہر دور و دور تک کف دست میدان پڑا تھا۔ امین کے عالیشان قصر و محل جو تقریباً دو کروڑ کے صرف میں طیار ہوئے تھے۔ ان کے صرف کمند باقی رہ گئے۔ اہل شہر جو سختیان گذرین ان کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔ جیکڑوں گہرائی برباد ہو گئے۔ ہزاروں بچے یتیم بن گئے ہر گلی کو یتیم درونک آوازیں بلند تھیں۔ شعرا نے نہایت جانکا مرستے کیے۔ جرمی کا ایک قصیدہ اب بھی موجود ہے جو ۱۱۵ اشعار کا ہے۔ اور اس قیامت انگیز واقعہ کی پوری تصویر ہے بغداد اتنا کچھ برباد ہو چکا تھا۔ تاہم۔ طاہر کو شہر میں داخل

ہونے کی جرات نہیں ہوتی تھی۔ اور اگر خزیمہ جو امین کے درباریوں میں نہایت با اثر شخص تھا۔ ساتھ دیتا تو بغداد کی فتح میں شاید بہت زیادہ دیر لگتی خزیمہ ۲۲۔ محرم ۹۵ھ کو مشرقی دروازہ سے بغداد میں داخل ہوا اور وجہ پر حکم نصیب کر کے اعلان کیا کہ خلیفہ امین معزول کر دیا گیا۔ اس اشتہار سے شہر کا مشرقی حصہ گویا کامل طور سے فتح ہو گیا۔ دوسرے دن طاہر نے مغربی حصہ پر حملہ کیا۔ بازار کرخ کے متصل سخت معرکہ ہوا طاہر نے قصر الوضاح پر تھوڑی سی فوج متعین کی۔ اور بذات خود مدینۃ المنصور قصر زبیدہ قصر الخلد کا محاصرہ کیا۔ یہ عالیشان ایوانات جو خلفائے عباسیہ کے یادگار تھے۔ بجائے خود ایک شہر تھے۔ اور ان کے گرد جدا جدا شہر بنا دیے تھے۔

عجرت اس محاصرہ میں ابراہیم بن المدی جو ہرون الرشید کا بھائی اور فن موسیقی میں یگانہ روزگار تھا۔ امین کے ساتھ تھا۔ اس کا بیان ہے کہ ایک رات امین دل بہلانے کے لئے محل سے باہر نکلا۔ اور جگہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ ابراہیم! دیکھیے کیا سہلی رات ہے۔ چاند کیسا صاف اور روشن ہے۔ وجہ پر اس کا عکس پڑتا ہے۔ تو کیسا خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ ایسے پر لطف وقت میں کیا چیز ضرور ہونی چاہئے؟ شراب! امین نے کہا سمعاً وطاعة عرض شراب آئی۔ امین نے میری طرف پیالہ بڑھایا۔ امین نے مزے میں آکر چند اشعار گائے۔ امین نے کہا، ”نغمہ ہے تو ساز بھی ہونا چاہئے“ حسب الطلب ایک مغنیہ کنیز آئی۔ امین نے نام پوچھا۔ تو اس نے کہا، ”ضعف“ امین اس منحوس نام سے متوحش ہوا۔ پرچہ گانے کی فرمائش کی وہ یہ شعر گائی۔

کلیب لعمری کا نا ا لثونا صرّا والیسر خزنات مزح بالدم

یعنی ”دراپنی عمر کی قسم۔ کلیب کے مددگار زیادہ تھے۔ اور وہ تجھ سے زیادہ مدبر اور عاقل بھی تھا۔ تاہم خون میں سلا یا گیا“ امین اور مکدر ہوا۔ اور دوسری چیز گانے کی فرمائش کی اُس نے یہ شعر گایا۔

ابکی فراقہم عینی ناسر قہا ان التفراق لا جاب سقاء

یعنی ”ان لوگوں کے فراق نے میری آنکھوں کو رولایا۔ اور نیند کمودی۔ جدائی دوستوں کو

سمت رلانے والی چیز ہے۔ امین نہایت منغص ہوا۔ اور خفا ہو کر کہا کہ بھخت تجھے اس کے سوا کچھ اور بھی گانا آتا ہے؟ اُس نے عرض کیا کہ ”میں نے وہی اشعار گائے کہ حضور ان کو سن کر خوش ہوں؟ پھر اُس نے چند اور ایسے ہی دردناک اشعار گائے۔ امین نے نہایت غصہ میں آکر کہا کہ ملعونہ دور ہو، اٹھی تو ایک بلور کے پیالہ سے جو نہایت خوبصورت بنا ہوا تھا۔ اور امین اُس کو زب ربا ح کہا کرتا تھا۔ ٹھوکر مار کر گری۔ اس کے صدمے سے پیالہ بھی ٹوٹ گیا۔ امین میری طرف مخاطب ہوا کہ ”دیکھتے ہو، آج کیا بائیں پیش آتی ہیں غالباً اب میرا وقت پورا ہو چکا؟“ اسی گفتگو میں کسی طرف سے آواز آئی **قُضِيَ الْأَمْرُ الَّذِي فِيهِ تَسْتَفْتِيَانِ** یعنی جس امر میں تم دونوں بحث کرتے ہو طے ہو گیا۔“ امین نے جھم سے کہا کہ سنا بھی، میں نے عرض کیا کہ دو مجھ کو تو کوئی چیز سنائی نہیں دی۔، تاہم اٹھ کر میں نہر کے قریب گیا۔ وہاں کوئی منظر نہ آیا تو واپس آکر پھر باتوں میں مشغول ہوا۔ دوبارہ پہر وہی آواز آئی۔ امین زندگی سے مایوس ہو کر اٹھا اور اس واقعہ کے دو ہی تین دن کے بعد قتل کیا گیا۔

اس یاس اور ناامیدی میں امین کو بھائی یاد آیا۔ اُس نے طاہر کو ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ آپس کی خانہ جنگیوں سے یہ نوبت پہنچی کہ اب عزت اور ناموس کی طرف سے بھی اندیشہ ہے۔ مجھ کو رہے کہ یہ موقع دیکھ کر غیروں کو خلافت کی ہوس نہ پیدا ہو بہر حال میں اس پر راضی ہوں کہ تو مجھ کو امان دے تو بھائی ماموں کے پاس چلا جاؤں اگر اس نے عنایت کی تو اس کے رحم اور فیاض دلی سے یہی توقع ہے۔ اگر قتل کر دیا تو گویا ایک نئے دوست کو توڑا اور تلوار تلوار کو کاٹا۔ اگر شیر پہاڑ ڈالے اس کے چہرے پر کہ مجھ کو کٹا فوج کھاتے۔ یہ یقینی ہے کہ امین اگر ماموں تک پہنچ جاتا۔ تو ماموں کی حمد لی اور برادرانہ الفت کا جوش پہر بھی شیعہ ہوتا۔ اور اگر تخت خلافت کی عزت نہ ملتی تو کم سے کم اس جان ضرور بیچ جاتی لیکن طاہر نے جس کی قسمت میں تھا کہ ایک خلیفہ ہاشمی کا قاتل کہلاتے۔ اس درخواست کو نا منظور کیا

امین کا قتل ۲۵ محرم ۱۹۸۰ء

طاہر کے ہم حملوں نے امین کے طرفداروں کو یقین دلادیا کہ اب ان کے روکنے کی

کوشش قریباً بیکار ہے۔ محمد بن حاتم بن الصقر۔ و محمد بن اغلب افریقی جن کی پامردی سے طاہر اب تک میں پر دسترس نہیں پاسکتا تھا۔ اب وہ بھی ہمت ہار گئے۔ اور اس کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا کہ ”تمھو ارون نے کورنگی کی۔ دشمن حریم شاہی تک پہنچ گیا۔ اب صرف یہ تدبیر ہے کہ رفقا میں سے سات ہزار جان نثار خاص انتخاب کر لئے جائیں جن کے لئے اصطبل خاصہ میں اسی تعداد کے گھوڑے موجود ہیں۔ انہیں کی حفاظت میں حضور رات کے وقت یہاں سے نکل جائیں۔ اس کے ہم ذمہ داریں کہ طاہر یا کوئی اور شخص ہمارے روکنے کا حوصلہ نہیں کر سکتا۔ شام کا ملک سامنے ہے حضور وہیں کا قصد کریں۔ وہاں اس قدر خزانہ و مال موجود ہے۔ کہ ہم اپنی قوت کافی طور سے تیار کرسکتے ہیں اور دشمن کے حملوں سے بھی کچھ خوف نہ ہوگا۔“ امین نے یہ رائے تسلیم کی اور مصمم ارادہ کر لیا کہ دار الخلافہ چھوڑ کر کسی طرف نکل جائے طاہر کو بہ خیر پہنچی تو اس نے سلیمان بن منصور۔ محمد بن یسے وغیرہ کو بلا بھیجا۔ یہ لوگ طاہر میں امین کے ساتھ تھے اور اس کے پاس آمدورفت کھتے تھے۔ لیکن جان کے خوف سے طاہر کے خلاف کوئی بات نہیں کر سکتے تھے۔ طاہر نے ان لوگوں سے کہا کہ ”اگر میں بچکر نکل گیا تو تم کو اپنی زندگی سے بھی مایوس رہنا چاہئے۔ جس طرح بنے اس کو اس ارادے سے باز رکھو مجھوڑا یہ لوگ میں کے پاس حاضر ہوتے اور کہا دین لوگوں نے حضور کو یہ رائے دی خود غرضی سے دی۔ چونکہ طاہر کے مقابلہ میں زیادہ تر انہیں لوگوں نے سرگرمی دکھائی ہے۔ ان کو یقین ہے کہ اگر اس نے فتح پائی تو پچھلے انہیں کی خیر لے گا۔ اس لئے یہ چاہتے ہیں کہ جب حضور شام کے قصد سے حریم خلافت سے باہر نکلیں تو گرفتار کر کے طاہر کے حوالہ کر دیں۔ اور اس کا رگزاری کے صلہ میں اس سے خنوقشیہ کے خواستگار ہوں۔ بہتر یہ ہے کہ حضور تخت خلافت سے الگ ہو جائیں۔ اور اپنے کو طاہر کے ہاتھ میں دیدیں۔ وہ آپ کا ادب ملحوظ رکھے گا۔ اور مامون سے تو پوری امید ہے کہ بہادرانہ سلوک کرے۔ امین اس فریب کو نہ سمجھ سکا۔ اور یہ اسے بھی مان لی اس قدر اختلاف کیا کہ بجا طاہر کے ہر شے کو اختیار کرنا چاہئے۔ ان جان نثاروں محمد بن حاتم و محمد بن ابراہیم کو

جب اس ارادہ کا حال معلوم ہوا تو امین کے پاس آئے۔ اور عرض کیا کہ: اگر حضور نے ہم خیر خواہوں کا کہنا نہ مانا۔ اور خود غرضوں کی رائے قبول کی تو طاہر سے براہ راست معاملہ کرنا چاہئے۔ امین نے کہا میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ اس وقت سے طاہر کا نام سنکر نجلو وحشت ہوتی ہے۔ میں نے دیکھا کہ ایک کہ بڑی لمبی چوڑی دیوار ہے جس کی بلندی آسمان تک پہنچی ہے۔ مین اُس دیوار پر لباس شاہانہ پہنے تلوار لگائے کھڑا ہوں بن دیوار میں طاہر استادہ ہے۔ اور دیوار کی جڑ گمود رہا ہے۔ بالآخر وہ گر پڑی جس کے ساتھ میں بھی نیچے آیا اور تاج شاہی سر سے گر گیا۔ اس خواب کے بعد سے طاہر کے خیال سے میں چونک رہتا ہوں۔ ہر شے اس خاندان کا نمک پرورہ قدیم ہے۔ اور میں اس کو غل سجاتی رہزوں الرشید کے برابر سمجھتا ہوں۔

امین اسی رائے پر قائم رہا اور ہر شے سے امان طلب کی۔ اُس نے نہایت اخلاص ظاہر کیا۔ اور جواب میں لکھا کہ: دآب اطمینان رکھیں۔ کوئی شخص آپ کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ خود مامون نے بھی اگر کچھ برا ارادہ کیا تو میں سبب سپرہوں گا۔ اور جب تک دم میں دم ہے ساتھ دوں گا۔ طاہر کو یہ خبر پہنچی تو نہایت طیش میں آیا اور کہا کہ: دیدہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ آج تک تمام معرکوں میں میں نے جان بازی کی ہو۔ اور امین کا ہاتھ آنا جو خاتمہ فتح ہے ہر شے کو نصیب ہو۔ اس نزل کے فیصل کرنے کے لئے عماد بنی ہاشم اور سرداران فوج کا ایک بڑا مجمع ہوا۔ جس میں طرفین مقدمہ یعنی طاہر و ہاشم بھی شامل تھے۔ بالآخر اس پر فیصلہ ہوا کہ امین بذات خود ہر شے کے پاس چلا آئے اور چٹری و چادر۔ وانگشتری۔ جو سند خلافت ہیں۔ طاہر کے پاس بھیج دیے مگر افسوس ہے۔ امین کی بد قسمتی نے اس تجویز کو بھی چلنے نہ دیا۔ ہر شے ایک شخص نے جو اس سے پہلے امین کا معتمد خاص تھا۔ اور اب طاہر سے مل گیا تھا۔ اپنا تقرب بڑھانے کے لئے طاہر سے کہا کہ: آپ کو دہوکہ دیا گیا ہے۔ لوگوں نے بندوبست کر لیا ہے کہ امین کے ساتھ خاتم خلافت وغیرہ بھی ہر شے کے ہاتھ آئے۔ طاہر نہایت برا فروختہ ہوا۔ اور

ملہ شے نباشی تھا۔ اور چونکہ امین ہمیشہ سے اُس سے زیادہ مانوس تھیں ہر شے بھی اُنسی سے طالب اس ہوا۔ ۱۲

تیرا نازون کا ایک دستہ متعین کر دیا کہ خفیہ طور سے قصر الخلد و قصر زہدہ کی حفاظت رکھے اور ان کو تاکید کی کہ امین نکل کر جانے نہ پائے محرم ۱۹۸۰ء کی تاریخ ہفتہ کی رات قریباً دس بجے امین نے ہر شمتہ کے پاس جانے کا ارادہ کیا مگر اس نے کھلا بھجا کہ وہ وجہ پٹا ہرنے فوج متعین کر دی ہے۔ آج کی رات حضور اور توقف فرمائیں تو کل میں فوج و چشم سے طیارہ ہوں۔ اور اگر مقابلہ کی نوبت آئے تو سینہ سپر ہو کر لڑو۔ امین ایسے اضطراب و خوف کی حالت میں تھا کہ دارالخلافہ میں ایک خط بھی تھڑا اس کو گراں نہ تھا۔ اس نے قاصد سے کہا کہ اس اضطراب میں کس سے رات کٹ سکتی ہے۔ بلائے یا نہ بلائے میں تو اسی وقت ہر شمتہ کے پاس آتا ہوں، امین کا یہ آخری دربار تھا کہ وہ حویم خلافت سے رخصت ہوتے وقت حصن القصر کے صحن میں ایک کرسی پر بیٹھا۔ اور چند خدام اس کے سپر کرز لئے کھڑے ہوئے۔ اس نے اپنے دونوں بیٹوں کو بلایا۔ اور سینے سے پٹا کر پیار کیا۔ انکی پیشانی اور رخسار و نہر پو سے میسے۔ اور پھر گلے سے لگا کر خوب رویا۔ اور نہایت حسرت کیساتھ یہ لکھ کر رخصت کیا کہ وہ جاؤ خدا کو سونپا، امین جب کبھی سوار ہوتا تھا تو تھاروں زردین کمر غلام رکاب کے برابر چلتے تھے۔ جنکی زرق برق پوشا کون اور چمکتے ہوئے مرصع بھتیجا روں سے تمام میدان چمک جاتا تھا۔ آج وہ اس حال سے وجد کی طرف چلا ہے کہ خادم کے ہاتھ میں نر ایک شمع ہے جو راستہ دکھانی دینے کے لئے قصر الخلد سے ساتھ آئی ہے وجہ کے کناہ پر پونچا تو ہر شمتہ چند آدمیوں کے ساتھ اس کے لینے کو پہلے سے موجود تھا۔ یہ لوگ کشتی پر سوار تھے امین کو آتے دیکھ کر سب تعظیم کو اٹھے۔ ہر شمتہ کو چونکہ نقرس کی شکایت تھی۔ آداب شاہی نہ بجالا سکا۔ اور گھنٹوں کے بل کھڑے ہو کر معافی مانگی کہ وہ بیماری کی وجہ سے معذور ہوں۔ امین جب کشتی میں داخل ہوا تو ہر شمتہ نے اپنی آغوش میں لیا۔ ہاتھ اور پاؤں کو لو سے جیتا تھا اور ادب امین پر پاز سے کہتا جاتا تھا یہ میسے آقا۔ میرے مالک۔ میرے سردار۔ ہر شمتہ نے کشتی کے برابر کھڑے کا حکم دیا کہ دفعتاً طاہر کے آدمیوں نے سر طرف سے گھیر لیا۔ اور تقدیر بھر برساتے کہ تمام تختے ٹوٹ گئے۔ ہر شمتہ کو ملاحوں نے باہر نکالا۔ امین جس کا کوئی دستگیر نہ تھا کپڑے پہنا کر بھاگا ہوا۔ اور ڈوبتا تیرتا کناہ پر پونچا۔ احمد بن سلام کا بیان ہے کہ

امین کے ساتھ میں بھی کشتی میں تھا۔ لوگ مجھ کو طاہر کے ایک افسر کے پاس پکڑ کر لے گئے۔ جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ میں بھی امین کے ساتھ تھا تو میری گردن مارنے کا حکم دیا۔ میں نے دس ہزار دسہم کے وعدہ پر جان بچائی۔ اور ضمانت میں قید رکھا گیا۔ شام ہوئی تو عجم کے چند سوار آئے اور اس حال میں امین کو گرفتار کئے ہوئے لائے کہ بدن سے نکلا۔ صرف ایک پانچا ماسا پہنے تھا۔ سر پر ایک غامہ اور کاندھے پر ایک بوسیدہ ہتھیار تھا۔ اس نے اپنا چہرہ چھپایا تھا۔ میں جس تجسروں میں محبوس تھا۔ اسی میں امین کو بھی بٹھا کر چلے گئے۔ اور دربانوں سے تاکید کرتے گئے کہ نہایت احتیاط رکھیں ان لوگوں کے چلے جانے پر امین ذرا مطمئن ہوا اور چہرہ سے نقاب اتلی میں نے پہچانا تو بیساختہ رو پڑا۔ امین نے میرا نام پوچھا۔ میں نے کہا وہ حضو کا نمکوار غلام۔ احمد بن سلام۔ امین نے کہا ہاں میں نے تم پہچانا ہے۔ بھائی غلامی کیسی اس وقت تو تم میرے برادرِ قوت بازو ہو۔ مجھے ذرا سیدہ سے لگا لو۔ نکو سخت وحشت ہو رہی ہے۔ میں نے لپٹا لیا تو اس کا کلیجہ ڈھیر ڈھیر کرنا تھا۔ پھر پوچھا کہ دو ماموں کا کچھ حال معلوم ہے۔ میں نے کہا زندہ ہے۔ کتنے لگاؤ خدا پرچہ نویسوں کا بڑا کرے کہ متون نے خبر دی تھی کہ مر گیا۔ میں نے کہا خدا آپ کے وزیر و نیکو بڑا کرے۔ امین نے کہا دو وزیروں کو کچھ نہ کہو۔ ان کا کیا گناہ ہے کچھ میں ہی پہلا شخص نہیں ہوں۔ پچھلے ارادہ میں ناکام رہا ہوں۔ پھر مجھے پوچھا کہ دیکھو احمد! لوگ مجھ کو قتل کر ڈالیں گے؟ یا اپنے عہد پر قائم رہیں گے؟ میں نے تسکین دی کہ وہ نہیں ضرور اپنے اقرار کی پابندی کریں گے۔

چونکہ شدت کی سردی تھی اور پانی میں بھیگا ہوا تھا۔ چادر میں لپیٹا جاتا تھا میں نے اپنا شلو کہ اتار کر دیا کہ اس کو بدن پر ڈال لیجئے۔ اس نے نہایت شکرگزاری سے کہا کہ بھائی اس موقع پر تو یہ بھی خدا کی بڑی نعمت ہے۔ آدھی رات گزری ہوگی کہ چند اہل عجم تنگی تلواریں لے آئے۔ اور دروازہ پر ٹہرے۔ امین یہ دیکھ کر کھڑا ہو گیا اور نہایت اضطراب سے انا لیٹر پر بٹنا جاتا تھا۔ اور یہ کہتا تھا یہ ہمارے میری جان مفت جاتی ہے۔ کیا کوئی شخص یا در نہیں۔ کیا کوئی فریاد رس نہیں؟ امین کو عیش پرست اور نازک اندام تھا۔

مگر اس کے ساتھ نہایت شجاع اور قوی باز و بھی تھا۔ اس سبکی میں بھی قاتلوں کی ہمت نہیں بڑھتی تھی کہ آگے بڑھیں۔ ہر شخص دوسرے پر مالتا تھا۔ امین نے بجائے سلاح جنگ کے ہاتھ میں ایک تکیہ اٹھا لیا۔ اور یہ کہتا جاتا تھا کہ میں تمہارے نبی کا ابن عم ہوں اور ارشد کا فرزند ہوں۔ ماموں کا بھائی ہوں۔ میرا خون کسی طرح حلال نہیں۔ بالآخر ایک شخص تلوار لیکر بڑھا۔ اور امین کے سر پر ماری۔ اس گستاخی اور جرات نے امین کو یقین دلایا کہ اسکی درونگ فریاد ان سنگدلوں پر کچھ اثر نہیں کر سکتی۔ وہ مرنے کے لئے تیار ہوا۔ مگر ایسا ہی مرنا بیسا کہ ایک عباسی شہزادہ کو سزاوار تھا۔ اب اس کی نزاکت غضبناک جرات سے بدل گئی دلیرانہ بڑھا۔ اوچوٹکے نہٹا تھا چاہا کہ حریف کی تلوار چھین کر بائیں جھڑات کہ جو سر دکھائے۔ یہ دیکھ کر وہ کا گروہ دفعتاً اس پر ٹوٹ پڑا ایک شخص نے مکر پر تلوار ماری۔ چھو سب نے مل کر پھار اور الٹی طرف سے ذبح کیا۔ طاہر کے پاس سے لائے تو اس نے حکم دیا کہ ایک برج پر لٹکا دیا جائے۔ تمام بغدادیہ عبرت انگیز ناشاد پکھنے آیا۔ طاہر یہ کہہ کر لوگوں سے اپنی کارروائی کی داوچاہتا تھا کہ یہ خلیفہ معزول کا سر ہے۔ طاہر نے ماموں کو ان دلچسپ اور مختصر لفظوں میں نامہ فتح لکھا میں امیر المومنین کے حضور میں دنیا اور دین دونوں پیشکش بھیجتا ہوں۔ دنیا سے مظلوم امین کا سر مراد تھا۔ اور دین سے پاد اور خاتم خلافت ذوالریاستین نے امین کا سر ایک سپر پر رکھ کر ماموں کے سامنے پیش کیا۔ اس غیر متوقع فتح کی خوشی نے ماموں جیسے رفیق القلب شخص کو بھی ایسا سنگدل بنا دیا کہ اسے اپنے بھائی کے خون کو دوسرے کو مسرت کی نگاہ سے دیکھا۔ اور جوش خوشی میں سجدہ شکر ادا کیا۔ قاصد کو مژدہ فتح کے صلہ میں دس لاکھ درہم الخام دے اسی تقریب سے ایک بار منعقد کیا اور تمام اکین دولت و افسران فوج مبارکباد دینے کو حاضر ہوئے۔ ذوالریاستین نے دربار عام میں

۱۰ مامون الرشید کی مستقل خلافت اسی تاریخ سے شروع ہوتی ہے۔ ابن داؤد کا تب عباسی جو مامون الرشید سے قریب تر نہا میں تھا۔ اس نے اپنی تاریخ میں ماموں کی خلافت مستقل کا اسی تاریخ سے حساب کیا ہے اور نجوم کے قاعدہ کے موافق مسند نشینی کا ایک زائچہ نقل کیا ہے۔ چونکہ میں نجوم کی اصطلاحات سے بخوبی واقف نہیں ہوں۔ اس کے علاوہ زمانہ نے اس طرح کی طرف سے خیالات بھی بدل دیئے ہیں۔ میں نے اس زائچہ کو نقل نہیں کیا۔

نامہ فتح پڑھا۔ اور ہر طرف سے دو مبارک کھمکا غل اُٹھا۔ اگرچہ اس وقت اتنی خوشیاں منائی گئیں۔ مگر اس غم کے اترنے کے بعد برا و راند جو شجرت محبت بے اثر نہیں رہا۔ ماموں کو اس واقعہ کا نہایت افسوس ہوا۔ اور ظاہر کی تمام کوششیں اس کی تکمیل میں بے قدر ہو گئیں۔

زبیدہ خاتون امین کی ماں۔ قصر خلافت میں تشریف فرما تھی کہ ایک خواص نے اگر کہا۔ دھنسو بیٹھی کیا کرتی ہیں امیر المومنین قتل کر دے گئے۔ زبیدہ نے کہا پر کیا کروں۔ اس نے ترغیب دی کہ حضرت عائشہ جس طرح حضرت عثمان کے خون کی دعویدار ہوئی تھیں۔ حضور بھی امیر المومنین کے خون کا عوض لین زبیدہ نے کہا۔ لا اثم لنا واللفساء وطلب الدماء پر ماموں کو یہ منظوم خط لکھا

لو ائرت علم الاولین و فہمہم	وللک المامون من امر جعفر
ام جعفر کی طرف سے یہ خط ہے خلیفہ ماموں کے نام جو کہ انکوں کے علم و فہم کا وارث ہے۔	
کتبت و علینی مستهل دموعہا	ایلیک ابن عمی من جفون و عجز
اے ابن عم میں تجھ کو لکھ رہی ہوں اور میری آنکھیں ہلکوں سے خون برساتی ہیں۔	
وقد مسلتی ذل وضو کا بے	واذق حلیتی یا ابن عمی تفکس
مجھ کو ذلت اور اذیت وہ سبچہ پہونچا۔ اور فکر نے میری آنکھوں کو بے خواب کر دیا	
انی طاهر لا طہر اللہ طاهر	فاطہر فیما انی بمطہر
یہ ظاہر کا کیا ہوا ہے جس کو خدا ظاہر نہ کرے، اور جو کچھ اُس نے کیا اُس کے الزام سے پاک نہیں ہو سکتا	
فالجونی مشکوۃ الوجہ حاتم	وانہب اموالی و احزابا وری
اس نے مجھ کو برہنہ سر اور بے پردہ گھر سے نکالا۔ اور میرا مال لوٹ لیا۔ اور مکانات برباد کر دیے	
یعز علی ہادون ما قد تقیتہ	وامرؤنی من ناقص الخلق اعوج
اس ایک چشم ناقص الخلق کے ہاتھ سے جو مجھ پر گزرا ہارون ہوتا تو اس پر گران گذرتا۔	
لہ ان اشعار کو ابن الاثیر نے خزیمہ بن الحسن کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور صاحب عقدا الفرید	
نے ابو العباس کی طرف (دیکھو عقد الفرید جلد دوم صفحہ ۲)	

فان کان ما ابدی بامروا مرشد صبروت لامن من فتیرا
 طاہر نے جو کچھ کیا اگر تیرے حکم سے کیا تو خدا کے مقدر پر میں کرتی ہوں۔ ماموں یہ اشعار
 پر ہر نہایت رویا۔ اور کہا کہ دو والدین خود اپنے بھائی کے خون کا عوض لوں گا۔
 امین کے قتل کے بعد طاہر نے بغداد میں امن کا اشتہار دیا۔ مسجد جامع میں جمعہ کی نماز
 خود پڑھائی اور خطبہ میں ماموں کی صبح سرائی کے بعد مرحوم امین کی بہت سی برائیاں بیان کیں
 شبہ کے دن اہل بغداد نے عموماً ماموں پر بیعت کی۔ امین کا قتل ۲۵ محرم کو واقع ہوا
 ۲۸ برس کی عمر تھی ۴۷ برس عیسائی ۸۷۱ھ دن خلافت کی۔ موزوں اندام۔ کشیدہ قامت
 نہایت خوب رو اور قوی تن تھا۔ کسائی سے فن نحو و ادب کی تکمیل کی تھی۔ نہایت فصیح
 و بلیغ۔ اور سخن سنج تھا۔ لطیف۔ امین کو بچپن سے شعر گوئی کا ذوق تھا۔ زبیدہ خاتون نے
 ابو نواس سے کہدیا تھا کہ امین کے اشعار بنظر اصلاح دیکھ لیا کرے۔ ایک دن امین نے
 زبیدہ کے سامنے ابو نواس کو کچھ اشعار جو اس نے حال ہی میں لکھے تھے بغرض اصلاح
 سنائے۔ مگر جب ابو نواس نے انہیں عروض کے متعلق چند غلطیاں بتائیں۔ تو وہ نہایت غصہ
 اور اسی جرم پر اس کو قید کر دیا۔ چند روز کے بعد جب ہر دن الرشید کو خبر ہوئی تو امین پر
 خفا ہوا۔ اور ابو نواس کو قید سے رہائی دی۔ اس کے بعد ایک موقع پر ہر دن نے امین
 سے کہا کہ اپنے تازہ خیالات ابو نواس کو سنائے۔ امین نے دو ہی تیس شعر پڑھے
 ہوں گے۔ کہ ابو نواس اٹھ کھڑا ہوا۔ ہر دن نے پوچھا دیکھو کمان چلے ۱۰ ابو نواس
 نے کہا در پر قید خانہ ۱۰

امین میں جہان سیکڑوں برائیاں تھیں بہت سی خوبیاں بھی تھیں۔ علم دوست تھا۔
 فیاض تھا۔ اسی کے ساتھ چونکہ صاحب کمال اور پایہ شناس سخن تھا۔ ہزاروں اہل فن
 اس کے خوانِ کرم سے فیضیاب تھے۔ عام ملکے شاید اس کا قتل اتنا گراں نہ گزرا ہو مگر جن لوگوں نے
 خود اس کے اوج و شہرت و شان و شوکت کا دلچسپ تماشا دیکھا تھا۔ ان کی آنکھوں
 کے سامنے تو زمین و آسمان میں سناتا ہو گیا۔ شعر نے جس دردناک لہجہ میں اس کا مہر
 لکھا کون ایسا سنگدل ہے جو اس کو سنگر ضبط کا دغا دے کر سکتا ہے۔ ابو یونس کے دو شعر

کس دل سے نکلے ہوں گے کہ نشتر کا کام دیتے ہیں۔

لست ادری کیف ابلیک ولا کیف اقل
میں نہیں جانتا تجھ پر کیوں کرو فل اور کیا کہہ کے روؤں۔
لم تطب لقتی اسینک قتیلہ یا قتیل
اے مقتول دل گو گورانیس کہ تجھ کو مقتول کسوں
ایک شاعر نے لکھا ہے

میں نے جو دو کرم سے پوچھا کہ یہ کیا حال ہے میں تنگو دیکھتا ہوں
کہ تم نے اپنی عزت ہمیشہ کی ذلت سے بدل دی
اور یہ کیا بات ہے کہ میں عزت کی عمارت کو متزلزل دیکھتا ہوں
دونوں نے جواب دیا کہ ہم پر محمدین کے مرنگی معصیت پڑی ہے
اس پر میں نے کہا کہ تم بھی اُس کے مرنگے بعد کیوں نہ مر گئے
اور تم تو ہر موقع پر اس کے ندیم رہتے تھے۔
دونوں نے جواب دیا کہ ہم اس نے ٹھکر گئے کہ اس کے مرنگے پر کھڑا ہوا جائے
پھر کل ہم بھی اس سے جا ملیں گے۔

سالت الندری والیوح مالی اراکما
تبدلما غوا بذل مسو بد
وما لی اری بیت المکارم واهیکم
نقلا اصبا بالامین محمد
فقلت فہلا متا بعد فقد لا
وقد کتباخذ نیۃ فی کل مشہد
نقلا اقمنا کی لغری بفقہ
صبیحہ یوم ثم نتلوہ فی غد

مامون کی خلافت ۹۸ھ

امین کے قتل کے بعد ۲۶ محرم ۹۸ھ ہفتہ کے دن اہل بغداد نے عمرو مامون کیلئے
بیعت کی۔ اس کی مستقل خلافت اسی تاریخ سے شروع ہوتی ہے۔ مامون نے گو عمان سلطنت
اپنے ہاتھ میں لی۔ مگر فضل بن سہل کو دربار میں وہ اقتدار حاصل ہو گیا تھا کہ خلافت بھی
وہ حقیقت اُسی کے پنجہ اختیار میں تھی۔ انتظامات ملک کی جو ابتدا ہوئی وہ اسی وجہ سے ناموزوں
طریقہ پر ہوئی کہ فضل نے تمام ملک کو اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہا۔ طاہر جس نے مامون کی خلافت
کی بنیاد ڈالی اس کی یہ قدردانی کی کہ اس کے تمام ممالک مفتوحہ یعنی کوراجبال فارس اہواز بصرہ
کوفہ یمن وغیرہ کی حکومت حسن بن سہل کو عنایت کی جو فضل کا حقیقی بھائی تھا۔

طاہر نصر بن سیار کے مقابلہ پر مامور ہوا۔ امین کے ہوا خواہوں میں تھا۔ اور شام کے اطراف میں بغاوت طاہر کی مٹی ۱۹۹ء میں حسن بغداد داخل ہوا۔ اور ہر شہر و صوبے پر اپنی طرف سے عمال و نائب مقرر کر کے بھیجے۔ عرب کا گروہ جو دربار میں ایک بڑی قوت رکھتا تھا۔ ہمیشہ سے اہل عجم کا حریف مقابل تھا۔ ہرون الرشید کے زمانہ میں خاندان برمک کی بربادی کے اصلی باعث یہی لوگ ہوئے تھے۔ اب مامون کے زمانہ میں بھی یہ باتیں ان کو نہایت اندیشہ دلاتی تھیں کہ عجم پسر دو بارہ محیط ہو جائیں کیونکہ فضل بن سہل و حسن بن سہل حقیقی بھائی اور عجمی الاصل تھے۔ جس قدر ان دونوں بھائیوں کا رسوخ بڑھتا گیا۔ بنو ہاشم۔ اور افسران فوج زیادہ بے دل ہوتے گئے۔ لوگوں میں یہ بھی مشہور ہوا کہ فضل مامون کے حضور میں کسی شخص کو حتیٰ کہ خاندان شاہی کے لوگوں کو بھی باریاب نہیں ہونے دیتا مامون خود پر دے میں رہتا ہے۔ اور انتظامات ملکی عموماً فضل کے باعث سے انجام پاتے ہیں۔ چونکہ مامون مان کی طرف سے عجمی الاصل تھا۔ یہ بدگمانی کہ ”رفتہ رفتہ اہل عجم سپید و سیاہ کے مالک ہو جائیں گے“ زیادہ قوی ہوتی گئی۔ اور بالآخر اس کی باعث ہوئی کہ اطراف ملک میں جا بجا بغاوت کے شعلے بھڑک اٹھے۔

ابن طباطبایا کا خروج ۱۹۹ء

ملک میں جو یہ برہمی پیدا ہوئی تو سادات اور علوین کے خیالات خلافت تازہ ہو گئے اول جس شخص نے علم خلافت بلند کیا وہ ابو عبد اللہ محمد تھے جو ابن طباطبایا کے لقب سے مشہور تھے۔ اگرچہ ان کا علو سب اور تقدس مرجع حوام بننے کے لیے کافی تھا۔ مگر ملکی نظم و نسق کے لیے ایک مدبر کی ضرورت تھی۔ ابو السرایا کی شرکت سے پولیٹیکل بازہ بھی قوی ہو گیا یہ شخص اگرچہ ابتدائے حال میں ایک نہایت ذلیل آدمی تھا۔ اور کرایہ کے گدھوں سے زندگی بسر کرتا تھا لیکن چونکہ شجاعت کا جوہر رکھتا تھا رفتہ رفتہ اس نے بڑا اقتدار حاصل کیا۔ امین کے قتل کے بعد ایک مدت تک غارتگری کرتا رہا۔ مین القمرو قوت انبار پر چڑھ گیا۔ مامون کو شکستین دین۔ اور خسرا نے لوٹ لیے رقعہ پہنچا۔

قوی بن طہا طہاٹے جو خلافت کے دعویدار بنکر اٹھے تھے ابو السرایا کو بھی مشغلہ ہا مختہ آیا۔ اُس نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اور ان سے کہا کہ آپ وہ یا کی راہ سے کو فہ کی طرف بڑھیے۔ میں بھی خشکی کی راہ سے آتا ہوں۔ کو فہ پہنچ کر اُس نے پہلے قصر العباس کو لوٹا۔ یہ ایک شاہی محل اور گورنران کو فہ کا صدر مقام تھا۔ تمام مال خزانہ۔ دستہ۔ یہی رہتا تھا۔ اس لوٹ میں بے شمار نقد و اسباب ہاتھ آیا۔ جو ایک مدت سے جمع ہوتا آیا تھا۔ شہر پہ پورا قبضہ ہو گیا۔ اطراف سے بھی جوق جوق لوگ آئے اور ابن طہا طہا کے ہاتھ پر بیعت کی۔

حسن بن سہل نے زہیر بن السبب کو دتل ہزار کی جمعیت سے ابن طہا طہا کے مقابلے پر بھیجا۔ قریہ شاہی میں دونوں فوجیں معرکہ آرا ہوئیں۔ زہیر کو شکست ہوئی۔ اور ابو السرایا کے حکم سے جس قدر نقد و اسباب زہیر کی فوج میں تھا۔ لوٹ لیا گیا۔ ابن طہا طہا نے یہ سیرجی پسند نہ کی۔ اور لوگوں کو غارت گری سے منع کیا۔ ابو السرایا نے یہ دیکھ کر کہ ان کے ہوتے سیری آزادی میں فرق آتا ہے۔ دوسرے دن ابن طہا طہا کو زہر دلوادیا۔ اور برائے نام ایک کم سن لڑکے کو جو آل ہاشم ہونے کی حیثیت سے ابن طہا طہا کا ہم پلہ تھا۔ خلیفہ قرار دیا۔ اس فرضی خلیفہ کا نام محمد بن محمد زید بن علی بن امحسین بن علی بن ابی طالب تھا۔ اب حسن بن سہل نے عہد و کس کو چار ہزار سوار کے ساتھ اس مہم پر بھیجا مگر بدبختی سے اس معرکہ میں بھی جو ۱۰۰ رجب کو واقع ہوا شاہی فوج ناکام رہی۔ عہد و کس خود مقتول ہوا۔ اور باقی اہل لشکر کچھ لڑائی میں مارے گئے۔ کچھ زندہ گرفتار ہوئے۔ اس فتح نمایان کے بعد ابو السرایا نے کو فہ میں اپنا سنگہ خطبہ جاری کیا۔ اور بصرہ۔ واسطہ۔ ہواز۔ یمن۔ فارس۔ ملین۔ پر فوج و افسر بھیجے جو اکثر کامیاب ہوئے یہ تمام افسر بنو فاطمہ یا جعفری تھے۔ اور چونکہ خاندانی عزت کے ساتھ ان کی ذاتی شجاعت بھی مسلم تھی آسانی سے انکو فتوحات حاصل ہوتی گئیں۔

حسن بن سہل کو اب سخت مشکل کا سامنا تھا۔ جتنے نامور افسر تھے سب نے ابو السرایا کے مقابلے میں شکست کھائی۔ یا مین معرکہ جنگ میں لڑ کر مارے گئے۔ طاہر ذوالیمینین دہر شہ

ابن امین صرف دوا سے چنل تھے جو ابو السرایا کا زور گھٹا سکتے تھے۔ مگر عام پر نصر سے شکست کھا کر رقبہ میں گویا محصور تھا۔ ادھر ہرثمہ۔ خود حسن سے ناراض ہو کر خراسان کو روانہ ہو چکا تھا۔ حسن کو ہرثمہ سے طالب امانت ہونا اگرچہ موجب عار تھا۔ اس کے علاوہ یہ بھی طمینان نہ تھا کہ وہ اس درخواست کو منظور کرے گا۔ تاہم مجبوری ایسی آن پڑی تھی کہ ہرثمہ سے اعانت مانگتے ہی بنی۔ ہرثمہ خراسان سے واپس پھر اور کوفہ کو روانہ ہوا۔ قصر بن ہبیرہ کے قریب ابو السرایا سے مقابلہ ہوا۔ ہرثمہ نے فتح قطعی حاصل کی۔ ابو السرایا بھاگتا ہوا کوفہ کو پہنچا۔ سادات یا علوین جو اُس کے ساتھ تھے ہرثمہ سے شکست کھا کر انتقام کے جوش سے لبریز تھے کوفہ میں جس قدر آل عباس اور اُن کے خاندان تھے سب کے مکانات آگ لگا کر برباد کر دیے جاگیر بن لوٹ لیں۔ اور مل کھول کر غارت گری کی۔ ہرثمہ نے ایک مدت تک کوفہ کا محاصرہ قائم رکھا۔ بالآخر ۱۶۔ محرم ۳۷ھ کو ابو السرایا کوفہ چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اور سوس کے معنانات میں خورستان ایک مقام میں ٹھہرا۔ حسن بن علی مامونی جو اس علاقہ کا عامل تھا۔ اور اس زمانہ میں وہاں موجود تھا۔ یہ خبر سن کر خورستان کو واپس آیا اور چونکہ خوزیری سے پرہیز کرنا چاہتا تھا۔ ابو السرایا کے پاس پیغام بھیجا کہ ہمارا علاقہ چھوڑ کر اور جب دھر چاہو چلے جاؤ۔ غالباً ابو السرایا نے اس درخواست کو دلیل عجز قرار دیا۔ کہلا بھیجا کہ میں نے جس حق سے اس مقام پر قبضہ حاصل کیا ہے۔ اُس کی شہادت تلوار دے سکتی ہے۔ لیکن جب اربابی کی نوبت آئی تو فیصلہ جنگ ابو السرایا کے خلاف ہوا۔ تمام فوج غارت گئی اور وہ خود بھی زخمی ہو گھر کی طرف چلا۔ راہ میں بمقام جلو لا گرفتار ہوا۔ اور قتل کر دیا گیا۔ یہ فتنہ تو یوں فرو ہوا۔ مگر ابو السرایا نے ابتدائے اپنے مفتوحہ شہروں پر جو عمال و نائب مقرر کئے تھے چونکہ اکثر علوی یا قاطبی تھے۔ ایسے ابو السرایا کے قتل نے اُن کی خود سری میں کچھ فسق نہیں پیدا کیا۔ اُن لوگوں نے اپنی دوزخ حکومت میں جو ظلم و زیادتیان کیں اُن کے بیان کرنے کو ایک دفتر چاہیے زید نے (حضرت موسیٰ کاظم کے فرزند تھے) بصرہ میں ایک قیامت برپا کر رکھی تھی۔ اس بکروں خاندان تباہ کر دیے۔ عباسیوں کے ہزاروں مکانات جلانے حسین بن حسن نے مکہ معظمہ کا وقتی خزانہ ملک لوٹ لیا۔ محمد بن جعفر صادق کی حکومت میں جو چند روز کے لیے

سحر کے فرمانروا بن گئے تھے۔ علوئین اور آل فاطمہ کو وہ زور ہو گیا کہ لوگوں کے تنگ و ناموس کا پاس اٹھا دیا گیا۔ ابراہیم بن موسیٰ بن کے عامل تھے۔ اور سفاکانہ قتل و غارت کی وجہ سے قصاب کہلاتے تھے۔ مامون نے چاہا کہ صلح و آشتی سے ان لوگوں کو قابو میں لائے لیکن یہ کب رام ہو سکتے تھے۔ لڑے اور شکست کھائی۔ بعض گرفتار ہو کر مامون کے پاس حاضر کئے گئے۔ مگر اُس نے عظمت نسب کا پاس کیا اور چھوڑ دیا۔

خاندان عباسیہ پر عجمی سادات کے قتل کا الزام لگایا جاتا ہے جو لوگ حجروں میں بیٹھ کر اعتراض کیلئے قلم اٹھاتے ہیں۔ وہ معذور ہیں لیکن جو شخص پولیکل ضرورتوں کا اندازہ دان ہے اس امتہ انسان کو مشکل سے تسلیم کرے گا۔ سادات اور علوئین کو دونوں کے لئے زور ہو گیا تو ملک میں کیا قیامت برپا ہو گئی! عباسی خاندان ان کی جانب سے کبھی مطمئن نہیں رہ سکتا تھا اور جو کچھ ان سے برتاؤ ہوا۔ اسی ضرورت سے ہوا۔

ہرمتہ قتل اور بغداد کی بغاوت

سادات اور علوئین کی بغاوتیں تو فرد ہوئیں لیکن ملک میں جو عام ناراضی پھیلی ہوئی تھی وہ روز بروز زیادہ ہوتی جاتی تھی۔ عرب کا گروہ جو حکومت کا شریک غالب تھا خراسان کا دار الخلافہ ہونا گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ اس سے زیادہ یہ کہ وزارت اعظم اور گورنری کے معزز منصب پر فضل حسن ممتاز تھے۔ جو مجوسی النسل تھے۔ اہل عرب کو صاف نظر آ رہا تھا کہ تمام اسلامی دنیا اور خود عرب پارسی نسلوں کے ہاتھ میں ہے مامون اس وقت تک حکومت کی حیثیت سے گوبالکل معطل تھا۔ سیاہ و سپید کا مالک فضل تھا اور اُس نے دلستہ خراسان کو بغداد پر ترجیح دی تھی۔ کیونکہ ایک عجمی الاصل کو عرب کے مجمع میں اپنا زور قائم رکھنا کچھ آسان کام نہ تھا۔ ملک میں یہ کچھ برہمی پھیلی تھی۔ لیکن فضل نے مامون کو ان حالات کی خبر تک نہونے دی۔ مامون کے کانوں میں جو صدا جہان سے۔ پہونچتی تھی وہ فضل کی صدا تھی۔

افسران فوج میں ہرمتہ ایک نامور اور مشہور افسر تھا۔ سادات اور علوئین کی پرزور

بناد توں کا جس نے خاتمہ کر دیا وہ بھی ہرثمہ تھا۔ خلافت عباسیہ پر اُسکے اور بہت سے حقوق تھے۔ جسکے اعتماد پر اُس نے یہ جرات کی کہ مامون کے پاس حاضر ہو کر فضل کی سازشوں کا طلسم توڑ دے۔ ابوالسرایا کی بغاوت سے فارغ ہو کر اُس نے خراسان کا ارادہ کیا فضل نے خیر برسنی تو مامون کے متعدد فرمان اُسکے نام بھجوائے کہ ”یہاں کچھ ضرورت نہیں شام و حجاز انتظام طلب ہیں۔ اور ہر کا قصد کرونا مگر ہرثمہ نے جسکو اپنے حقوق خدمت پر نار تھا۔ ان احکام کا کچھ لحاظ نہ کیا اور سیدھا خراسان کو چلا فضل نے مامون سے کہا۔ حضور نے دیکھا ہرثمہ کو احکام سلطانی کا مطلق پاس نہیں ہے۔ لیکن حضور خود خیال سرزمین ملک پر اس کا کیا اثر پڑے گا؟ ہرثمہ ذوالیقعدہ سنہ ۱۹۰ھ میں مرو پہونچا۔ اور اس خیال سے کہ شاید اس کے آنے کی خبر مامون سے نہنچی۔ کبھی جائے نقارہ نہ بکنے کا حکم دیا۔ مامون نے وباریون سے پوچھا یہ کیسا غل ہے؟ لوگوں نے کہا یہ ہرثمہ جو چمکتا گرجتا آ رہا ہے۔ ہرثمہ ورمین حاضر ہوا تو مامون نے نہایت ذلت سے شکوہ کیا اور حکم دیا کہ قید رکھا جائے۔ چند روز کے بعد اُسکو فضل نے قتل کرا دیا۔ اور مامون سے کہہ دیا کہ اپنی موت سے مر گیا۔ ہرثمہ کے قتل کی خبر بغداد پہونچی تو ایک تلامذہ چمکیا۔ محلہ حریتہ والوں نے پسے ہی علم بغاوت بلند کیا تھا اور مامون کے محال و حکام برطرف کر دئے تھے۔ اس شورش انگیز خبر نے سارے شہر میں اور ایک نئی ہل چل ڈال دی۔ محمد بن ابی خالد ہرثمہ کا جانشین بنا اور تمام بغداد نے اسکی اطاعت قبول کی۔ حسن جو مامون کی طرف سے بغداد کا گورنر تھا۔ واسطین امیقم تھا محمد بن ابی خالد اُسکے مقابلے کے لئے سلاطین میں بغداد سے روانہ ہوا۔ راہ میں حسن کی متعدد فوجیں مقابل ہوئیں اور شکست کھا گئیں۔ محمد ویر العاقل پوہنچا اور زبیر بن المسبب کو جو حسن کا حامل تھا گرفتار کر کے بایزنجیر بغداد بھیج دیا۔ ہارون کے بیٹے نے مصافات نیل پر فتح حاصل کی۔ ان فتوحات کے بعد دونوں باپ بیٹے واسطہ کی طرف بڑھے حسن نے بھی ایک عظیم الشان فوج اون کے مقابلے کو روانہ کی۔ ۲۳ ربیع الاول سنہ ۱۹۰ھ میں ابن داہم عباسی نے اپنی تاریخ میں لکھا جو کہ ہرثمہ نے نہایت گستاخانہ طور پر مامون سے گفتگو شروع کی اور کہا کہ آپ نے اس مجوسی دینی فضل بن سہل، کو سر چر سار کھا ہے۔ مامون نے اس گستاخی کی وجہ سے اُسکو دبا دے کھوا دیا۔

۱۲۰۰ء میں دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں۔ ایک نہایت سخت جنگ کے بعد محمد بن ابی حنبلہ نے شکست کھائی۔ میدان جنگ میں ثابت قدم رہ کر بہت سے کاری زخم اٹھائے تھے۔ اس لیے مجبورانہ بغداد کی طرف الٹا پھر احسن برابر تعاقب کرتا آیا۔ محمد بن ابی خالد کے زخم شدت پکڑتے گئے۔ اور بالآخر بغداد پہنچ کر انتقال کیا۔ محمد کا فرزند بیٹے باپ کا جانشین بنا اور اہل بغداد کو کھیا کہ ”اگر میرا باپ نہیں رہا تو میں اس کا قسم البدل موجود ہوں۔ اگر خدا نے چاہا تو میں بغداد کو حسن کی حکومت سے آزاد کروں گا۔ تمام بغداد نے نہایت خوشی سے اس کی حکومت تسلیم کی۔ اگرچہ حسن کی قاہرہ فوج نے بیٹے اور اس کے بھائی ابو ذہب کو فاش شکستیں دیں۔ لیکن یہ پرچش صد کہ ”مجوسی زادہ ہم پر حکومت نہیں کر سکتا“ پست نہ تھی +

حضرت علی رضایعلہ السلام کی ولید کی ۲۱ رمضان ۱۲۰۱ء

یہاں یہ ہنگامے برپا تھے۔ مگر مامون ایسی غفلت کی نیند پڑا سوتا تھا کہ اس کے کان پر جون نہ چلی۔ ذوالریاستین تمام مدبار پر اس طرح محیط ہو گیا تھا کہ اس کے خلاف کوئی خبر مامون تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اب اس نے ایک نئے انتظام سے خاندان عباس کو اور بھی زیادہ پرہم کر دیا۔ مامون کی بالطبع آل پیغمبر سے نہایت محبت تھی۔ جس کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہو گا کہ تلم پر زور بنادین جو اس کے حمد میں ہوئیں اسی مقدس خاندان کی افسری میں جوئیں تاہم اس نے ہمیشہ مدگذر کی اور قابو پانے پر بھی انکی غفلت نسب کا لحاظ رکھا۔

اس زمانہ میں حضرت علی رضا امام شیعہ موجود تھے۔ جن سے مامون دلی ارادت رکھتا تھا اور چونکہ زہد و تقویٰ کے علاوہ ان کا فضل و کمال بھی خلافت کے شایان تھا۔ مامون نے ان کو ولید سلطنت کرنا چاہا۔ اس سے پہلے سنہ میں اس نے فراہم بیچے کہ تمام ممالک میں جس قدر عباسی خاندان کے لوگ ہیں۔ آستانہ خلافت میں حاضر ہوں پیش و دولت کی تربیت کا اثر دیکھو کہ نوین ہی پشت میں۔ حضرت عباس کی نسل سے ۳۳ ہزار اذن و مرد دنیا کے مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ مامون نے بڑی عزت سے ان کا

استقبال کیا۔ اور عباسی فلسطین پورے برس دن حرم خلافت کی مہمان رہیں۔ اس اثنار میں مامون نے اپنے خاندان کے ہر ایک شخص کو تجربہ و امتحان کی نگاہ سے دیکھا۔ اور یہ قطعی رائے قائم کر لی کہ اس بڑے گروہ میں ایک بھی ایسا نہیں جو خلافت کا بار گران سنبھال لے۔ اب سلسلہ حین اس نے ایک دوبارہ جس میں تمام احمیان سلطنت و اراکین دوبارہ موجود تھے ہنخت کیا۔ اور سب سے خطاب کر کے کہا کہ آج دنیا میں جس قدر آل عباس ہیں۔ میں ان کی لیاقت کا صحیح اندازہ کر چکا ہوں۔ نہ ان میں اور نہ آل علی میں آج کوئی ایسا شخص موجود ہے جو اس حقیقی خلافت میں حضرت علی رضا کے ساتھ ہمسری کا دعویٰ کر سکے، اس کے بعد اس نے تمام حاضرین سے حضرت علی رضا کے لئے بیعت لی۔ اور دوبارہ کا لباس بچائے سیاح کے سبقت سرار دیا۔ جو فرقہ سادات کا امتیازی لباس تھا۔ فوج کی مدد بھی بدلی گئی تمام ملک میں احکام شاہی نافذ ہوئے کہ امیر المومنین مامون کے بعد حضرت علی رضا تاج و تخت کے مالک ہیں۔ اور ان کا لقب الرضا من آل محمد ہے۔ حسن بن سہل کے نام بھی سرمان گیا کہ ان کے لئے بیعت عام لیا وے اور عموما اہل فوج۔ و عمائد بنی ہاشم سبز رنگ کے پیرے اور سبز کلاہ و قبائیں استعمال کریں۔ اس انوکھے حکم نے بغداد میں ایک قیامت انگیز ہل چل مچا دی۔ اور مامون سے مخالفت کا پیمانہ بالکل لبریز ہو گیا۔ بعضوں نے بجز اس حکم کی تعمیل کی۔ مگر علم صدایہی تھی کہ وہ خلافت خاندان عباس کے دائرے سے باہر نہیں جاسکتی۔

ابراہیم بن المہدی کی تخت نشینی حکم محرم ۲۰۲ھ

جس زمانہ میں حضرت علی رضا کی ولیعہدی کے احکام بغداد میں پہنچے! عباسیوں نے مامی وقت سے ایک نئے خلیفہ کی تجویز شروع کی تھی۔ ۲۵۔ ذی الحجہ روز سہ شعبہ ۱۲۵ھ میں خاص آل عباس نے خضیہ طود پر ابراہیم بن المہدی کے ہاتھ پر جو مامون الرشید کے چچا تھے بیعت کی۔ پھر وہ شخص مقرر کیے کہ جمعہ کے دن نماز سے پہلے ایک شخص خطاب عام کرے کہ مامون کے بعد ابراہیم کو ولیعہد خلافت سرار دینا چاہتے ہیں۔ دوسرا ابراہیم سے کہے کہ مامون تو معزول ہو چکا۔ خلیفہ وقت ابراہیم ہے۔ اور ولیعہد خلافت اسحاق

بن الہادی رضی اللہ عنہ اس طریقہ سے عباسیوں نے رضا مندی عام کا اندازہ کرنا چاہا۔ مگر ان کو خلافت توقع یہ معلوم ہوا کہ ملک اگر مامون کے خلافت ہے تو ابراہیم کے ساتھ بھی لوگوں کو عام ہمدردی نہیں ہے۔ چنانچہ جب یہ دونوں شخص سکھائے ہوئے فقرے کہہ کر بیٹھ گئے تو لوگوں نے کچھ جواب نہ دیا اور ایسی برہمی ہوئی کہ لوگوں نے نماز بھی نہیں پڑھی اور مسجد سے چلے گئے۔ تاہم سندی و صالح کی کوششوں نے ابراہیم کو منصب خلافت پر پہونچا دیا۔ اور یکم محرم ۱۷۱ھ کو عموماہل بغداد نے بیعت خلافت کی ابراہیم نے اپنا لقب ”مبارک“ اختیار کیا۔ اس زمانہ میں قصر بن ہبیرہ پر حسن بن سہل کی طرف سے حمید بن حمید مامور تھا۔ اگرچہ وہ خود حسن کا دل سے طرفدار تھا مگر اس کے ساتھ جتنے افسر تھے۔ خصوصاً سعید و ابوالبطاہر ابراہیم سے مل گئے۔ ان لوگوں نے اودھسہ تو حسن کے پاس خطوط بھیجے کہ حمید آپ کے خلافت ابراہیم سے خط و کتابت رکھتا ہے اودھسہ ابراہیم سے درخواست کی کہ حضور کا کوئی افسر آئے تو ہم قصر بن ہبیرہ پر قبضہ کر ادین۔ حسن نے گوان تحریروں کا چندان اعتبار نہیں کیا۔ تاہم اسکو شبہ پیدا ہوا اور اطمینان کے لئے حمید کو اپنے پاس بلا لیا۔ ابراہیم نے مونغ پارے بن محمد کو بھیجا جس نے ۱۰ ربیع الثانی کو قصر بن ہبیرہ پر قبضہ حاصل کیا۔ اودھسہ کا اسباب و خزانہ جسیں نقد کی قسم سے نلو توڑے تھے غارت عام میں آیا۔ حمید نے یہ خبر سنی تو کوفہ کو واپس آیا۔ یہاں حضرت علی رضا علیہ السلام کے بھائی عباس شریفین رکھتے تھے۔ حمید نے ان کو بلایا اور کہا کہ آپ اپنے بھائی کی طرف سے کوفہ کی حکومت اپنے ہاتھ میں لیں۔ تو تمام کوفہ آپ کے ساتھ ہو گا۔ اور میں تو جان نشاری کے لئے حاضر ہی ہوں۔“ حمید نے لاکھ درہم بھی اون کی نذر کئے اسکے بعد وہ حسن کے پاس چلا گیا۔ کوفہ کے اکثر لوگوں نے حسن کا ساتھ دیا۔ مگر جن لوگوں کو شیعہ پن میں زیادہ غلو تھا انھوں نے حسن سے کہا کہ ”اگر حضرت علی رضا کی خلافت مستقل مان کر بیعت لیجاوے تو ہم بدل موجود ہیں۔ لیکن بیعت میں مامون کا واسطہ ہو گا۔ تو ہم سے امید رکھنی چاہیے۔“ چونکہ اہل ان کی یہ خواہش حسن نے منظور نہ کی۔ یہ لوگ ناراض ہوئے اور بالکل بے تعلقی ہو کر اپنے گھروں میں بیٹھ رہے۔

ابراہیم نے اپنے نئے دشمن عباس کے مقابلہ کے لئے سعید و ابوالبط کو متعین کیا۔ جنہوں نے حال میں اپنی کارگزاری دکھائی تھی کہ ابراہیم کے نائب کو قصر بن ہیرہ پر قبضہ دلا دیا تھا۔ یہ دونوں افسر قریہ شاہی میں پہنچے تو عباس نے اپنے چھپرے بھائی علی بن محمد کو ان کے مقابلے کے لئے بھیجا۔ دوسری جمادی الاول ۲۰ھ کو دونوں حریف معرکہ آرا ہوئے۔ علی بن محمد نے ذرا دیر لڑ کر شکست کھائی۔ اب ابوالبط و سعید کو فہر حملہ آور ہوئے۔ آل عباس جو یہاں موجود تھے۔ وہ بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔ نہایت سخت معرکہ ہوا۔ یہ لوگ حملہ کرتے ہوئے ابراہیم کی بجے پکارتے تھے اور نصرے مارتے تھے کہ ”مامون کی حکومت نہیں رہی“ تمام دن لڑائی قائم رہی۔ تاہم فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا۔ اور دوسرے دن کی نوبت آئی۔ چونکہ فریقین کا یہ حال تھا کہ جس نے شہر کے جس حصہ پر فتح پائی اگ لگا کر غارت کر دیا۔ روسائے کو ذسعید کے پاس حاضر ہوئے۔ اور اس شرط پر امان طلب کی کہ عباس اپنے ساتھیوں کو لیکر کو فہ سے چلے جائیں۔ فریقین نے اس پر رضامند ہی ظاہر کی۔ اور کو فہ و دونوں دعویداروں سے خالی ہو گیا۔ کیونکہ اس عہد کے بعد سعید بھی حیرہ کو واپس چلا گیا۔ کو فہ و اطراف کو فہ میں ابراہیم کی حکومت مسلم ہو گئی لیکن یہ یقین خلافت کا قطعی فیصلہ کرنے والی نہ تھیں۔ کیونکہ بنو زواسطہ میں حسن بن سہل ایک فوج گران کے ساتھ موجود تھا۔ ابراہیم نے اس بڑی مہم کے لئے عیسے کو انتخاب کیا۔ ابن عائشہ ہاشمی و نعیم بن خالد کو بھی حکم ہوا کہ عیسے کے ہمراہ جائیں۔ راہ میں سعید و ابوالبط بھی جو کو فہ کی فتح سے آتے تھے ساتھ ہوئے۔ غرض یہ بیشتر لشکر واسطہ کے قریب نام صباۃ میں صف آرا ہوا۔ حسن بن سہل قلعہ بند ہوا۔ عیسے چند بار تلے کی غرض سے حسن کے لشکر گاہ کی طرف گیا۔ مگر اس نے بالکل خاموشی اختیار کی تھی۔ اور حکم دیدیا تھا کہ لشکر کا کوئی شخص قلعہ سے باہر نہ جائے۔ غالباً اس مدت میں اس نے عیسے کی قوت کا اندازہ کیا بالآخر ۲۰ رجب کو فوج اس کے حکم سے عیسے پر حملہ آور ہوئی۔ صبح سے دوپہر تک قیامت انگیز معرکہ رہا۔ عیسے نے شکست کھائی اور طرنا یا پہنچ کر دم لیا۔

مامون کا عراق روانہ ہونا اور ذوالریاستین کا قتل

مامون جس تاریخ سے تحت نشین ہوا تھا۔ ایک دن بھی خوزیریون سے خالی نہ گیا تاہم اسکو بالکل نہ معلوم ہوسکا کہ تمام ملک بغاوتوں کا دھگل بن رہا ہے۔ ابتدا میں تو حسن بن سہیل کی گورنری کا ہنگامہ تھا۔ لیکن اب جو ہنگامے قائم تھے حضرت علی رضا کی ولیعہدی پر تھے درباریوں میں سے جب کسی نے مامون کے کان تک یہ صدائہ پہنچائی تو خود حضرت علی رضا نے اس فرض کو ادا کیا۔ انہوں نے مامون سے کہا کہ وہاں کے قتل کے بعد ایک دن بھی ملک کو امن نصیب نہیں ہوا رات دن خوزیر لڑائیاں قائم ہیں۔ اور اہل بغداد نے ابراہیم کو خلیفہ قرار دیا ہے۔ یہ بالکل ایک نئی اور غیر مانوس صدا تھی مامون وقتاً چونک پڑا اور چہا کہ ذوالریاستین نے اس کو یقین کرا دیا تھا۔ اس نے تعجب اور انکار کے ساتھ کہا کہ نہیں ابراہیم خلیفہ نہیں ہے۔ بلکہ لوگوں نے امتحاناً اس کو نائب الریاست بنا رکھا ہے۔ حضرت علی رضا نے فرمایا کہ ”ذوالریاستین نے ملک کے اصلی واقعات آپ کی نظر سے چھپا دے۔ اور اب جو کچھ آپ کہتے ہیں اُسی کی زبان سے کہتے ہیں۔ ابراہیم جس کو آپ نائب الریاست سمجھ رہے ہیں حسن بن سہل سے لڑ رہا ہے۔ اور آل عباس میں عموماً ذوالریاستین کی وزارت اور میری ولیعہدی پر نہایت مخالفاں جو شہ پہیلا ہوا ہے۔“

مامون اور ہارمین کوئی اور شخص بھی ان حالات سے واقف ہے۔ ”دعای رضا علیہ السلام“ بان یہ یحییٰ بن معاذ و عبد العزیز بن عمران اور بہت سے افسر مامون نے ان لوگوں کو بلا کر پوچھا کہ جب حضرت علی رضا فرماتے ہیں۔ تم اس کی نسبت کیسا جانتے ہو۔

ذوالریاستین کے دسے کسی کو شہادت دینے کی جرات نہیں ہوتی تھی۔ مگر جب مامون نے خود ذمہ داری کی کہ ذوالریاستین ان کو کچھ ضرر نہ پہنچائے گا۔ اور اس مضمون کی ایک دستاویز بھی اپنے ہاتھ سے لکھ دی۔ تو ان لوگوں نے پست کندہ حالات بیان کر دیے۔ اور کہا کہ ہر شے انہیں باتوں کے غرض کرنے کے لئے حضور میں حاضر ہوا تھا۔ مگر ذوالریاستین نے ایسے جان نثار کو حضور کی نگاہ میں دشمن بنا دیا۔ اور اس کی

تمام امیدیں خاک میں ملا دیں۔ ان لوگوں نے مامون کو یہ بھی بتا دیا کہ اگر جلد تلافی نہیں کی جاتی تو بنیاد خلافت کے متزلزل ہونے میں کچھ باقی نہیں رہا ہے۔ چونکہ ان لوگوں نے اپنی شہادت میں یہ بھی راستے دی تھی کہ حضور کا دارا خلافت میں تشریف رکھنا ان سب مشکلوں کو حل کر دیگا۔ مامون نے بغداد کا قصد کیا۔ ذوالریاستین کو اس اساتذہ کی اطلاع ہوئی تو اُس نے ہاسانی معلوم کر لیا کہ مامون کے کان میں کوئی نئی صدا پڑی ہے۔ اُس نے تمام افسروں کے نام بھی تحقیق کر لئے۔ اور حضرت علی رضا کے سوا جن پر اُس کا قابو نہیں چل سکتا تھا یا پاس ادب مانع تھا۔ باقی ہر ایک کو مختلف قسم کی افیتیں پہنچا کر کسی کو قید کیا۔ کسی کو کونٹے پٹولے کسی کی ڈاڑھی اکڑوائی۔ اس پر بھی مامون ذوالریاستین سے کچھ باز پرس نہ کر سکا۔ اور جب حضرت علی رضا نے اس کا تذکرہ کیا تو مامون نے نرمی سے جواب دیا کہ وہ میں غافل نہیں ہوں۔ مگر تدبیر مناسب سے کام لینا چاہتا ہوں۔

مامون جب سرخس پہنچا۔ تو چند آدمیوں نے جن کا پیشوا غالب مسعودی تھا۔ تمام میں پہونچکر جہرات کے دن ۶ شعبان سنہ ۸۰۵ کو ذوالریاستین کو قتل کر دیا۔ عجیب بات ہے کہ جو لوگ ذوالریاستین کے قتل میں شریک تھے سب مختلف اور دو در دو ر ملکوں کے رہنے والے تھے۔ یعنی قسطنطین۔ روم کا۔ فرنج و ولیم کا۔ موفق بصلیقہ کا۔

مامون نے اشتہار دیا کہ جو شخص قاتلوں کو گرفتار کر کے لائے اُس کو دس ہزار اشرفیان انعام میں ملیں گی۔ عباس بن الشیم نے یہ انعام حاصل کیا۔ جب یہ لوگ مامون کے پاس حاضر کئے گئے اور پوچھا گیا کہ کس کے ایمان سے تم نے ایسا کیا؟ تو سب نے خود مامون کا نام لیا۔ او اس بیباکی پر اہل جرم کی پاؤاش میں مامون کے حکم سے قتل کر دئے گئے۔ اس کے بعد عبدالعزیز بن عمران و موسیٰ وغیرہ چند اشتخاص جن پر شبہ تھا طلب ہوئے اور استفسار ہوا کہ اس واقعہ کے متعلق کچھ جانتے ہو۔ سب نے کانوں پر ہاتھ رکھا۔ مامون نے ان لوگوں کو بھی قتل کر دیا۔ گو تمام واقعات شہادت سے سب سے تھے کہ ذوالریاستین کا قتل مامون کے ایمان سے ہوا۔ مگر مامون نے اپنی متعدد کارروائیوں سے اس یقین کو شبہ سے ہل دیا۔ قاتلوں کے سر حسن بن سہل کے پاس بھجوائے۔ اور بامہ تعزیت میں بہت کچھ بیخ و بوم ظاہر کیا۔ اور لکھا کہ وہ تم اپنے

بھائی کی جگہ منصب وزارت پر مقرر کئے گئے۔ ذوالریاستین کی مان کے پاس برسم تعزیت گیا اور تسلی مے کرکھا کہ: ”آپ صبر کریں۔ بھائے ذوالریاستین کے مین آپ کا مطیع فرزند موجود ہوں۔“ ان موثر فقروں نے اس کو اور بھی یتاب کر دیا۔ اور رو کرکھا کہ: ”یہ بیٹے کا کیون نہ عم کروں جس نے میرے لئے تم سا فرزند چھوڑا۔“ ذوالریاستین کے قتل کے تھوٹے دن بعد اُس کے باپ سہل نے بھی وفات پائی۔ اسی زمانہ میں مامون نے حسن بن سہل کی بیٹی سے شادی کی۔ ان کارروائیوں سے گو مامون کی گردن ذوالریاستین کے خون سے ٹپکی نہوئی۔ تاہم عام خلقت کی نگاہ بہت کچھ بدل گئی۔ اور کم سے اتنی بات ضرور ثابت ہو گئی کہ اگر ایسا ہوا بھی تو وہ ایک ذاتی اور ناگزیر معاملہ تھا۔ ورنہ ذوالریاستین کے عام احسانات کو اُس نے فراموش نہیں کیا ہے۔ اور اُس کے خاندان کے ساتھ اب بھی اُس کو وہی ہمدردی ہے۔ جو پہلے تھی۔ ذوالریاستین کی موت نے یوں تو اُس کے تمام خاندان کو نہایت صدمہ پہونچایا۔ مگر اُس کے بھائی حسن نے اس واقعہ کے بعد سے ایک دن بھی رونے پیٹنے سے نجات نہ پائی۔ اور بالآخر اسی صدمہ نے اُس کو مختل السوا اس کر دیا۔ سندھ میں اُس کے ہوش بالکل درست نہیں رہے تو احتیاط کے لئے پاؤں میں پٹریاں ڈال دی گئیں۔ مامون اُس کی جگہ احمد بن ابی خالد کو وزیر اعظم مقرر کیا۔ یاد رکھنا چاہئے کہ مامون کی مستقل خلافت کا زمانہ دراصل قتل ہونے کے بعد سے شروع ہوتا ہے۔

حضرت علی رضا علیہ السلام کی وفات خضر

اس سفر میں حضرت علی رضا علیہ السلام بھی مامون کے ساتھ تھے۔ طوس پہونچ کر وفات انتقال فرمایا۔ کہتے ہیں کہ انکو ر میں زہر دیا گیا۔ ہرون الرشید کی قبر بھی یہیں ہے۔ مامون نے اسی وجہ سے یہاں قیام کیا تھا۔ حضرت علی رضا نے وفات پائی تو مامون نے حکم دیا کہ ہرون الرشید کی قبر اُگڑا کر حضرت علی رضا بھی اُسی میں دفن کئے جائیں جس سے مقصود یہ تھا کہ رشید بھی حضرت علی رضا کی برکت سے مستفید ہو۔ مامون کو حضرت علی رضا کی وفات کا نہایت صدمہ ہوا۔ وہ جنازہ کے ساتھ ننگے سر گیا۔ اور رو کرکھتا تھا

دو اسے ابو الحسن! تیرے بعد میں کہاں جاؤں؟ تین دن تک قبر پر مجاور رہا۔ اور صرف ایک روحی و نمک روزانہ اُس کی خوراک رہی۔

اس پر دعبل ایک شاعر نے جو اہل بیت کا مداح اور خلفائے بنی عباس کا نہایت دشمن تھا۔ ایک غرافت آمیز ہجو لکھی جس کا ایک شعر یہ ہے۔

ما یفیع الوجل من قرب الذکوی کا علی الذی کی بقرب الرحمن من صغیر
یعنی، دردناک آدمی کو پاک کے قرب سے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا۔ اور نہ پاک کا اُس کے قرب سے کچھ نقصان ہوتا ہے۔ یہ ایک تاریخی سوال ہے کہ حضرت علی رضا کو کس کے ایمان سے زہر دیا گیا؟ مگر ایک خاص فرقہ نے اس واقعہ پر مذہبی رنگ چڑھایا ہے۔

سید بلا استثنا اس پر متفق ہیں کہ بخود مامون نے زہر دلوایا، افسوس ہے کہ ہجو شیعہ کی تاریخی تصنیفات نہیں ملین کہ ہم اس بحث کو دونوں فریق کی روایتوں کے لحاظ سے فیصلہ کر سکتے۔ تمام دو بڑی بڑی تصنیفیں جن کو دنیائے اسلامی تاریخ کا لقب دیا ہے یسینوں کی ہی تصنیفیں ہیں۔ اور بظاہر ان میں مذہبی حیثیت کا خاص لحاظ نہیں رکھا گیا ہے تاریخی واقعات کی نسبت ہجو انہیں کی طرف جمع کرنا پڑے گا۔ جہاں تک ہجو معلوم ہے ایک مورخ نے بھی مامون پر اس الزام لگانے کی جرات نہیں کی ہے۔ بلکہ علامہ ابن اثیر نے صاف لفظوں میں اس غلط خیال پر استعجاب ظاہر کیا ہے مامون الرشید کے زمانہ سے نہایت قریب تر تاریخ جو آج دستیاب ہو سکتی ہے۔ ابن واضح عباسی کی تاریخ ہے یہ مصنف مامون کے زمانہ کے واقعات ان لوگوں کی زبانی روایت کرتا ہے جو خود مامون کے عہد میں موجود تھے۔ ہم اُس کی تاریخ میں شیعہ پن کا اثر بھی پاتے ہیں۔ تاہم اُس مامون کے بجائے یہ بدگمانی علی بن ہشام کی نسبت کی ہے۔ تاریخی اصول تحقیق سے لکر ہم کام لیں تو بھی یہی ماننا پڑے گا۔ مامون نے حضرت علی رضا کو ولید خلافت مقرر کیا تو اس سے اس کو کوئی سازش مقصود نہ تھی۔ حضرت علی رضا کوئی ملکی شخص نہ تھے۔ اور نہ ان سے

۱۰ ابن واضح عباسی نے یہ واقعہ خود اس شخص سے روایت کیا ہے جو حضرت علی رضا کی تہذیب و تفسیر میں شریک تھا۔ اور ابن واضح کی تاریخ سے اسکو نقل کیا ہے۔ ۱۱۔

حکومت عباسیہ کو کسی خطرہ کا احتمال تھا۔ جیسا کہ شیعہوں کا دعویٰ ہے۔ مامون کو اہل بیت کے ساتھ جو دلی خلوص تھا اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ حضرت علی رضا کے بعد مامون کا طریق عمل سادات کے ساتھ کیا رہا؟ اس خاص حیثیت سے مامون کے ان تمام حالات اور واقعات کو ترتیب دو جو حضرت علی رضا کی وفات سے پہلے اور پہچے پیش آئے بہ مرتب اور نتیجہ خیز سلسلہ خود بتا دیگا۔ کہ مامون پر یہ غلط اتہام ہے۔ بے شبہ مامون کے خاندان ولے حضرت علی رضا کی ولیمہ دی سے ناراض تھے انہیں میں سے کسی نے یہ بیوقوف حرکت کی ہوگی

حضرت علی رضا آئمہ اثنا عشر میں ہیں۔ اور حضرت موسیٰ کاظم کے خلف الرشید ہیں۔ مدینہ منورہ میں مسئلہ میں جمعہ کے دن پیدا ہوئے۔ نہایت بڑے عالم اور اتقا سے سونگاری میں سے تھے۔ مامون کے لئے طب میں ایک رسالہ تصنیف کیا تھا۔ ابو نواس عربی مشہور شاعر سے لوگوں نے کہا کہ تو نے ہر مضمون کے شعر لکھے اور حضرت علی رضا جو فخر روزگار ہیں ان کی شان میں دو شعر بھی نہ کہے اُس نے جواب دیا کہ وہ ان کا پایہ کمال میری مدح سے بہت اونچا ہے، چونکہ ذوالریاستین۔ اور حضرت علی رضا کی وفات نے اہل بغداد کی کل شکایتوں کا فیصلہ کر دیا۔ مامون نے بغداد کے لوگوں کو ایک خط لکھا کہ وہ اب کیا چیز ہے جس کی تم شکایت کر سکتے ہو، مگر مامون کو خلافت توقع اپنی تحریک کا نہایت سخت جواب ملا۔

ابراہیم کی معزولی

مامون جس زمانہ میں بغداد کو روانہ ہوا تھا۔ تو ابراہیم مدائن میں موجود تھا اور عیسیٰ بن محمد و مطلب بن عبد اللہ وغیرہ افسران فوج اُس کے ساتھ تھے۔ یہ لوگ اس وقت تک اگرچہ نہایت ثابت قدم رہے۔ مگر غالباً اس بات کا سب کو یقین تھا کہ ابراہیم کی خلافت اس وقت تک ہے جب تک مامون بغداد سے دوسرے جب اس کی خبر مشہور ہوئی تو لوگ ابراہیم کا ساتھ چھوڑنے لگے۔ مطلب بیماری کا ہمارہ کر کے مدائن سے چلا آیا۔ اور بغداد میں لوگوں نے خلیفہ

ہامون کے لئے بیعت لینے شروع کی۔ خود منصور بن الہدیٰ ابراہیم کے بھائی نے بابل
 بیعت کی مطلب نے علی بن ہشام و حمید کو بھی لکھا کہ بغداد چلے آؤ۔ ابراہیم کو یہ حالات معلوم
 ہوئے تو مدائن سے روانہ ہو کر ۱۵ صفر ۲۳۳ھ کو زند رود پہنچا۔ اور جن لوگوں نے ہامون
 کے لئے بیعت کی ان کو طلب کیا۔ جن میں سے منصور و خزیمہ تو حاضر ہو گئے۔ اور ان کا
 قصور معاف کر دیا گیا۔ لیکن مطلب کو اسی کے خاندان نے روکا کہ مدینہ اپنی بات پر قائم رہنا
 چاہئے۔ ابراہیم نے اذن عام دیدیا کہ ۱۵ صفر کو مطلب کا گہر بار لوٹ لیا جاوے۔ حمید و غنی
 بن ہشام اب ابراہیم کی خلافت مدائن پر قابض ہو گئے۔ ابراہیم کا نہایت نامور افسر عیسیٰ
 بن محمد بھی حسن بن سہل سے مل گیا۔ شوال ۳۲۳ھ میں باب البحر پر اُس نے یہ اعلان
 دیدیا کہ میں اس معاملہ میں دونوں فریق سے الگ ہوں گا۔ اور حمید نے بھی اس بات کو
 منظور کر لیا ہے۔ ابراہیم نے اُس کی طلب کے لئے متعدد قاصد بھیجے۔ بڑے اصرار سے آیا تو
 ابراہیم نے عتاب ظاہر کیا۔ اُس نے معذرت کی۔ ابراہیم نے غیظ میں اگر اس کو قید خانہ
 بھیج دیا۔ اور اُس کے چند افسر و عہدہ کو بھی سزا دی۔ عیسیٰ ایک نہایت معزز رتبہ کا آدمی تھا۔ اور
 بہت سے نامور افسر اُس کے ساتھ تھے۔ اُس کے قید ہونے سے سب کو برم کر دیا۔ بالخصوص
 عباس جو عیسیٰ کا خلیفہ خاص تھا۔ اُسے اپنی پرچوش تقریروں سے تمام بغداد کو ابراہیم کا مخالف
 بنا دیا۔ جس کو کہنے کا غیرہ برابر ابراہیم کے جو عامل تھے سب نکال دے گئے۔ اور لوگوں نے حمید کو
 خط لکھا کہ آپ یہاں مقصد کیجئے کہ بغداد آپ کے حوالہ کر دیں۔ حمید نہ صرف یہ نہ چکر نہرا عباس و تمام
 افسران فوج اُس کے استقبال کو گئے۔ یہ قرار پایا کہ جمعہ کے دن مقام یاسرہ میں ہامون کا خطبہ
 پڑھا جاوے۔ اور ابراہیم معزول کر دیا جاوے۔ حمید نے اہل فوج کو پچاس پچاس سو
 دینے کا وعدہ بھی کیا۔ تاریخ مینہ پر حمید یا سرہ میں داخل ہوا۔ مگر انعام کی تعداد میں اس نے
 اختلاف پیدا کیا کہ اہل فوج نے پچاس کے عدد کو منہوس بتایا۔ کیونکہ علی بن ہشام نے
 بھی یہی تعداد مقرر کی تھی اور بالآخر فساد کی باعث ہوئی۔ اہل فوج نے کہا کہ اس وقت ہم کو
 چالیس دلائے جاوین تاکہ پچاس کے منہوس عدد سے یہ تعداد مختلف رہے۔ عیسیٰ نے
 فیاضی سے پچاس کے عدد کو بڑھا کر سائیکہ کر دیا جس کے ساتھ خوش کامیابی بھی رنخ ہو گیا

ابراہیم نے اس مشکل وقت میں عیسے کو قید سے رہائی دیکر حکم دیا کہ حمید کے مقابلے پہنچا دے۔ عیسے نے ایک سازشی حملہ کیا۔ اور وسط فوج میں گھس گیا۔ جس سے ظاہر میں یہ دکھانا مقصود تھا کہ ابراہیم کی وفاداری میں اس نے جان تک کی بھی پروا نہ کی۔ لیکن فوج نے اس کی دلی خواہش کے موافق زندہ گرفتار کر لیا۔ ابراہیم نے باقی ماندہ فوج سے حمید کا مقابلہ کیا یہ اس کی اخیر کوشش تھی۔ لیکن وہ اب بھی کامیاب نہ ہوا۔ اخیر ذی قعدہ سنہ ۳۳ میں جو معرکہ ہوا اس نے ابراہیم کی قسمت کا قطعی فیصلہ کر دیا۔ ذی الحجہ کی تاریخ بدھ کی رات سنہ ۳۳ ابراہیم کی تاریخ حکومت کا اخیر صنفہ تھا جس دن اس نے تبدیل لباس کی۔ اور کہیں غائب ہو گیا۔

ابراہیم کی خلافت نے کل ایک برس گیارہ مہینے ۱۲ دن کی عمر پائی۔

مامون کا بغداد داخل ہونا صفر سنہ ۳۳

مامون قریباً رجب سنہ ۳۳ میں مرو سے روانہ ہوا۔ اور صفر سنہ ۳۳ میں بغداد پہنچا۔ اس کا یہ سفر ایک طرح پر ملک کا دورہ تھا۔ جس میں اس نے حالات ملک سے بہت کچھ واقفیت حاصل کی اور مختلف شہروں میں مناسبت انتظامات کئے۔ مروان پہنچا تو بغداد کے تمام اعیان و عائد و افسران فوج بڑے جوش سے اس کے استقبال کو گئے۔ طاہر بن الصمیل بھی جس کو مامون نے رقعہ سے طلب کیا تھا۔ یہیں باریاب حضور ہوا۔ مروان میں آٹھ دن قیام کر کے مامون بغداد کو چلا۔ اور ۱۵ صفر سنہ ۳۳ کو بڑی شان و شوکت سے دار الخلافہ میں داخل ہوا۔ جہاں ایک مدت سے ہزاروں نگاہیں اس نا انتظار کر رہی تھیں۔ مامون خود اور اس کے تمام افسر سبز لباس میں تھے۔ اہل بغداد بھی مامون کے لحاظ سے سبز لباس پہنے دربار میں آئے۔ مگر عام خواہش اس کے خلاف تھی۔ لوگ آرزو مند تھے کہ ان کی آنکھیں عباسیہ حکومت کو اس کے اصلی لباس میں دیکھیں چنانچہ جب مامون نے طاہر کو بلا کر اس کی کار گزار یوٹھ کا صلہ دینا چاہا۔ اور کہا کہ ”جو مانگنا ہو مانگ“ تو اس نے ہی خواہش ظاہر کی کہ آل عباس کی یہ آئندہ پوری کر دی جائے مامون نے یہ معقول درخواست منظور کی۔ اس نے خود دربار عام میں سیاہ لباس منگو کر پہنا۔ اور طاہر ذوالیمین و تمام افسران فوج کو سیاہ رنگ کے خلعت عہد

طاہر کا خراسان کی حکومت پر مقرر ہونا ۲۰۵ء

اس سال ایک عجیب تقریب سے طاہر کو اپنے کارہائے نمایاں کا مناسب صلہ ملا یعنی وہ کل مشرقی حکومت پر جس کی دار الخلافہ بغداد سے شروع ہو کر سندھ تک منتهی ہوتی ہے نائب السلطنت مقرر ہوا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ایک رات طاہر ماموں کی بزم عیش میں حاضر ہوا۔ ماموں بادہ نوشی کے مزے لے رہا تھا۔ بے تکلفی میں اُس نے دو پیالے طاہر کو بھی مرحمت کئے اور اپنے سامنے بیٹھنے کی اجازت دی۔ طاہر نے باادب عرض کیا کہ "میرا منصب اس عزت کا مستحق نہیں ہے" ماموں نے کہا "یہ قیدیں دربار عام کے لئے مخصوص ہیں بے تکلفی کے جاسوں میں اس قسم کے قواعد کی پابندی ضرور نہیں" طاہر آداب بجالا کر بیٹھ گیا۔ ماموں نے اُس کی طرف نگاہ کی تو آنکھوں میں آنسو بھر آئے طاہر نے عرض کیا کہ اب کیا آرزو باقی رہی ہے جس کا حضور رنج کر سکتے ہیں؟ ماموں نے کہا کچھ ایسی بات ہے جس کے پوشیدہ رکھنے میں تکلیف اور ظاہر کرنے میں ذلت ہے۔ طاہر اُس وقت تو چپ ہو رہا مگر دل میں غلش پیدا ہوئی کہ آخر کیا بات ہے جہاں جو ماموں کا ساتھی اور ندیم خاص تھا۔ طاہر نے اس کو دو لاکھ درہم نذر نیچے اور درخواست کی کہ اُس دن کے واقعہ کا سبب دریافت کر دے جہاں نے موقع پا کر پوچھا۔ ماموں نے کہا۔ اگر یہ بات آگے بڑھی تو تیرا سراپا دوں گا گاچ یہ ہے کہ جب طاہر میرے سامنے آتا ہے۔ تو بھائی! میں کا ذلت و بکیسی سے مارا جاتا ہوں آتا ہے "میرے ہاتھ سے نور طاہر کو کسی دن ضرور چھوچے گا" طاہر کو یہ بات معلوم ہوئی تو احمد بن ابی خالد الماحول کے پاس گیا۔ حسن بن سہل کے بعد وزیر اعظم مقرر ہوا تھا۔ اور کہا کہ تم جانتے ہو کہ میں احسان فرماؤں میں نہیں ہوں اور میرے ساتھ بھلائی کرنی فائدے سے خالی نہیں۔ میں تم سے صرف اتنا چاہتا ہوں کہ ماموں کی آنکھ سے دور رہوں۔ احمد بن ابی خالد نے اُس کا فہم لیا۔ اور دو سو سے زائد صبح کے وقت ماموں کے پاس حاضر ہوا۔ چوٹکے چہرہ سے قروار پریشانی نمایاں تھی ماموں نے

پوچھا کیوں دیکھا کوئی نئی بات ہے، احمد حضور مجھے تو ساری رات نیند نہیں آئی ماموں
آخر کیوں۔ (احمد) میں نے سنا کہ حضور نے خراساں کی حکومت عسان کو دی جس کے ساتھ
سٹی جبر آدمی سے زیادہ نہیں ہیں۔ اگر سرحد کے ترکوں نے حملہ کیا تو کیا عسان اُن کو روک سکیگا۔
ماموں! یہ خیال تو مجھ کو بھی تھا۔ اچھا تم کسی کو تجویز کرے ہو، احمد، طاہر ذوالیمینین سے بہتر
نہیں شخص انتخاب ہو سکتا ہے ماموں، مگر اُس کے خیالات تو باغیانہ ہیں۔ اور وہ تقضیعت
پر آمادہ ہے (احمد) اس کا میں ذمہ دار ہوں (ماموں) اچھا تو تم اپنی ذمہ داری پر مقرر کرو۔ طاہر
طلب ہوا اور سند حکومت کے ساتھ ایک کمر و طور سمجھی جو غوما خراسان کے گورنروں کو
ملنے تھے۔ عطا ہوئے۔ طاہر نے ایک مہینہ میں ساز و سامان سفر درست کیا اور ۲۹
دوقعدہ شہرہ ہجری کو خراسان روانہ ہوا۔ طاہر کا بیٹا اُس کے بعد صاحب الشرحہ مقبول
ہوا۔ لیکن بخوبی ہی دونوں میں اُس کی ذاتی لیاقت نے مصر کی گورنری پر پہنچا دیا تقریباً
کے وقت ماموں نے اُس کو اپنے ساسے بلایا اور کہا کہ دو یوں تو ہر شخص اپنی اولاد کی نسبت
حسن ظن رکھتا ہے۔ لیکن طاہر نے جو کچھ تباری تعریف میں کہا اُس سے کم کہا جس کے
قد و اصل تھی جو طاہر نے یہ مشورہ سنا تو بیٹے کو ایک نہایت مفصل خط لکھا۔ جو آمین
مکھوت۔ انتظامات ملکی۔ رفاہ رعایا کے متعلق ایک نہایت مدبرانہ و سترا عمل تھا
یہ نہ اس سے نہ یہ مقبول عام ہوا۔ اکتسام بدوؤں نے اُس کی نقلیں لیں۔ خود ماموں نے
اُس کی باضابطہ نقلیں عموماً احکام سلطنت کے پاس پہنچائیں۔ اور کہا کہ طاہر نے دنیا
دوین۔ و تدبیر۔ و راستے۔ و سیاست۔ و اصلاح ملک۔ و حفاظت سلطنت و قیام
خلافت کے متعلق کوئی بات اُٹھا نہیں رکھی۔

عبدالرحمن بن احمد کی بغاوت ۲۰۶ھ

انہی بغاوت نہ چسپنداں جیاجی بہت پرزور تھی۔ لیکن وہ اس لئے زیادہ یاد

رکنے کے قابل ہے۔ کہ اُس سے مامون کی تاریخ زندگی میں ایک نیا انقلاب شروع ہوتا ہے
 یمن کے لوگ عامل کی بے اعتدالیوں سے باغی ہو گئے تھے۔ اُن کو ایک صاحبِ شر
 شخص سمجھ کر خلیفہ قرار دیا۔ مامون نے وکیل بن عبد اللہ کو مقابلے کے لئے بھیجا۔ لیکن ایک
 معاہدہ امن بھی نکھ کر دے دیا کہ اگر عبد الرحمن قبول کرے تو طائف کی کچھ ضرورت نہیں
 زمانہ حج میں وکیل یمن کو روانہ ہوا۔ اور معاہدہ امن عبد الرحمن کے پاس بھیج دیا عبد الرحمن
 نے خود دینار کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اور بغداد چلا آیا۔ مامون سادات کی یتیم بھاؤ توں
 سے نہایت تنگ آگیا تھا۔ اب اُس نے ۲۴ ذی قعدہ ۳۱۸ ہجری کو حکم دیدیا کہ عموماً۔
 آل علی اپنا امتیازی لباس چھوڑ کر سیاہ لباس اختیار کریں۔ اور آج سے دربار میں نہ
 آنے پاویں۔ مامون کو اس خاندان سے جو بے لاگ محبت تھی سیاست مکی نے اس
 کو اس صورت میں بدل دیا۔ جس کی تاریخ ۲۴ ذی قعدہ سے شروع ہوتی ہے۔

ذوالیمنین طاہر کا وفات پانا۔ روز شنبہ جمادی الثانی

۳۱۸ ہجری مقام مرو۔

مامون نے اگرچہ احمد بن ابی خالد کی ذمہ داری پر طاہر کو خراسان ایسے بڑے صوبے
 کی حکومت ویدی تاہم وہ اُس کی طرف سے مطمئن نہ تھا۔ طاہر خراسان کو روانہ ہوتے ہوئے
 جب مامون سے رخصت ہوئے گئے۔ تو مامون نے ایک خاص غلام اُس کے ساتھ کر دیا
 جس کی نسبت طاہر کو یہ یقین دلایا کہ اُس کی کارگزاریوں کا صلہ ہے۔ مگر وہ پروہ غلام کو ہدایت
 کی تھی۔ کہ اگر طاہر کے خیالات۔ بغاوت کی طرف مائل دیکھے تو زہر دیدے۔ خراسان پہونچ کر غالباً
 طاہر نے بغاوت کا ارادہ کیا مگر مورخین اس کا کوئی عملی ثبوت مجزئہ نہیں پیش
 کرتے کہ ایک جمعہ میں طاہر نے خطبہ میں مامون کا نام نہیں پڑھا بلکہ شوم بن ثابت خراسان
 کا پرچہ نویس اس موقع پر موجود تھا۔ اُس نے گھبراہٹ میں آکر غسل کیا۔ اور کفن پتھر لیا۔

کو اس واقعہ کی عرضی لکھی۔ اس کو یقین تھا کہ طاہر کو بھی ضرور اس مال سے خبر ہوگی۔ اور وہ اس کو زندہ نہ چھوڑے گا۔ ماموں نے عرضی پڑھی تو احمد بن ابی خالد کو بلا بھیجا اور کہا کہ یہی وقت خراسان روانہ ہو۔ احمد نے بڑے اصرار سے رات بھر کی مہلت لی۔ تھوڑی دیر کے بعد دوسرا چپہ پہنچا کہ طاہر نے دفعتاً انتقال کیا۔ احمد کا جانا ملتوی رہ گیا۔ طاہر کو جمعہ کے دن بخار چڑھا۔ ہفتہ کی صبح کو لوگ عیادت کے لئے گئے تو دربانوں سے معلوم ہوا کہ آج خلافت معمول ابھی تک خوابگاہ میں ہے۔ زیادہ دیر ہوئی تو لوگ اندر گئے طاہر سر سے پاؤں تک کپڑے میں لپٹا ہوا مردہ پڑا تھا بعضوں کا بیان ہے کہ ہلکوں میں کچھ غارتہ پیدا ہوا جس سے وہ دفعتاً گر پڑا اور مر گیا۔

ماموں نے طاہر کے بعد اس کے بیٹے طہلو کو خراسان کی حکومت دی دوسرے بیٹے عبد اللہ کو بھی معزز عہدے دئے۔ طاہر کی تین پشتوں یعنی خود طاہر و عبد اللہ بن طاہر و عبد اللہ بن عبد اللہ نے دولت عباسیہ میں بڑا اقتدار حاصل کیا۔ ہم کو اس میں کچھ شبہ نہیں کہ طاہر کو زہر دیا گیا اور خود ماموں نے زہر دلوایا۔ لیکن اگر ماموں کی جگہ کوئی دوسرا بادشاہ ہوتا تو کیا کرتا۔ اگر اس نظیر کے لئے ہم دور نہ جائیں اور خود ماموں کے نامور باپ ہررون الرشید کی طرف نگاہ اٹھائیں تو کیا ثابت ہو گا اور ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے ایک خیالی الزام پر براکت کا وہ فیاض خاندان جس کی نظیر سے کل تاریخ اسلام خالی ہے ایک لحظہ میں دنیا سے ناپید کر دیا۔ لیکن ماموں نے جو کچھ کیا سیاست ملکی کے لحاظ سے اس کا ضروری فرض تھا۔ تاہم اس کے خاندان سے کچھ تعرض نہ کیا بلکہ اس کی اطاعت

سے معذرت عیون و الحمد للہ۔ کامل۔ ابن خلدون۔ ابو الفدا۔ کسی نے نہیں لکھا کہ طاہر کیوں کر مرا۔ مگر عربی مؤرخین کی یہ عام عادت ہے کہ وہ واقعات کو بالکل سادہ لکھتے ہیں اور اس بات سے بحث نہیں کرتے صرف ابن خلکان ایک شخص ہے۔ جس نے اس واقعہ کی پوری تفصیل لکھی ہے۔ اور چونکہ اس نے نہایت معتبر تاریخ کا یعنی ہررون بن عباس بن مامون الرشید کی تاریخ کا حوالہ دیا ہے۔ میں نے اس موقع پر جو کچھ لکھا ہے اس سے تمکنت ہے۔ دیکھو تاریخ ابن خلکان۔ ترجمہ۔ طاہر ۱۲۸ منہ

کو اس رتبہ پر پہنچایا کہ کچھ زمانے کے بعد خراسان میں اُن کی مستقل حکومت قائم ہو گئی۔ ماموں کے پاس جب طاہر کے مرنے کی خبر آئی تو اُس نے کہا کہ ”خدا کا شکر ہے جس نے طاہر کو مجھ سے پہلے بلایا“ اس بات سے بھی ظاہر ہے کہ طاہر کی بغاوت کا اُس کو کافی یقین ہو چکا تھا۔ اس کتاب کے دوسرے حصے میں معلوم ہو گا کہ ماموں ملک کے ہر ایک جزئی حالات سے کس قدر واقفیت رکھتا تھا۔ اور اس وجہ سے اُس کی رائے اُن معاملات میں نہایت وقعت کے قابل ہے۔

افریقہ۔ اور منصور بن نصیر کی بغاوت

۲۰۸ھ ہجری

افریقہ کو ممالک اسلامیہ میں داخل ہونے قریب سو برس گزر چکے تھے مگر عہد فتح سے آج تک ہمیشہ خطرناک بغاوتیں برپا رہیں۔ یہاں کی آب و ہوا میں پہلے بھی اطاعت کا مادہ نہ تھا۔ اور قبائل عرب کے لمبانے سے جو ایک مدت سے ان اطراف میں جا کر آباد ہوتے جاتے تھے۔ اُن کی سرکشی اور بھی بڑھ چلا اور تیز ہو گئی تھی۔ یہاں کا جو خراج تھا وہ یہیں کے امن و انتظام قائم رکھنے میں صرف ہوتا تھا۔ بلکہ مصر کے خزانے سے اور پانچ لاکھ روپیہ سالانہ منگائے پڑتے تھے۔

۱۸۴ھ ہجری میں ہرون الرشید نے ابراہیم بن الاغلب کو افریقہ کا گورنر مقرر کیا تھا جس نے افریقہ سے چالیس ہزار دینار بطور خراج کے دینے منظور کئے تھے۔ ابراہیم نے نہایت نیک نامی کے ساتھ حکومت کی۔ اور پھر افریقہ کی گورنری اُس کے خاندان کا موروثی ترکہ ہو گیا چنانچہ ماموں کے زمانہ میں جو شخص اس منصب پر ممتاز تھا۔ وہ ابراہیم کا نامور فرزند زیادۃ اللہ تھا۔ ۲۰۸ھ ہجری میں ٹونس میں ایک تازہ بغاوت کی ابتدا ہوئی۔ جس کا بانی منصور بن نصیر تھا۔ زیادۃ اللہ نے ایک افسر کو جس کا نام محمد بن حمزہ تھا تین سو سواروں کے کر بھیجا

کہ دفعتاً ٹونس پہنچ کر منصور کو گرفتار کر لائے۔ لیکن محمد کے پہنچنے سے پہلے منصور کو خبر ہو گئی۔ اور وہ طغیہ چلا گیا۔ محمد کو ٹونس میں بالکل ناکامی ہوئی۔ اب اُس نے یہاں کے قاضی کو منصور کے پاس بطور سفارت کے بھیجا۔ چالیس اور بڑے بڑے ثقات قاضی صاحب کے ساتھ گئے کہ وعظ و ہند کافسوں پہنچ کر منصور کو مسخر کر لائیں۔ مگر منصور ان ساوہ دل ملاؤں سے زیادہ چالاک تھا۔ اُس نے قاضی صاحب سے کہا کہ ”میں تو قدیم نمکخوار ہوں۔ آج کی رات آپ حاضر قبول فرمائیں۔ کل میں خود آپ کے ہمراہ چلوں گا۔“ منصور نے محمد کو بھی دعوت کے کھانے اور فواکہ بھیجے اور نکھا کہ کل قاضی صاحب کے ساتھ شرف خدمت حاصل کروں گا۔ محمد اور اُس کی مختصر فوج نے نہایت اطمینان کے ساتھ دعوت کے مرنے اڑائے۔ اور خوب شراہیں پیں ہنوز خمار نہیں اُتر ا تھا۔ کہ دفعتاً طبل جنگ کی مہیب آواز نے ان بدستوں کو چونکا دیا۔ اُسٹے تو منصور ایک جمعیت کثیر کے ساتھ سر پر موجود تھا۔ محمد کی فوج نے بھی ہتھیار سنبھالنا چاہا۔ مگر اعضاء قابو میں نہ تھے۔ تاہم ایک سخت معرکہ ہوا اور ساری رات لڑائی رہی۔ محمد کی فوج بالکل قتل ہو گئی۔ صرف وہ لوگ بچ گئے جو دریا میں کود پڑے اور تیر کر اُس پار نکل گئے ٹونس میں جو شاہی فوج تھی اُس نے بھی منصور کی خدمت میں حاضر ہو کر اطاعت پر آمادگی ظاہر کی۔ مگر اس اندیشہ سے کہ آئندہ منصور اگر زیادۃ اللہ سے مل گیا تو وہ کسی طرف کے نہ ہوں گے۔ یہ شرط پیش کی کہ آپ زیادۃ اللہ کے کسی عزیز کو قتل نہ کرادیجئے۔ اسمعیل کے قتل سے جو زیادۃ اللہ کا رشتہ دار اور ٹونس کا عامل تھا۔ یہ خواہش پوری کر دی گئی۔ ٹونس کے اصلاخ میں منصور کی قوت و فزائوں ترقی کر رہی تھی۔ اور اس وجہ سے ضرور تھا کہ زیادۃ اللہ بھی برابر کی طاقت سے اُس کا مقابلہ کرے۔ اُس نے اپنے وزیر خاص غلیوں کو اس مہم کے لئے انتخاب کیا۔ مگر وہیں ریح الاول کو جو مسرکہ ہوا۔ اُس میں غلیوں نے شکست کھائی اور فوج جو ساتھ تھی باغیانہ افریقہ کے مختلف شہروں میں پھیل گئی۔ غلیوں کو شکست دیکر منصور کے جو صلے بلند ہو گئے۔ اُس نے خود زیادۃ اللہ کی دارالحکومت قیروان کو جاگیر ۴۰ ہون تک محاصرہ رہا اور بڑے بڑے معرکے ہوئے۔ مگر آخر لڑائی میں جوہر جادی الشانی

کو پیش آئی زیادۃ اللہ اس سرور سامان سے نکلا کہ منصور نے پہلے ہی ہمت ہار دی۔ مقابلہ ہوا۔ لیکن نتیجہ جنگ وہی تھا۔ جو منصور کے خیال میں چونکہ محاصرہ کے زمانہ میں قیروان والے منصور سے مل گئے تھے زیادۃ اللہ نے اب ان سے انتقام لینا چاہا۔ لیکن علما اور فقہا بیچ میں پڑے اور اس کو اس ارادے سے باز رکھا۔ تاہم عبرت کے لئے قیروان کی شہر بچاؤ بالکل برباد کر دی گئی۔

اگرچہ منصور خود شکست کھا کر قیروان سے چلا گیا۔ مگر اس کے سرداروں نے افریقہ کے اکثر اضلاع و باغیے۔ ان میں سے ایک شخص عامر بن نافع تھا جس نے سبیر پر قبضہ کر لیا تھا۔ سلمہ جبری میں زیادۃ اللہ نے محمد بن عبد اللہ اپنے ایک عزیز کو اس کے مقابلے پر بھیجا۔ محمد کو ایک سخت معرکہ ہوا۔ محمد نے شکست کھائی اور قیروان کو الٹا واپس آیا۔ اس اثنا میں منصور نے دوبارہ قوت حاصل کی اور چونکہ فوج جو منصور کے ساتھ تھی۔ اس کے اہل و عیال قیروان میں رہ گئے تھے اس نے پھر قیروان کا محاصرہ کیا۔ ۱۰ دن محاصرہ رہا۔ اگرچہ کوئی لڑائی نہیں ہوئی مگر منصور اپنے مقصد میں کامیاب ہوا۔ اہل فوج کے عزیز و اقارب قیروان سے نکل آئے۔ اور اپنے عزیزوں سے اکٹرا کر منصور بھی ٹونس کو واپس چلا آیا۔ افریقہ کے اکثر اضلاع زیادۃ اللہ کے ہاتھ سے نکل گئے۔ خود شاہی فوج نے جو منصور کے ساتھ ہو گئی تھی۔ زیادۃ اللہ کو مغرور و پیغام کہلا بھیجا کہ جو تدبیر تم کو جانبر کر سکتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ تم افریقہ سے او کہیں چلے جاؤ۔ اس سعادت کے صلے میں ہم تمہاری جان سے کچھ نعمتیں نکلنے کے چند اتفاقی واقعات نے اگر مساعدت نہ کی ہوتی تو آل اغلب کا خاتمہ ہو چکا ہوتا۔ مگر سلمہ جبری میں عامر جو منصور کا دہن ہاتھ تھا۔ خود منصوبے ناراض ہو گیا۔ اور بالا آخر اس کو قتل کرادیا۔ یہ محسن کشت بھی کچھ زیادہ نہ بھلا۔ دو ہی تین برس کے بعد قضا کی۔ اور زیادۃ اللہ کے لئے افریقہ کی حکومت بے غلش چھوڑ گیا۔ زیادۃ اللہ کو ان واقعات نے بالکل مطمئن کر دیا۔ اس نے کچھ عجب نہیں کہا کہ وہ اب لڑائی نے اپنے ہتھیار۔ کھدے۔

نصر بن شمیث کا گرفتار ہونا ۲۰۹ھ

نصر حلب کے شمال میں کیسوم کے علاقہ کا رہنے والا تھا۔ اور امین الرشید کا نہایت جان نثار دوست تھا۔ محاصرہ کے زمانہ میں تو امین کی کچھ مدد نہ کر سکا۔ لیکن امین کے قتل کے بعد علانیہ بغاوت ظاہر کی۔ اور چونکہ عرب کے بعض قبائل اور بہت سے خاندان بدوش بدو بھی اُس کے ساتھ ہو گئے۔ اُس نے حلب و میسلا وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ حسن بن سہل نے طاہر کو جو حال ہی میں بغداد کی فتح کا فخر حاصل کر چکا تھا۔ اُس کے مقابلے کے لئے بھیجا۔ ایک سخت جنگ کے بعد طاہر نے شکست کھائی۔ اور رقبہ کو واپس لیا۔ ۲۰۹ھ ہجری میں جزیرہ کے تمام اضلاع نصر کے قبضہ اقتدار میں آ گئے۔ اور ۲۱۰ھ تک اُس کی بغاوت شاہی قوت کی حریف مقابل رہی۔ ۲۱۰ھ ہجری میں جب طاہر رقبہ سے چلا آیا تھا تو اُس کا بیٹا عبداللہ اس مہم پر مامور ہوا۔ لیکن چار برس کی متواتر کوششوں نے بھی کوئی نتیجہ نہیں پیدا کیا۔ ۲۱۰ھ ہجری میں ناموں نے محمد عامری کو نصر کے پاس سفیر کر کے بھیجا نصر نے گواطاعت پر آمادگی ظاہر کی مگر شرطیں وہ پیش کیں۔ جو ماموں کے نزدیک بغاوت کی سرکشی سے کچھ کم نہ تھیں۔ پہلی شرط یہ تھی کہ میں دربار میں حاضر نہ ہوں گا۔ ماموں نے اُس کے قبول کرنے سے بالکل انکار کیا۔ محمد عامری واپس گیا۔ اور نصر سے کہا کہ ماموں کو تہا ہی حاضری ہی پر زیادہ اصرار ہے۔ نصر دفعتاً بھلا اٹھا اور کہا کہ ”چند مہینہ کون رقوم زطیٰ چرس کا زور نہ چل سکا۔ اُس کے آگے عرب کے ہزاروں جانباز کمبو نکر سر جھکا سکتے ہیں۔ لیکن نصر کا یہ غرور قائم نہ رہا۔ عبداللہ بن طاہر نے اُس کو اتنا تنگ کیا کہ کسی شرط کے ہتھیار رکھ دئے۔“

ابن عائشہ و مالک کا قتل و ابراہیم کی گرفتاری ۲۱۰ھ

ابراہیم جس نے بغداد میں علم خلافت بلند کیا تھا۔ گودت سے روپوش ہو گیا تھا۔ لیکن

اُس کے قدیم رفقاء اب بھی اپنی کوششوں میں سرگرم تھے اور چاہتے تھے کہ ابراہیم کو دو بارہ تحت خلافت ولایتیں۔ اماموں کو اس سازش کی بہت جلد اطلاع ہو گئی۔ اور صفر سنہ ہجری میں یہ سب گرفتار کر لئے گئے۔ ابن عائشہ و مالک اس جماعت کے سرگروہ تھے۔ ان لوگوں نے ایک بڑی فہرست طیار کر کے اماموں کی خدمت میں بھیجی کہ۔ اور بہت سے لوگ اس کوشش میں ہمارے ساتھ ہیں لیکن اماموں نے اس خیال سے کچھ التفات نہ کی کہ شاید اپنے ساتھ دوسروں کو بھی گرفتار کرانا چاہتے ہیں۔ باغی قید خانے بھیج دئے گئے مگر وہاں بھی نچلے نہ بیٹھے۔ ایک دن اندر سے چاروں طرف کے کواڑ بند کر دئے اور چاہا کہ دیوار توڑ کر باہر نکل جائیں۔ اماموں کو خبر ہوئی تو خود جیل خانہ پہنچ کر ابن عائشہ کے سوا سب کو قتل کر دیا۔ ابن عائشہ۔ ہاشمی تھا۔ اس لئے یہ امتیاز رکھا گیا کہ بجائے قتل کے اُس کو سولی دی گئی۔ لیکن اس کے ساتھ یہ قاعدہ ٹوٹ گیا۔ کہ اب تک کسی ہاشمی نے پچھانسی پانے کی ذلت نہیں اٹھائی تھی۔

یہ واقعہ ابراہیم کی گرفتاری کا ویسا ہی تھا۔ خود ابراہیم کی زبانی منقول ہے کہ ”اماموں جب عراق پہنچا تو لاکھ درہم کے انعام پر اُس نے میری گرفتاری کا اشتہار دیا۔ میں نے خیال کیا کہ اب بغداد میں جان کی خیر نہیں۔ گرمی کے دن تھے۔ اور عقیق دو پہر بھی تھی کہ میں گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ مگر یہ کون بتا سکتا تھا کہ کہاں جاؤں ایک گلی میں پہنچا۔ لیکن اُس کی دوسری طرف راستہ نہ تھا۔ اب نہ آگے بڑھ سکتا تھا نہ آٹا پہرہ سکتا تھا۔ اسی اضطرار میں ایک مکان نظر پڑا جس کے دروازے پر ایک حبشی غلام بیٹھا تھا۔ میں نے بڑھ کر اُس سے التجا کی کہ ”ذرا دیر کے لئے اپنے مکان میں جگہ دے سکتے ہو؟“ اُس نے نہایت خوشی سے منظور کیا۔ اور مجھ کو ایک کمرہ میں لیجا کر بٹھایا۔ جو عمدہ اور بیش بہا ساز و سامان سے مزین تھا۔ لیکن چونکہ خود باہر چلا گیا۔ اور کواڑ بند کرنا لگا۔ میری تازہ امید چرباس سے بل گئی کہ غلام میرے گرفتار کرانے کو پولیس کے پاس گیا ہے۔ میں اسی بیچ و تاب میں تھا کہ اسی نے کواڑ کھولے۔ اور ایک مزدور کے ساتھ مکان میں داخل ہوا۔ میں نے

مہر آئینہ تعجب سے دیکھا کہ وہ گوشت - دیگھی - کورے - پیالے - اور تمام ضروری چیزیں اپنے ساتھ لایا ہے۔ اُس نے یہ تمام سامان میرے سامنے حاضر کئے۔ اور کھڑے ہو کر دست بستہ بعض کی کہ میں ذات کا حجام میری جرات نہیں کہ اپنے گھر کا پکتا ہوا کھانا حضور کی دعوت میں حاضر کروں۔ اس لئے بازار سے سب نئی چیزیں مول لایا ہوں۔ اب حضور جو پسند فرمائیں۔

میں نے خود کھانا طیار کیا۔ اور خوب میرے ہونے پر اُس نے مجھ سے پوچھ کر شراب حاضر کی اور کھڑے ہو کر کہا کہ اگر اجازت ہو تو میں بھی ایک کنارے بیٹھ جاؤں۔ اور حضور کی تعریف خاطر کے لئے وہ رہی سے دو شراب میں شریک ہوں۔ میں نے اجازت دی۔ شراب کا دور چلتا رہا۔ ذرا دیر کے بعد وہ ایک نے اٹھ لیا۔ اور دست بستہ کہا کہ میرا یہ منصب نہیں کہ حضور سے گانے کے لئے عرض کروں۔ لیکن حضور کا فیاض اخلاق خود میری آرزو کو پورا کر سکتا ہے۔ میں نے تعجب سے پوچھا کہ تم نے کیوں کر معلوم کیا کہ میں اس لطیف فن سے واقف ہوں۔ اُس نے کہا یہ سبحان اللہ کیا حضور چھپائے چھپ سکتے ہیں۔ کیا حضور کا اسم مبارک ابراہیم نہیں ہے۔ کیا بغداد کے تخت نے حضور کے قدموں سے عزت نہیں حاصل کی۔ مامون الرشید نے کس کے لئے لاکھ درہم کا اشتہار دیا ہے۔

یہ سنکر میں حیرت زدہ ہو گیا۔ اور دل میں کہہا کہ یہ غلام بھی خدا کی عجیب قدرتوں کا ایک نمونہ ہے۔ میں نے ایسے فیاض میزبان کا رنجیدہ کرنا خلاف انسانیت سمجھا اور نئے کے ساتھ حسب حال کچھ اشعار گائے۔ غلام بدست ہو گیا۔ مزے میں آکر خود بھی گانا شروع کیا۔ اور اس درد سے گایا کہ درد و یواریں اُٹھے۔ میں تمام حضرات کو یک لخت بھول گیا۔ اور نہ رات کی کہ کچھ اور گایا۔ اُس نے نہایت دلکش آواز میں یہ اشعار گائے۔

۱۱۔ اس قصے کو کسی قدر اختلاط کے ساتھ خود یوسف کاتب نے جو ابراہیم کا خاص ندیم تھا اپنی ایک تصنیف میں جو صرف ابراہیم کے حالات میں لکھا ہے۔ دیکھو مروج الذهب مسعودی خلافت مامون - ۱۱۔

تعدینا انہ قلیل عدیدنا وہ ہم کو عیب نگاتی ہے کہ ہمارا شمار کم ہے وانا لقوم ممانی القتل سبیئہ وہ ہمارا لشکر عاصرو سلول لیکن ہم ایسا نہیں سمجھتے	فقلت لہا ان الکرام قلیل میں نے اُس سے کہا کہ بڑے لوگ کمی میں ہیں ادھما را لثۃ عاصرو سلول لیکن ہم ایسا نہیں سمجھتے
--	--

ان پر اثر شعروں نے میرے ہوش و ہواس بالکل کھود دیے۔ اور غفلت زدہ ہو کر سو گیا جاگا تو شام ہو چکی تھی۔ میں نے حبیب سے ایک تھیلی نکالی اور غلام کو یہ کہہ کر دینا چاہا کہ ”تو خدا حافظ۔ سروسٹ یہ حقیر پیشکش قبول کرو۔ خدا نے اگر وہ دن کیا کہ میری بد قسمتی اقبال مندی سے بدل گئی تو میں تمہارے احسانات کا کافی صلہ دے سکوں“ غلام نے نہایت رغبت سے ہو کر کہا: ”انسوس غریب آدمی آپ لوگوں کی نگاہ میں نہایت حقیر مخلوق ہے مجھ کو حضور کی ذرہ نوازی سے جو عزت ملی۔ کیا میں اس کو درجہ و دینا کے عیوض بیچ سکتا ہوں۔ خدا کی قسم یہ الفاظ دوبارہ سننے کی میں طاقت نہیں رکھتا۔ اور اگر آپ مکر فرمائیں گے تو میں اپنی حقیر زندگی کو قربان کر دوں گا“ میں نے ندامت کے ساتھ اپنا بے موقع عطیہ واپس لیا۔ اور چاہا کہ غلام سے رخصت ہوں۔ لیکن اُس نے عاجزانہ لہجہ میں کہا کہ ”میرے آقا آپ یہاں زیادہ امن و آرام کے ساتھ رہ سکیں گے۔ کچھ دنوں اور صبر کیجئے۔ یہ فتنہ فرو ہوئے تو حضور کو اختیار ہے“ میں چند روز اور اُس کے مکان پر مقیم رہا لیکن اس خیال سے کہ میرا مینہ بان میرے مصارف کی وجہ سے گرا نبار ہوا جاتا ہے۔ چپکے سے نکل کھڑا ہوا اور اچھائے حال کیلئے زنانہ لباس پہن لیا۔ تاہم راہ میں ایک فوجی سوار نے مجھ کو پہچان لیا اور چلا کر لپٹ گیا کہ ”لینا ماموں کا اشتہاری جانے نہ پائے“ میں نے پوری قوت سے اس کو پرے دھکیل دیا۔ وہ ایک گڈھے میں جا پڑا۔ اور بازار کے آدمی شور و غل سن کر ہر طرف سے دوڑ پڑے۔ میں بھرتا پا کر بھاگتا ہوا اُس پار جا ہونچا۔ اور ایک عورت سے جو اپنے مکان کے دروازے پر کھڑی تھی۔ درخواست کی کہ ”میری جان بچاؤ۔ اُس نے نہایت خوشی سے میرا استقبال کیا۔ لیکن بد قسمتی سے یہ نیک دل عورت اُسی سوار کی جو روٹھ کر مجھ سے میرا پردہ فاش کرنا چاہتا تھا۔ ورنہ کے بعد وہ جیسے سوار آہونچا۔ مکان میں گھسنے لگے۔

ساتھ اُس کی نگاہ مجھ پر پڑی۔ اور بیوی کو الگ لیجا کر ساری داستان سنائی تاہم اُس فیاض عورت نے مجھ کو آکر تسکین دی کہ حبیب تک میں ہوں۔ آپ کو کچھ ضرر نہ پہونچے گا۔ میں یقین دن تک اُس کا مہمان رہا۔ لیکن چونکہ شوہر کی جانب سے اُس کو اطمینان نہ تھا۔ چوتھے دن مجھ سے کہا کہ افسوس میں آپ کی حفاظت کا ذمہ نہیں اٹھا سکتی۔ مجھ پرانہ وہاں سے بھی نکلنا پڑا۔ اس اضطراب میں مجھ کو اپنی ایک کنیز خاص یاد آئی۔ میں سیدھا اُس کے مکان پر گیا۔ مجھ کو دیکھ کر باہر نکل آئی۔ اور روتی ہوئی آواز اور ریائی آنسوؤں سے میرا استقبال کیا۔ تھوڑی دیر تک غواری کی باتیں کرتی رہی پھر باہر چلی گئی۔ میں نے بغیر کسی تردد کے خیال کیا کہ دعوت کے اہتمام میں جاتی ہے۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد جو تھوڑے میرے لئے بازار سے لائی۔ وہ پولیس کے خونخوار سپاہی تھے۔ میں اُس وقت تک زمانہ لباس میں تھا اور اسی پہنیت میں گرفتار ہو کے ماموں کے دربار میں حاضر کیا گیا۔ سامنے پہونچا تو دربار کے قاعدے کے موافق سلام کیا۔ ماموں نے کہا: خدا تیرا بڑا کرے میں نے کہا: امیر المومنین ذرا ٹھہر جا۔ میں بے شبہ سزا کا مستحق ہوں۔ لیکن تقوے عفو کا باعث ہے میرا گناہ ہر گناہ سے بڑھ کر ہے۔ لیکن تمام فیاضیاں تیرے رتبے سے فرد تریں۔ اگر تو مجھ کو سزا دے تو تجھ کو حق ہے۔ اور اگر بخش دے تو نوازش ہے پھر میں نے یہ اشعار پڑھے۔

ذنبی الیاب عظیم	وافت اعظم منہ
میرا گناہ بڑا ہے	لیکن تو اُس سے بالاتر ہے
فخر مذبح قات او لا	فاسف محامک عنہ
اپنا حق ہے	یا اپنے علم کی وجہ سے درگند
ان لم اکن فی فعال	من الکرام فکنہ
اگر میرے کام شریعتاً نہ ہوں	تو آخر تیرے تو ہونے چاہئیں

میرے عاجزانہ فقرے اور پر تاثیر اشعار ماموں کے دل پر قبضہ پاتے جاتے تھے محبت سے میری طرف نگاہ لی۔ میں نے چند اور شعروہ و ناک لہجہ میں پڑھے۔ اُس کا دل بھر آیا

اور ارکان دولت کی طرف مخاطب ہوا کہ ”کیا رائے ہے“ سب نے متفق اللفظ کہا ”قتل“ مگر محمد بن ابی خالد وزیر اعظم نے عام رائے کے خلاف شفاعت کی اور کہا کہ تاریخ میں ایسی مثالیں بہت موجود ہیں کہ بغاوت کے جرم پر قتل کا حکم دیا گیا لیکن اسے امیر المومنین اگر تو بخش دے تو ہم تیری فیاضی کی نظیر پچھلی تاریخوں میں بھی نہیں دیکھا سکیں گے۔ ماموں نے سر جھکا لیا اور شعر پڑھا۔

قائد اسر میقیم یصیبہ

قومی ہم قتلوا امیم اخی

میرے بھائی امیم کو میری قوم نے قتل کیا

میں اگر ان پر تیرے ملاؤں تو مجھے ہی کوئی گنا

میں نے دفعتاً چہرے سے نقاب اٹھ دی اور چلا آٹھارہ سالہ اکبر۔ خدا کی قسم امیر المومنین نے بخشہ دیا ماموں سجدہ میں گرا۔ اور دیر تک سر سجدہ رہا۔ پھر مجھ سے مخاطب ہوا اور کہا کہ بد چچا جان آپ ہاتھ ہیں۔ میں نے کیوں سجدہ کیا میں نے عرض کیا کہ ”شاید میری اطاعت پر“ ماموں نے کہا ”نہیں بلکہ اس بات پر کہ خدا نے تجھ کو عفو کی توفیق دی“ ماموں نے پھر میری ساری داستان سنی۔ اور غلام۔ عورت۔ کنیز۔ کو طلب کر کے غلام کا ہزار دینار سالانہ مقرر کر دیا۔ عورت کو بھی انعام عطا کیا۔ لیکن کنیز کو اپنی توقع کے خلاف خیر خواہی کا کچھ صلہ نہ ملا۔ بلکہ اٹنی سزا پائی۔

مصر و اسکندریہ کی بغاوتیں پہلی بھری

۳۳۰ء میں عبید اللہ سری مصر کا عامل مقرر ہوا تھا۔ اگرچہ نہایت رعب و اب اور حسن انتظام کے ساتھ حکومت کی مگر امید سے زیادہ کامیابی نے خود سری کا خیال پیدا کر دیا ظاہر کا نامور سردار عبد اللہ اس کے مقابلہ پر مامور ہوا۔ مصر حبیب ایک منزل رہ گیا تو اس نے ۳۳۱ء ابن دینار کا نائب عباسی کی تاریخ میں اس فقرہ کو کسی قدر تغیر کے ساتھ ماموں ہی طرف منسوب کیا ہے اور لکھا ہے کہ کسی شخص نے ابراہیم کی شفاعت نہیں کی۔

۳۳۵ء ویکوٹار الاوراق بحاشیہ مستطرف صفحہ ۳۳۵ کامل بن الاثیر۔ اخانی۔ ابن خلدون وغیرہ میں ابراہیم کی گرفتاری کے حالات مختلف طریقوں سے بیان کئے گئے ہیں۔ ۱۰

ایک سردار کو قحطی سی فوج دے کر آگے روانہ کیا۔ کہ پڑاؤ کے لئے کوئی محفوظ مقام معین کر لکھے
 عبید اللہ سری نے یہ خبر پا کر دفعتاً سردار پر چھاپہ مارا لیکن اُس نے نہایت استقلال سے مقابلہ
 کیا اور ایک قاصد دوڑا دیا کہ عبید اللہ کو جا کر خبر کرے۔ عبید اللہ عین وقت پر پہونچا۔ عبید اللہ ایسا
 ناواں نہ تھا کہ اب بھی جنگ قائم رکھتا۔ سیدھا مصر کو واپس گیا۔ اور شہر بنیہ کے دروازے
 بند کر دئے۔ عبید اللہ نے شہر کا محاصرہ کیا۔ کچھ بہت دن نہیں گزرنے پائے تھے کہ عبید اللہ
 نے انجام کار پر غور کر کے سپرد الدی اور عبید اللہ کی خدمت میں ایک گرانہا تحفہ جس کو رشوت کہنا زیادہ
 بجا ہے ارسال کیا۔ یہ بیش قیمت تحفہ جس میں ہزار نوڈی سلام اور ہر ایک کے ہاتھ میں
 ہزار ہزار اشرفیاں تھیں گو قصداً رات کے وقت بھیجا گیا۔ لیکن عبید اللہ نے صاف انکار کیا
 اور کچھ بھیجا کہ اگر میں دن کو تیرا یہ قبول کر سکتا تو رات کو بھی تجھ کو انکار نہ ہوتا تا خط کے اخیر
 میں قرآن مجید کی یہ پُر عرب آیتیں لکھیں: ”ادجع الیم فلتا تیسیم بجود لا قبل لہم مہم
 تر جمہ“ تو اُن کی طرف واپس جا۔ میں ایک ایسا شکرے کر اُن پر آتا ہوں جبکہ
 وہ لوگ سامنا نہیں کر سکتے۔ اس غضبناک خط نے تنوار سے بڑھ کر کام دیا۔ عبید اللہ نے
 مجبور ہو کر امان طلب کی۔ مصر سے تو اطمینان ہوا۔ مگر ہنوز اسکندریہ کا مرحلہ باقی تھا۔ عبید اللہ کے زمانہ بغاوت
 میں اسپین سے دولت بنی امیہ کی ایک فوج آئی اور اسکندریہ پر قابض ہو گئی۔ لیکن عبید اللہ کی آمد
 نے اس کے حواس کھو دئے اور امن کی طالب ہو کر اسکندریہ سے نکل گئی۔ اب یہ ممالک فتنہ و فساد
 سے یک نخت پاک ہو گئے اور ہر طرف امن و امان ہو گیا۔

زریق کی بغاوت۔ اور سید بن انس کا مقتول

ہونا سلمہ ہجری

زریق عربی النسل تھا۔ اور سلمہ ہجری آرمینیا و آذربائیجان کا گورنر مقرر ہوا تھا۔ لیکن باغی ہو گیا۔ اور
 اپنی حکومت کے کل علاقے دبا لئے۔ سید بن انس جو موصل کا قنصل تھا۔ چند بار اُس سے
 معرکہ آرا ہوا۔ مگر فتح نہ حاصل کر سکا۔ سلمہ ہجری میں زریق نے ایک فوج کثیر ہتھیار کی

جو کم و بیش چالیس ہزار تھی۔ ایک بہادر شخص مدت سے زریق کے پاس نوکرتھا۔ اور لاکھ درہم سالانہ فقط اس بات کے پاتا تھا۔ کہ اُس نے سید کے قتل کا بیڑا اٹھایا تھا۔ قسم کھانی تھی۔ کہ جب سید کو دیکھ پائے گا۔ تنہا اُس کے قتل کی عزت حاصل کرے گا۔ اب زریق نے جو یہ فوج گراں سید کے مقابلہ پر بھیجی تو یہ بہادر شخص بھی ساتھ گیا۔ سید رٹائیوں میں ہمیشہ تنہا حملہ آور ہوتا تھا۔ اس معرکہ میں حریف کی فوج کو چالیس ہزار سے کم نہ تھی۔ مگر اُس نے اپنا طریقہ چھوڑنا پسند نہ کیا۔ اور تنہا اتنے بڑے لشکر پر حملہ آور ہوا۔ زریق کی فوج سے وہی بہادر شخص نکلا ہر ایک نے جان توڑ کر شجاعت کے جوہر دکھائے اور دونوں کے ایک ساتھ قتل ہونے نے یہ ثابت کر دیا کہ دونوں برابر کے حریف تھے

مامون محمد بن حمید طوسی کو موصل کی حکومت عطا کی۔ محمد ستمہ ہجری میں موصل پہنچا اور فوج شاہی کے علاوہ عرب کے بہت سے قبائل ساتھ لے کر جو ایک مدت سے موصل میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ سید بن انس کا فرزند محمد بھی جو برسوں سے باپ کے خون کا عوض لینے کے لئے بیقرار تھا۔ اس فوج کے ہمراہ گیا۔ زریق محمد کی آمد سن کر خود مقابلے کے لئے بڑھا اور مقام زاپ پر دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں۔ ایک سخت جنگ کے بعد زریق امن طلب کرنے پر مجبور ہوا۔ مامون نے اس فتح نمایاں کے صلح میں زریق کا تمام مال و اسباب محمد کو عنایت کیا مگر اُس نے زریق کی اولاد کو بلا کر سب واپس دے دیا اور کہا کہ میں اپنی طرف سے تم کو دیتا ہوں ۳ محمد نے آذر بایجاں پہنچ کر اُن تمام باغیوں کو بھی گرفتار کیا جو زریق کے نائب بن کر ان اصلاخ پر قابض تھے

بابک خرمی کی بغاوت

جاویداں ایک مجوسی تھا جو ایک غلام مذہب کا بانی ہوا۔ اور نہایت شہرت حاصل کی اُس کے مرنے پر بابک نام ایک شخص نے دعوت کیا کہ جاویداں کی روح میرے جسم میں آگئی ہے ۴ ستمہ ہجری میں اُس نے بڑی قوت حاصل کر لی اور اسلامی سلطنت کے زوال دے دیا ہوا۔ ستمہ ہجری میں عیسے دگورز آذر بایجاں و آرمینیا اس کے مقابلے پر مامور ہوا۔ مگر شکست کھانی

سنتہ ہجری میں احمد اس کافی نے حملہ کیا۔ مگر بابک کی فوج نے زندہ گرفتار کر لیا۔ مسئلہ ہجری میں محمد جس نے ندیق کی پرنسپل بغاوت کا خاتمہ کر دیا تھا۔ بڑے ساز و سامان سے روانہ ہوا۔ اور بڑے بڑے میدان اور دشوار گزار گھاٹیاں طے کرتا ہوا۔ بابک کی مستقر حکومت تک پہنچ گیا۔ ہشاد و سر کے آگے پہاڑوں کا ایک بڑا وسیع سلسلہ ہے۔ بابک نے یہیں ایک محفوظ اور بلند موقع پر اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کیا تھا۔ محمد نے بڑی ترتیب سے فوج کو اوپر چڑھایا۔ قلب فوج پر ابو سعید اور میمنہ و میسرہ پر سعدی و عباس کو متعین کیا۔ خود عقب میں رہا کہ ہر طرف سے دیکھ بھال رکھے بابک نے پہلے سے کچھ فوج کینگا ہوں میں بٹھا رکھی تھی۔ محمد کی فوج تیریا تین فرسنگ تک اوپر چڑھتی چلی گئی۔ بابک کا صدر مقام بالکل قریب آگیا تھا۔ کہ دفعتاً اُس کے رسالے کینگا ہوں سے نکل کر محمد کی فوج پر ٹوٹ پڑے اور خود بابک بھی ایک جماعت کثیرے کر بڑھا۔ محمد کا لشکر دونوں طرف سے بیچ میں آگیا اور سخت اترتی پڑ گئی۔ ابو سعید و محمد نے بہت کچھ سنبھالا مگر فوج نہ سنبھال سکی۔ محمد تنہا رہ گیا۔ اور چونکہ اڑانی کے مرکز سے دور پڑ گیا تھا۔ چاہا کہ کسی طرف نکل جائے اس ارادے سے چند قدم چلا تھا۔ کہ سامنے شاہی فوج نظر آئی۔ جس کو بابک کی فوجیں پامال کئے دیتی تھیں۔ محمد فطری شجاعت کا جو شش ضبط نہ کر سکا اور اُلٹا پھرا۔ ایک بہادر افسر بھی اُسکے ساتھ تھا۔ دونوں بابک پر حملہ آور ہوئے اور نہایت جانبازی کے ساتھ لڑ کر مارے گئے۔

مامون الرشید سنتہ ہجری تک زندہ رہا مگر اُس کی زندگی تک بابک کا فتنہ فرو نہ ہوا۔ معتصم باللہ کے عہد خلافت کا یہ ایک مشہور اور یادگار واقعہ گنا جاتا ہے کہ اُس کے سرداروں نے متعدد پرخطر لڑائیوں کے بعد بابک کو زندہ گرفتار کیا۔

بابک کا خیر مسئلہ میں ہوا اور اس لحاظ سے مناسب تھا کہ یہ عنوان بابک کی بغاوت، اسی سنہ کے واقعات کے ساتھ لکھا جاتا لیکن چونکہ اُس کی بغاوت کا سلسلہ مامون کی وفات کے ساتھ بھی ختم نہیں ہوا میں نے اس کو آخری میں لکھنا مناسب خیال کیا۔ ۱۲

فتوحات ملکی

اگرچہ مامون کا عہد حکومت شروع ہی سے خانہ جنگیوں اور بغاوتوں میں الجھا رہا تھا تاہم اوس کے وسیع حوصلوں نے فتوحات اسلامی کا دائرہ تنگ نہیں ہونے دیا۔ صحابہ اربعہ کی امیہ کی سنی عظیم فتوحات تو دولت عباسیہ کی تاریخ میں سرے سے ناپید ہیں لیکن یہ ضرور ہے کہ اس میدان میں مامون اپنے نامور اسلاف ہارون الرشید۔ منصور۔ ہمدی سے کچھ پیچھے نہیں ہے۔ بنو امیہ کے قبضہ میں صرف تلوار تھی۔ بخلاف اسکے دولت عباسیہ کے ایک ہاتھ میں قلم بھی تھا۔ اس لحاظ سے اگر اس خاندان کی ملکی فتوحات زیادہ وسیع ہوں تو نہ کچھ تعجب ہو سکتا ہے نہ ہم اس پر کوئی الزام عاید کر سکتے ہیں۔

عباسیوں کو جس چیز نے دنیا کی تاریخ میں زیادہ نامور کر دیا وہ ان کی قلم کے فتوحات ہیں جس کا اقرار ایشیا یورپ دونوں کو ہے۔ اد جس کیو بہ سے یورپ کی استاد کی آمد وہ فخر تاج بھی مسلمانوں کے دماغ کو مختل رکھتا ہے۔ شاہ مین مامون کی اکٹھ فوجیں گو بغداد کے محاصرے میں مصروف تھیں۔ تاہم ممالک مشرقیہ میں اس کی عظمت کا اثر کامیابی کے ساتھ پھیلتا جاتا تھا۔ کابل پر فوجیں بھیجیں۔ والی کابل اسلام لایا اور تاج تخت تدرجیجا۔ یہ بھی درخواست کی کہ کابل وقت صحرار دار اخلافت خراسان کے اضلاع میں داخل کر لیے جائیں۔ اس سے پہلے بھی اسلامی فتوحات کا سیلاب ان کو ہٹانوں کے بلند مقامات سے گزر گیا تھا۔ لیکن یہ فخر مامون ہی کی قسمت میں تھا کہ اسکے عہد میں والی کابل اسلام لایا۔ قندھار۔ غزنین۔ وغیرہ سے بت پرستی قریبا معدوم ہو گئی اور یہ ممالک ہمیشہ کے لیے علم اسلام کے سایہ میں آ گئے۔ سینکڑوں۔ ہزاروں مسجدیں تعمیر ہو گئیں۔ اور توحید کی خالص آواز سے تمام دشت و جبل گونج اٹھے۔ سندھ ایک

سے عوام مومنین نے مامون کی فتوحات کو اہل خلفاء کی فتوحات کی طرح مختلف سنوں کے ذیل میں کہا ہے۔ جس کی وجہ سے نہایت متفرق اور پریشان ہو گئے ہیں۔ صرف علامہ بن خلدون نے عوناہر خلیفہ کی فتوحات کو ایک جگہ سمیٹ کر لکھا ہے اور میں نے اس کی تقلید کی ہے ۱۲

دلت سے ممالک اسلامیہ میں داخل تھا۔ منصور عباسی کے زمانہ میں اسکے عامل نے یہاں ایک شہر بھی آباد کرایا تھا۔ جس کا نام منصور رکھا تھا۔ سندھ کے گورنر ہمیشہ اپنا صدر مقام اسی کو اختیار کرتے رہے۔ مامون کے عہد میں موسیٰ بن یحییٰ برکی وہاں کا گورنر مقرر ہوا اور ایک مشرقی رئیس پر فتح حاصل کی (فتوح البلدان صفحہ ۴۴۵) فضل بن یامان نے سندان فتح کیا۔ اور ایک ہاتھی مامون کی خدمت میں بھیجا جو اہل عرب کے لیے ایک نادر تحفہ خیال کیا جاتا تھا۔ فضل کے بیٹے محمد نے شتر جہاز تیار کیے اور مید ہند پر چڑھائی کی۔

دشمنوں کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ اور قاری فتح ہوا (افسوس یہ کہ ان مقامات کے اصلی نام ہم معلوم نہ کر سکے۔ اسیئے مغرب نام پر اکتفا کی اسی زمانہ میں ذوالریاستین شیر و تبت کی طرف بڑھا۔ بوخان وہ اور پر قبضہ کر لیا گیا۔ بلاد ترک بھی محفوظ رہے۔ قلاب شاغر۔ اطراز وغیرہ پر علم اسلام نصیب ہوا۔ جیغویہ۔ خسرجی (فرمانروائے ترک) کی اولاد اور حرمین گرفتار ہوئیں۔ اور فرمانہ پر سبز چھریٹے اڑائے گئے۔ اشروسندہ جو ایک مستقل حکومت ہے۔ کاؤس وہاں کا فرمانروا اسلام لایا جس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ کاؤس کا چھوٹا بیٹا حنیہ ایک فوجی افسر سے ناراض ہوا اور اسکو قتل کرادیا۔ یہ افسر

۱۵ اردو کی بعض کم رتبہ تاریخوں میں لکھا ہے کہ مامون نے خاص ہندوستان پر بھی حملہ کیا اور متعدد ولایتوں میں راجپوتوں سے شکست کھا کر واپس گیا مگر کسی معتد تاریخ میں اسکا ذکر نہیں ہے فتوح البلدان میں صرف اس قدر لکھا ہے کہ فضل بن یامان نے سندان کو فتح کیا اور مامون کی خدمت میں ایک ہاتھی بطور یادگار فتح روانہ کیا اس نے سندان میں ایک جامع مسجد بھی بنوائی (دیکھو کتابٹہ کورہ صفحہ ۴۴۶) لیکن یہ امر خود مشتبہ ہے کہ سندان کہاں ہے اور اب کس نام سے پکارا جاتا ہے یا قوت حموی نے مسعودی طریقہ سے ایک مصنف کے اس خیال کو رد کیا ہے کہ وہ ہندوستان کا شہر ہے۔ یا قوت نے اسکو سندھ کے حدود کے قریب خیال کیا ہے۔

سندان کہیں ہو مگر راجپوتوں سے شکست کھانا شاید نری گڑ بہت ہے گو ایک ہند مصنف نے اپنی برائے نام تاریخ میں اسکا تذکرہ ملائیہ کیا ہے ۱۲

۱۶ اسوقت تک مامون الرشید کی فوج کا لباس اور پیر پرے غلامیوں کی طرح بنزدیک کے ہوتے تھے ۱۳

۱۷ غالباً یہ نام اسلام کے بعد کا ہوگا ۱۴

مغرر تہ کا آدمی تھا اور کاؤس نے اپنے بڑے بیٹے کی شادی اس کی ٹرکی سے کی تھی حیدر نے باپ کے خوف سے شہر چھوڑ دیا۔ اور مامون کی خدمت میں حاضر ہو کر عسکر من کی کہ تھوڑی سی فوج اشروسنہ کی فتح کے لئے کافی ہے۔ مامون نے احمد ابن ابی حنبلہ کو ایک بڑا لشکر دے کر روانہ کیا۔ کاؤس نے یہ خبر سنی تو اپنے بڑے بیٹے کو ترک بادشاہوں کے پاس بھیجا کہ اشروسنہ کو اسلام کے غار مگردن سے بچائیں۔ ترکوں نے ایک جمعیت اعظم ساتھ کر دی۔ مگر اسلامی فوجوں نے اس کے پہونچنے سے پہلے اشروسنہ کا فیصلہ کر دیا۔ کاؤس بے بسادہ چلا گیا۔ اور اسلام لایا جس کے صلے میں مامون نے اس کی حکومت قائم رکھی۔ تبت کے رئیسوں میں سے بھی ایک والی ملک اسلام لایا۔ وہ ایک بت کی پرستش کیا کرتا تھا جس کی ظاہری صورت سے ایک عجیب اور وح شان کا اظہار ہوتا تھا۔ سر پہ سونے کا تاج تھا۔ جس میں نہایت بیش قیمت زمرہ و یاقوت لگے تھے۔ ایک تخت سیسے جلوس کے لئے تھا اور اس پر ہر وقت دیبا کا فرش بچھا رہتا۔ بادشاہ تبت جب اسلام لایا تو بت اور تخت و دونوں مامون کے پاس بھیج دیئے اور نامہ لکھا کہ دو میں قلان ابن فلان حلقہ اسلام میں داخل ہوا اور بت کے تخت کو جو میری گمراہی کا ایک ذریعہ مت اکبہ پر نذر چڑھانے کے لئے بھیجتا ہوں۔ نصیر بن ابراہیم عجمی سلمہ میں اس تخت کو لے کر مکہ معظمہ پہونچا۔ اور حکم دیا کہ صفامروہ کی گذرگاہ عام میں رکھا جائے۔ تین دن تک ایک شخص صبح و شام دونوں وقت تخت پر کھڑا ہو کر باواز بلند کرتا تھا کہ دوسرے مانروائے تبت اسلام لایا اور یہ اس کے پہلے مبعود کا تخت ہے۔ عامۃً مسلمانوں کو خدا کا شکر کرنا چاہیئے کہ اس کو اسلام کی توفیق دی گئی

۱۵ فتوح البلدان صفحہ ۴۴ میں یہ پوری تفصیل مرقوم ہے۔ ۱۶

۱۵ یعنی تمام حالات ان فرامین سے اخذ کئے ہیں جو مامون نے بت اور تخت و تاج کے کعبہ پر چڑھانے کی نسبت لکھتے تاج کے ساتھ یہ فرامین بھی کعبہ پر آویزان کئے گئے اور قریباً ۲۵۰ سال تک بیننا کعبہ میں محفوظ تھے۔ علامہ ارزق نے ان فرامین کو خود دیکھا تھا اور تاریخ مکر میں ان کی پوری عبارت نقل کی ہے (دیکھو کتاب مذکور صفحہ ۱۵)

ان فرامین میں کشمیر و بلاد ترک کی فتوحات کا بھی محل تذکرہ ہے۔ جیسا کہ میں نے اس موقع پر لکھا ہے انہوں نے ترک اور کسی مورخ نے یہ واقعات نہیں نقل کئے۔ فتوح البلدان میں صرف اس قدر کہ مامون کے عہد میں بادشاہ کابل بہرام لایا۔ ۱۶

ابھی سنہ میں عبداللہ بن خرواز بہ۔ گورنر طبرستان نے ولیم پر چڑھائی کی۔ بڑے بڑے مشہور
اضلاع فتح کیے۔ والی ولیم جسکا نام ابولیلی تھا زندہ گرفتار ہوا۔ طبرستان اگرچہ مدت سے ممالک
اسلامیہ میں محسوب ہوتا تھا۔ لیکن پہاڑی آبادیان اب تک شہریار و مازیار کے قبضہ حکومت
میں تھیں جو مجوسی النسل و مجوسی المذہب تھے۔ عبداللہ ان اضلاع پر بڑھا۔ شہریار و مازیار و دونوں
نے اطاعت قبول کی۔ مازیار مامون کی خدمت میں روانہ کیا گیا کہ فتح کا ثبوت اس سے زیادہ کیا
ہوگا۔ ابودلف نے بھی ولیم کے چند مشہور قلعے مثلاً اقلیم۔ بوج۔ ابلام۔ انداق۔ فتح کیے مامون
نے یورپ میں بھی نامور فتوحات کی یادگاریں قائم کیں۔ جزیرہ کریت کو جو بحر العرب میں واقع ہے
اور جسکا دورہ ۳۶ میل سے کم نہیں ہے۔ ابوحنس اندلسی نے مامون کا ایک فوجی امیر تھا
اس طرح فتح کیا کہ پہلے ایک قلعہ پر قبضہ کیا۔ اور وہیں پر بسون تک مقیم رہا۔ پھر تدریج فتوحات
حاصل کرتا گیا۔ یہاں تک کہ سلسلہ میں پورا جزیرہ تسخیر کر لیا گیا

جزیرہ صقلیہ (سسی) کی فتح ۳۱۲ھ

یہ فتح مامون کے عہد کی نامور یادگار ہے۔ ۳۱۲ھ میں میک شہنشاہ روم نے جس کا نام

لوکیو فتوح البلدان صوفی ۳۲۳ھ اکبر عربی مورخوں نے اس فتح کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ لیکن صاحب طبع لکھا کہ وہ مسلمان مورخوں
نے جو بیہ اور مانس کی شہرت سے ناواقف تھے جزیرہ کریت کی فتح کو حقیقت سمجھا مگر رومی مورخوں نے اس کو چشم پوشی میں کی عربی تاریخ نویس
سے پہلے اس فتح کا تذکرہ صرف فتوح البلدان میں دیکھا اور یہ اجمالی حالات اسی پر نقل کوئی ۱۲ھ سبکی کی فتح کا حال علاوہ عربی تاریخ نویس
کے میں نے گین صاحب کی روین اہلیر سے بھی لیا۔ خصوصاً فی شہنشاہ روم کی ناراضی کی وجہ اور اسلامی بیڑہ جازات کی تفصیل صرف
گین صاحب کے حوالہ میں نے لکھی جزیرہ صقلیہ قریباً دس ہزار میل مربع ہے سات ضلعوں پر منقسم ہر ضلع کا نام ذیل میں لکھتے ہیں۔

جن شہروں کے نام پہلے کتاب میں لکھے ہیں وہ مصر بنام ہیں ذیل کی تصریح سے ان کے نام معلوم ہونگے

بلرم
قطانیہ
بحرینت
تیرینی
سینا
سرقست
کلانیٹا

یہ جزیرہ جب مسلمانوں کے ہاتھ میں آیا تو اس کی آبادی میں اسلامی نسلیں نہایت کثرت سے ہیں گین زما کا انقلاب یکو کہ
جب بن حوقل جو بغداد کا مشہور تاجر تھا اس جزیرہ میں پہنچا تو خاص طور میں ایک تیر کے فاصلے پر دس دس مسجدیں دکھیں۔
لوکیو کتب البلدان حالات صقلیہ اور اب اس جزیرہ میں ایک شخص بھی محمد مصمم کے نام کا ادب کرتے دلا نہیں ۱۲

عربی مورخ مینائیل لکھتے ہیں قسطنطین کوسسلی کا گورنر مقرر کیا تھا۔ قسطنطین نے فیمی نام ایک شخص کو امیر البحری کی خدمت دی۔ فیمی ایک مشہور بہادر تھا اس نے افریقہ کے سواحل پر فتوحات نمایان حاصل کیں لیکن اس جرم پر کہ ایک پار ساعورت کو عبادت گاہ سے بھگالایا شہنشاہ نے حکم دیا کہ اسکی زبان کاٹ ڈالیں۔ فیمی اس وحشیانہ سزا کا تحمل نہوا اور علانیہ بغاوت ظاہرہ کی جزیرہ کے ایک مشہور شہر قوستہ پر قبضہ کر لیا اور اپنی قوت کو ترقی دیتا گیا۔ قسطنطین نے سر قوستہ پر حملہ کیا مگر شکست کھائی اور قسطنطینہ میں پناہ گزین ہونا پڑا۔ فیمی نے قسطنطینہ پر چڑھائی کی قسطنطین گرفتار ہوا اور مار ڈالا گیا۔ اب تمام جزیرہ میں فیمی کی مستقل حکومت قائم ہو گئی۔ سر قوستہ کو پایہ تخت قرار دیا۔ اور اصطلاح پر محال و نائب مقرر کر کے بھیجے۔ دشمنوں میں سے کوئی شخص اس کا حریف مقابل نہ تھا مگر بد قسمتی سے خود اس کا ایک عزیز جن کا نام بلاط تھا مخالف ہو گیا اور اپنے بھائی کی مدد سے سر قوستہ پر حملہ آور ہوا۔ فیمی نے شکست فاش کھائی اور مجبور ہو کر زیادۃ اللہ کو جو مامون کی طرف سے افریقہ کا گورنر تھا خط لکھا کہ دو اسلامی فوج اس موقع پر اگر میری آبرور کھلے تو اس کے صلے میں سسلی کا جزیرہ نذر کرتا ہوں۔ زیادۃ اللہ نے ربیع الاول ۱۲۸ھ میں سو جنگی جہاز جن میں سات سو سوار اور دس ہزار پیادے تھے فیمی کی اعانت کو بھیجے۔ فوج کے سپہ سالار اسد بن فرات تھے جو مشہور محدث اور امام مالک کے شاگرد رشید تھے۔ سسلی پہونکر اسلامی فوج نے جسکی طرف رخ کیا وہ بلاط تھا۔ جس نے ہینی کو شکست دیکر سر قوستہ سے نکال دیا تھا۔ دو فوجیں نہایت جوش سے ایک دوسری پر حملہ آور ہوئیں فیمی اس معرکہ میں موجود تھا مگر مسلمانوں نے اس خیال سے اس کو الگ کر دیا کہ جس فتح میں غیر قوم کا کوئی شخص شریک ہو وہ فخر کی مستحق نہیں، جنگ کا حاتمہ بلاط کی شکست پر ہوا۔ اب اسد کی فتوحات کا کوئی سد راہ نہیں رہا۔ جس طرف گذر افتح و طغر نے خود نگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا۔ اس جزیرہ میں کراٹ ایک مشہور قلعہ تھا اور چو نکر اسد کے ڈیرے جزیرے والے اکثر ہر طرف سے اکروہان جمع ہو گئے تھے وہ ایک محفوظ مقام بن گیا تھا۔ اسد نے اس پر حملہ کرنا چاہا مگر قلعہ والوں نے منسرب سے یہ ظاہر کیا کہ ہم خود جزیرہ نیچے پر راضی ہیں۔ ادھر فیمی نے مخفی طور سے اہل قلعہ کو لکھا کہ مسلمان

قبضہ نہ کرنے پائیں۔ اسد نے جزیہ قبول کیا اور ان کی یہ شرط بھی منظور کر لی کہ اسلامی فوج قلعہ کی حد سے دور نہ رہے گی۔ فرصت پا کر اہل قلعہ نے پوری قوت سے جنگ کے سامان ہم پہونچائے اور جزیہ دینے سے انکار کر دیا۔ اسد نے بڑے جوش سے دشمن کا پیغام سنا اور دفعتاً تمام جزیرے میں فوجیں بھیلا دیں۔ سر قوسہ کا ہر طرف سے محاصرہ کر لیا۔ عین موقع پر انسریقہ سے امدادی لشکر بھی پہونچ گیا اور قریب تھا کہ اس شہر پر اسلامی پھیرا اڑایا جائے۔ لیکن بلاطہ کا بھائی میکل۔ ایک فوج کیشر کے ساتھ آہونچا اور اسلامی فوج خود محاصرے میں آگئی۔ اسد نے حفاظت کے لئے خندق طیار کرائی اور اس سے کچھ فاصلے پر بہت گڈے کھدوائے اور ان پر گھسانس پھونس بچھوا دی میکل کی فوج نے بڑے جوش سے حملہ کیا مگر جس قدر آگے بڑھی اپنی ہی لاشوں سے گڈ ہون کو بھرتی گئی۔ یہ سم تو سر ہوئی۔ لیکن سلسلہ میں ایک عام و باپھیلی۔ اور اسلامی فوج کا بڑا حصہ تباہ ہو گیا۔ سپہ سالار اسد بھی بیمار ہوا اور مر گیا۔ رہی سہی فوج کی کسان محمد بن ابی الجوارمی نے لی۔ اسی اثنا میں قسطنطینہ سے بادشاہ روم کا جنگی جہاز پہونچا مسلمانوں نے سسلی سے ہاتھ اٹھایا اور چاہا کہ انسریقہ کو واپس چلے جائیں لیکن رومی فوج نے تمام راستے روک لیے۔ مایوسی نے مسلمانوں کو مرنے پر آمادہ کیا انھوں نے اپنے جہازات خود جلا دیئے اور جانبازی کے ساتھ تمام جزیرہ میں پھیل پڑے۔ مینا کا محاصرہ کیا اور تین دن میں قلعہ چھین لیا۔ جرجنت پر بھی خفیف مقابلے کے بعد تباہ ہو گئے۔ قسریانہ کا محاصرہ ہوا۔ اس سمرکہ میں فینی بھی مسلمانوں کے ساتھ تھا قسریانہ والوں نے فینی سے اپنی تسلیم اطاعت کا اظہار کیا اور کہا کہ تحت حکومت حضور کا منتظر ہے۔ فینی اس فریب میں آگیا اور انسراؤن کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ اسی اثنا میں روم سے ایک بیشمار لشکر پہونچا اور قسریانہ والوں کا مددگار ہوا تاہم میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ رومی فوج زیادہ تر برباد ہوئی اور جس قدر رہ گئی وہ قسریانہ میں محصور ہوئی۔ ان متواتر فتوحات نے مسلمانوں کے حوصلے اور جوش انتقام و خون کو امتدال سے زیادہ بڑھا دیا۔ فتوحات کی سبائے فارغی پر جھکے

فوج کے متعدد ٹکڑے ہوئے اور جس نے جد ہر موق پاپا لوٹ مار شروع کی۔ رومیون نے یہ دیکھ کر کہ ان کی طاقت یکجائی نہیں رہی ہر طرف اپنا حملہ کیے اور پے درپے شکست دین ایک لڑائی میں اسلامی فوج کے کم و بیش ہزار سوار و پیادے کام آئے۔ اب رومیون نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اور رسد تک بند کر دی۔ مسلمانوں نے چاہا کہ شہزاد مارکر نکل جائیں مگر ناکامی ہوئی۔ رومی پہلے خبر پاچکے تھے۔ اور اپنے خیموں کو چھوڑ کر ادھر ادھر پھیل گئے تھے۔ مسلمان انکے پڑاؤ تک پہنچے تو خیمے بالکل خالی پائے واپس آنا چاہا تو رومیون کے حصار میں تھے۔ مجبور ہو کر لڑنا پڑا۔ مگر اکثر قتل ہوئے اور جو بچ رہے وہ بھاگ کر پناہ میں محصور ہوئے۔ لیکن اس سختی سے دن گزرے کہ کتابی تک مار کر کھا گئے۔ اس مایوسی میں ایک غیبی مدد نے انکو سرنے سے بچا لیا اسپین کے اسلامی جہازات ہمیشہ نے جزیروں اور نوآبادیوں کی تلاش میں سمندر کے ہر حصہ میں پھرتے رہتے تھے اتفاق سے ایک بڑا جہازات ادھر آ نکلا۔ ساتھ ہی اسریقہ سے بھی بہت سے جنگی جہاز مدد کو آ گئے۔ ان سب جہازوں کا شمار قسریا میں سوتا تھا۔ رومیون نے فتح کا خیال چھوڑ دیا اور محاصرہ سے دست بردار ہو گئے۔ مسلمان محاصرہ سے چھوٹے تو اہتمام کے جوش میں لبریز تھے شہر بھر انکے حملوں کا پہلا آماجگاہ ہوا۔ اور سلاطین بالکل فتح کر لیا گیا۔ سلاطین میں اور اس کے بعد سسلی کے بڑے بڑے شہر فتح ہوئے۔ مگر چونکہ مامون کی تاریخ زندگی اس سنہ سے پہلے ختم ہو گئی۔ ہم ان فتوحات کا ذکر نہیں کرتے۔

روم پر حملے

یہ حملے اس لحاظ سے زیادہ دلچسپی کے قابل ہیں کہ ان میں مامون خود بذات خاص شریک تھا اور یہ ہے کہ اگر ان لڑائیوں میں اس کی دلیری شجاعت کے جوہر ظاہر نہ ہوتے تو وہ لکھ یاد رکھنا چاہئے کہ عربی قدیم مورخ روم کے نقطہ سے ایشائے کوچک مراد لیتے ہیں یہاں بھی مقصود ہے جن شہروں کے نام فتوحات میں آئے ہیں انکو ایشائے کوچک کے جغرافیہ میں ڈھونڈنا چاہئے۔ ناظرین اگر اس نکتہ سے واقف نہ ہوں گے تو اہل ریاست فلسطینہ کی خاک چھانتے پھر چکے کیونکہ اب روم کے نقطہ سے مراد ہوتے ہیں ۱۲۔

مورخین کے قلم سے۔ صرف شاعر یا صاحب القلم کا نقلت پاتا۔ لیکن ان فتوحات کی سند پر عام مورخین مان گئے ہیں کہ وہ تیغ و قلم دونوں کا مالک تھا۔

جمادی الاولیٰ ۱۸۱ھ میں روم پر حملہ آور ہوا۔ روم کی سرحد کے قریب پہونچا تو بادشاہ روم کے قاصد صلح کی درخواست لے کر آئے اور یہ شرطیں پیش کیں۔

۱) دار الخلافہ سے یہاں تک آنے میں جو کچھ صرف ہوا ہے ہم ادا کریں گے

۲) جس قدر مسلمان ہمارے ملک میں مدتوں سے قید ہیں بغیر کسی عوض کے سب رہا کر دئے جائیں گے

۳) اسلامی شہروں میں سے جو شہر روم کے اگلے حملوں میں برباد ہوئے ہیں ہم اپنے صرف سے ان کی مرمت کر دیں گے۔ این تین شرطوں میں جو پسند ہو ہم اس پر راضی ہیں جس کے عوض میں ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ آپ دار الخلافہ کو واپس جائیں ۴) مامون نے دو رکعت نماز پڑھی اور خود دیر تک سوچتا رہا کہ کون پہلو اختیار کرے۔ مگر اسکی بلند حوصلگی نے یہی رائے دی کہ یہ سب شرطیں دو فتح سے کم قیمت ہیں۔ اس نے قاصدوں کو بلا کر کہا، پہلی شرط کی نسبت میں حضرت

سلیمان علیہ السلام کی طرح تم سے کہتا ہوں کہ دو تم اپنا تحفہ اپنے پاس رکھو، دوسری شرط بھی بے سود ہے۔ کیونکہ جو مسلمان تمہارے ہاں قید ہیں اگر وہ دین کے لئے لڑنے گئے تھے تو قیدان کے لئے مایہ فز ہے۔ اور اگر ان کا مقصد دنیا حاصل کرنا تھا تو وہ قید ہی کے مستحق ہیں

تیسری شرط بھی میں منظور نہیں کر سکتا۔ قید ہوتے وقت جس مسلمان عورت نے ہائی محکمہ کہہ کر پکارا ہو گا میں اس کی اس در و ناگ آواز کو روم کے بڑے سے بڑے قلعہ کو عوض میں بھی نہیں بیچ سکتا

بڑے ساز و سامان سے لڑتا بھڑتا روم کی حدود و حکومت میں پہونچ گیا۔ قلعہ قرۃ کا محاصرہ کیا اور ۲۶۔ جمادی الاولیٰ کو فتح کے بعد برباد کر دیا۔ قلعہ ماجدہ کے لوگوں نے خود اطاعت قبول کی

قلعہ سنان لڑ کر فتح ہوا۔ اسٹناس اپنے غلام کو قلعہ سندس پر بھیجا جو فتح کے ساتھ مالک قلعہ کو بھی گزرتا کر کے ساتھ لایا۔ اسی طرح عجیف و جعفر نے جو مامون کے ممتاز افسروں میں تھے قلعہ سنا و پر فتح کے پھریرے اڑائے۔

مامون اتنی کامیابیوں کے ساتھ دمشق کو واپس آیا۔ مگر ۱۶۵ھ میں یہ خبر ملکہ بادشاہ

۱۶۵ھ یہ زائد تعفیل صرف مروان الذہب سعودی سے لی گئی ہے۔ ۱۲

روم نے طرموس و مصیصہ پہنچ کر نہایت بیرحمی سے دو ہزار مسلمان قتل کرادیے بڑے جوش اور غصہ کے ساتھ پھر روم پر چڑھائی کی خود ہر تلہ کا محاصرہ کیا اور عباسی سپہیئے اور ابو اسحق معتصم اپنے بھائی سے کہلکہ ”تمہارے حوصلوں اور بہادری کے لئے دشمن کا ملک وسیع جو لاگھاہ ہے فتوحات کے لیے جس قدر ملک چاہو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے“ ابو اسحق نے کم و بیش تین نامور قلعے فتح کیئے جن میں خود تلہ نہایت مشہور اور نامی قلعہ تھا۔ اور بارہ قلعوں پر مشتمل تھا۔ ابو اسحق نے اس قلعہ کو بالکل برباد کر دیا۔ اور آگ لگا دی۔ عباسی انطیغون۔ قلعہ احوب۔ قلعہ حصین کو فتح کرنا ہوا خود بادشاہ روم پر حملہ آور ہوا۔ اور نہایت سخت پر خطر جنگ کے بعد حریف کو شکست فاش دیکر بے شمار غنیمت کے ساتھ واپس آیا۔

شاہ حسین بادشاہ روم نے صلح کی درخواست کی۔ مگر اتنی گستاخی پر کہ خط میں اپنا نام پہلے لکھا تھا۔ مامون غصہ سے بے تاب ہو گیا۔ اور انتقام کے فراموش شدہ وصلے پھر تازہ ہو گئے۔ بڑے ساز و سامان سے روانہ ہوا۔ مالک محروسہ میں نہایت نیچے کہ ہر شہر سے اسلام کے حوصلہ مند جہاد پر کمر بستہ ہوں۔ اور روم کی طرف رخ کریں۔

اس زمانہ میں روم کا سب سے نامی قلعہ لولوۃ تھا۔ جو ہر قلعہ کی گزشتہ عظمت کا ہمسرہ گن جاتا تھا مامون نے پہلے اس کا محاصرہ کیا اور جب متواتر حملوں کے بعد کچھ کامیابی نہ حاصل ہوئی تو حکم دیا کہ قلعہ کے سامنے کچھ دور ہٹ کر دو نئے قلعے طیار کیئے جائیں۔ غیر ملک میں اس حکم کی فوراً تعمیل ہونے سے ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ اسلامی فوج اپنے پاس کیا سر و سامان رکھتی ہوگی۔ ان دونوں قلعوں میں سے ایک پر جبلتہ اور دوسرے پر ابو اسحق معتصم کو متعین کیا اور عام انگری عجیف کو دی۔ خود ایک دوسرے قلعہ کی فتح کرنے کو بڑھاس جس کا نام سلخوس تھا عجیف دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا۔ اور پورے ایک مہینہ اس عذاب میں گرفتار رہا۔

بادشاہ روم خود قلعہ لولوۃ تک آیا مگر جبلتہ ابو اسحق اپنے قلعوں سے کلکر نہایت دلیری سے مقابل ہوئے۔ اور شاہ روم کے فوجی سامان بالکل لوٹ لیئے۔ لولوۃ واسے یہ دیکھ کر کہ خود ان کا بڑا شہنشاہ اسلامی تلواروں کے سامنے نہ ہٹ سکا ہمت ہار گئے۔ اور عجیف کو اس درخواست کے ساتھ راکر دیا کہ تمکو تمہارے صدقے میں امن ملجائے مامون نے ان کی درخواست قبول کی۔

اور یادگار فتح کے طور پر وہاں بہت سے مسلمان آباد کرائے۔
حدود روم کے قریب طوانہ جو ایک معمولی قصبہ تھا۔ سلاطین مامون نے حکم دیا کہ وہاں ایک
شہر بسایا جاوے۔

شہزادہ عباسی سر پر مامور ہوا۔ شہر سے تین فرسنگ کے فاصلہ پر شہر پناہ تیار کی گئی۔ حسین
صدر دوازہ چارہ تھے۔ اور ہر دوازہ پر ایک مستحکم قلعہ تھا۔
ذرائع سادہ ہونے کے ہر شہر سے ایک خاص تعداد یہاں آباد ہونے کے لئے بھیجی جاتے
جن کی تنخواہیں اس شرح سے مقرر ہوئیں۔ سوار تئو درہم۔ پیادہ چالیس درہم۔

مامون کی وفات ۱۸۔ رجب ۲۱۸ھ

اس وقت مامون نے زندگی کے کل ۴۸۔ مرتلے طے کیے ہیں۔ مامون کا ابتدائی زمانہ زیادہ تر بھلائی
اور خاندان جنگیوں کی نذر ہو گیا۔ ان جھگڑوں سے نجات پا کر عثمان سلطنت اُس نے خاص اپنے
ہاتھ میں لی۔ اور یہی دن تھے کہ وہ اپنے حوصلوں کو پوری آزادی دیتا اور وہ کر دکھا تا جو اسلام کے
گزشتہ ناموروں نے کر دکھایا تھا۔ بلا دروم کے محلے اسکی بہادری کی ابتدائی بازیگاہ ہیں۔ تاہم اس
میدان میں وہ اپنے اسلاف سے ایک قدم پیچھے نہیں ہے۔ یادگار فتوحات حاصل کرنے پر بھی اب
تک وہ انہیں اطراف میں موجود ہیں۔ اور شاید اس خواہش میں سرگرم ہو کہ شہنشاہ روم کی قوت کا باطل
استیصال کر دے۔ خاص قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کا وہ قطعی ارادہ کر چکا تھا۔ لیکن زمانے نے کس کی سب
آرزوئیں پوری ہونے دی ہیں۔ بہت سے پر فخر خیالات اُس کے دلیں پھر رہے ہیں۔ مگر وہ
ہے کہ موت نے یہ پیغام سنا کر سب کو مٹا دیا کہ ”اب میری حکومت ہے“

لیکن وہ اپنے بھائی معتصم کے ساتھ نہر بزدون کی سیر کو نکلا پانی نہایت صاف تھا اور
چمکتی ہوئی لہروں کی حرکت عجیب دل فریب سماں دکھا رہی تھی۔ مامون و معتصم دونوں ایک
کنارے زمین پر بیٹھ گئے۔ اور پانی میں پاؤں لٹکا دیئے سعد قاری۔ مامون کا خاص قدیم

۱۵۔ مامون کے قہر حات گو ابن خلرون۔ ابوالفتح۔ ابن الاثیر سب نے کس قدر تفصیل سے لکھے ہیں لیکن میرا خاص ماننا
عیون والحدیث پر جسکے بیان میں زیادہ تفصیل کی گئی ہے اساتاق۔ عموماً دوسرے سے بڑا ہوا ہے ۱۲

بھی اس موقع پر موجود تھا۔ مامون نے اُسکی طرف مخاطب ہو کے کہا ”کیون سعد ایسا رازدار صاف پانی تم نے کبھی دیکھا ہے“ (سعد بخوڑا سا پانی پی کر) ”حقیقت میں بے نظیر ہے“ (مامون) ”اس پانی پر غذا کیا ہو“ (سعد) حضور خود اس سوال کا جواب عمدہ دیکھتے ہیں (مامون) ”افزائی کھجوریں“ یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی دریافت سے معلوم ہوا کہ ڈاک ہے۔ اس حسن اتفاق پر سب کو حیرت ہوئی۔ سرکاری کافذات کے علاوہ مامون کی فرمائش بھی ڈاک کے ساتھ تھی۔ سب بڑے شوق سے کھا یا اور نہر کا سرد پانی نوش جان کیا۔ لیکن اٹھے تو حرارت محسوس ہوئی۔ قیام گاہ پہنچکر سہا جمادی الثانی مامون کو سخت بخار چڑھا۔ اور اسی عارضہ میں انتقال کیا۔

مرنے سے چند روز پہلے جب زلیست سے بالکل مایوسی ہو گئی تو تمام ممالک میں فرامین روانہ کیے۔ جن کا یہ عنوان تھا۔ ”امیر المومنین۔ مامون اور اُسکے بھائی ابواسحق کطیف سے شہزادہ عباس بھی اگرچہ اس سفر میں ساتھ تھا اور اگر اُسکو ولیعهدی کا دعویٰ ہوتا تو ناموس بھی نہ تھا لیکن مامون کی فیاض دلی محبت پوری پر غالب تھی اُسنے اپنے ناموس عزیز کو چھوڑ کر اپنے بھائی ابواسحق کو انتخاب کیا۔ حالانکہ خود بہرون الرشید اپنی زنا کاری اور خلافت کے آئندہ استحقاق سے بالکل محروم کر چکا تھا۔

اس کام سے مامون نے صرف اپنی فیاض دلی نہیں ثابت کی۔ بلکہ یہ انتخاب اُس کے صائب الرائے ہونے کا بھی ایک کافی ثبوت تھا۔ یہی ابواسحق ہے جو معتصم ہامد کے لقب سے مشہور ہے۔ اور اُسکے عظیم الشان کارناموں کے یاد دلانے کے لیے صرف اس کا نام لیا کافی ہے۔ مامون نے مرنے سے ذرا پہلے تمام افسران فوج۔ علما۔ قضاة۔ نادان شاہی کو جمع کیا۔ اور نہایت مؤثر لفظوں میں وصیت کی۔ جس کا مختصر مضمون یہ ہے ”مجھ کو اپنے گناہوں کا استبار ہے اور یم و امید دونوں مجھ پر حاوی ہو رہے ہیں۔ لیکن جب میں خدا کے عفو کا خیال کرتا ہوں تو امید کا پلہ گراں ہو جاتا ہے جب میں مری جاؤں تو مجھ کو اچھی طرح سے غسل دو۔ اور وضو کراؤ۔ لیکن مجھ کو پھر نہ الکی حمد و ثنا پڑھ کے مجھ کو تابوت پر لٹاؤ اور تدفین میں جہاں تک ممکن ہو جلدی کرو۔ جو شخص کبیر السن۔ اور

رشتہ میں سب سے زیادہ قریب ہو۔ وہ نماز پڑھائے۔ نماز میں تکبیر پانچ بار کی جائے۔ قبر میں وہ شخص اتارے جو رشتہ میں قریب تر ہو۔ اور مجھ سے بہت محبت رکھتا ہو قبر میں میرا منہ قبیلہ کی طرف رہے اور سر اور پاؤں پر سے کفن ہٹا دیا جائے۔ پھر قبر کو برابر کے لوگ چلے آئیں۔ اور مجھ کو میرے اعمال کے ہاتھ میں چھوڑ دیں۔ کیونکہ تم سب لوگ ملکر بھی نہ مجھ کو کچھ آرام پہنچا سکتے ہو۔ نہ مجھ سے کوئی تحلیف دفع کر سکتے ہو۔ ہو سکے تو بھلائی سے میرا نام لو۔ ورنہ چپ رہو۔ کیونکہ برا کہنے سے تپہ بھی مواخذہ ہوگا۔ مجھ پر کوئی شخص چلا کر نہ روئے۔ شاید میں بھی اُسکے ساتھ مواخذہ میں آؤں۔

تقریباً کے قابل صرف خدا کی ذات ہے جس نے سب کی قسمت میں مرنا لکھ دیا۔ اور بقائیں آپ بیگانہ رہا۔ دیکھو۔ میں کس اوج کا تاجدار تھا۔ لیکن علم الہی کے سامنے کچھ زور نہ چل سکا۔ بلکہ حکومت نے میری آئندہ زندگی اور پرخطر کر دی۔ اے کاش عبداللہ مامون کا اصلی نام ہے، نہ پیدا ہوتا۔ اے ابو اسحق۔ میرے سامنے آ۔ اور میرے حال سے جبریت پذیر ہو۔ خدا نے خلافت کا طوق تیری گردن میں ڈالا ہے۔ تجھ کو اُس کی طرح رہنا چاہیے۔ جو مواخذہ الہی سے ہر وقت ڈرتا رہتا ہے۔ رعایا کی بھلائی کا جو کام پیش آئے۔ اُس کو سب کاموں پر مقدم رکھنا۔ زبردست عاجزون کو ستانے نہ پائیں ضعیفوں سے ہمیشہ محبت اور آشتی سے پیش آنا۔ جو لوگ تمہارے ساتھ ہیں۔ اُن کی خطاؤں سے اغماض کرنا۔ اور سب کے روزینے۔ اور تنخواہیں۔ برقرار رہیں۔ اُسکے بعد اُس نے قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھی تھیں کہ بخش سا گیا۔ حاضرین میں سے کسی نے کلمہ توحید کی تلقین کی۔ ایک نصرانی حکیم جس کا نام ابن ماسویہ تھا۔ اس بات پر تعجب ہوا اور حقارت سے کہا۔ کہ ”اپنی ہدایت رہنے دو اس وقت مامون کے نزدیک خدا اور مانی۔ دو زون یکسان ہیں۔ مامون اسل آواز سے دفعتاً چوک پڑا۔ اور اس قدر غضب ناک ہوا کہ اُسکے تمام اعضا متحرک ہو گئے۔ چہرہ اور آنکھیں بالکل سرخ ہو گئیں۔ ہاتھ بڑھا کر چاہا کہ ابن ماسویہ کو پکڑ لے اور اس بدگمانی کی پوری سزا دے۔ مگر اعضاء قابو میں نہ تھے منہ سے کچھ کہنا چاہا۔ زبان نے یاری نہ دی۔ نہایت سختی سے آسمان کی طرف دیکھا۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اسی حالت میں خدا نے اُس کی زبان مسموم

وہ خدا کی طرف مخاطب ہوا اور کہا اے وہ جس کی سلطنت کبھی نہ زائل ہوگی۔ اُس پر رحم کر۔ جس کی سلطنت زائل ہو رہی ہے یہ اسی فقرہ پر۔ اُس کے نفس و اسپین نے دنیا کو الوداع کہا۔ اور خدا کے سایہ رحمت میں چلی گئی۔ ع کی خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے۔

(اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ)

عباس اور ابوالفتح معتصم۔ اُس کا لاشہ طرطوس لے گئے۔ اور خافتان کے مکان میں جو بارون الرشید کا خادم خاص تھا۔ دفن کیا۔ موزین اس بات کو عبرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ مامون جو باپ کا سب سے زیادہ لاڈلا تھا اُس کی قبر بارون الرشید کے مدفن سے جو طوس میں ہے بعد الشریقین کا فاصلہ کتنی ہے۔

مامون کا حلیہ

نگ سپید۔ سرخی مایل تھا۔ آنکھیں بڑی تھیں۔ ڈاڑھی لمبی مگر تپتی پشانی تنگ اور چہرہ پر ایک تل تھا۔ موزون اندام۔ اور خوش رو تھا۔

مامون کی اولاد ذکور

محمد الکبیر محمد شافعہ عباسی۔ علی حسن۔ اسماعیل۔ فضل۔ موسیٰ۔ ابراہیم۔ یعقوب حسین۔ سلیمان۔ جعفر۔ اسحاق۔ احمد۔ ہرون۔ عیسیٰ۔

۱۲ نزع کے بعض حالات میں نے مروج الذهب مسعودی سے لے لیے ہیں

ت

مامون کا دوسرا حصہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مہتہ

ہماری تاریخ کا پہلا حصہ گو نہایت معتد اور مستند تاریخوں سے ماخوذ ہے۔ اور اس اعتبار سے وہ ان تمام تاریخوں کا ایسا جامع انتخاب ہے جس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا تاہم وہ مامون کے عہد سلطنت کی ایک رخی تصویر ہے۔ جس میں چند معمولی واقعات اور باہمی خانہ جنگیوں کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔ پولیٹیکل انتظامات اور قوانین ملکی ایک طرف مامون کے سوشل حالات کا خط و خال بھی اُس میں دکھائی نہیں دیتا۔ اس لیے ضرور ہے کہ اپنے رہنما مورخوں کے نقش قدم کو چھوڑ کر ہم خود ذلیل راہ بنیں۔ اور ناظرین کو وہ مرقع دکھائیں۔ جس میں وہ مامون کو جس رنگ میں دیکھنا چاہیں دیکھ سکیں۔ تمام خلفاء و سلاطین کی فہرست میں مامون جاہلیت کی حیثیت سے ایک خاص مکتبہ زور رکھتا ہے۔ ادب۔ حدیث۔ فقہ۔ ایام العرب۔ شاعری۔ انساب۔ فلسفہ۔ ریاضی۔ جس فن کی بزم میں جاؤ گے وہ مسد نشین نظر آئے گا۔ اُسکی دلیسرانہ فتوحات نے دنیا کے ممتاز حصوں میں اپنی نامور اور محسوس یادگارین چھوڑی ہیں +

بہادری کے معرکوں میں اُسکی تیز دستیان دیکھ کر یقین نہیں آ سکتا کہ ان ہاتھوں نے تلوار کے سوا کبھی قلم بھی چھوا ہے۔ اُس کے ذاتی اخلاق بھی ایسے پاک اور برگزیدہ ہیں۔ کہ سلاطین تو کید فقر اور مدویشوں میں بھی دوہی چار ایسے فرشتہ خیز ہوں گے۔ تو اضع۔ علم۔ عفو۔ فیاضی۔ دریادلی۔ بلند ہمتی۔ دلیری۔ فرزانگی۔ کوئی ایسی صفت نہیں جو قدرت نے اُس سے دریغ رکھی ہو۔ ان سب خوبیوں کے ساتھ شخصی حکومت کے اقتدار میں بعض ایسی بے اعتدالیان بھی اُس سے سرزد ہو گئی ہیں جن کے خیال کرنے سے دل کانپ جاتا ہے اور دفعتاً اُس کی تمام خوبیاں آنکھوں سے چھپ جاتی ہیں۔ تاہم مجموعی حیثیت سے اسلامی ہیروز (نامور لوگ) ہیں وہ ایک نامور ہیرو ہے۔ اور ظلم ہے۔ اگر ایسے بے نظیر شخص کو بقائے دوام کے دربار میں پیش کرنے کے وقت ہم بھی علم فضیون کی طرح چند معمولی الفاظ پر اکتفا کر جائیں۔

افسوس ہے کہ ملکی نظم و نسق کے متعلق ہماری واقفیت بھی محدود ہے۔ جس کا التزام ہماری قلت نظر پر یا اگر پاس ادب نہ ہو تو قدیم مورخوں پر ہو گا۔ جو آنے والی نسلوں کے تاریخی مذاق کا اندازہ نہ کر سکے۔ دوسری قسم کے حالات کے لیے بھی گو مجھ کو ہزاروں ورق لٹنے پڑے ہیں۔ لیکن جو سرمایہ جمع ہو گیا ہے۔ میں اُس کو بہر حال کافی خیال کرتا ہوں۔ اور تدا کا مشکور ہوں۔ کہ جو کچھ ہے انہیں کا ہے۔

اگرچہ یہ حضرات بیزہ چینی اور مختلف پریشان اور گنہگار۔ موقعوں سے پتہ لگانے کی محنت پھر بھی میرے لیے چھوڑ گئے۔

اس حصہ کے آغاز پر **عبدالاد کا** پر اثر نام زیادہ موزون ہو گا جو ایک ستیمک نہ صرف عباسیوں کا بلکہ عموماً اسلامی جاہ و بدل کا مرکز رہا ہے۔

امامون اگرچہ ابتدائی زمانہ میں خراسان کا بادشاہ کہلا یا۔ اور اسی بنا پر بعض یورپی مورخین نے اُس کی نسبت۔ اس باب میں ہمیشہ غلطی کی ہے۔ لیکن امتداد زمانہ اور استقلال خلافت۔ دونوں حیثیت سے اُس کا دار الخلافۃ بغداد کہا جاسکتا ہے۔

نہ خراسان۔ اسلئے پہلے مختصر طور پر ہم اس مشہور شہر کا محل لکھتے ہیں۔

بغداد

بغداد کی جس نے بنیاد ڈالی۔ وہ مامون الرشید کا پڑا دادا ابو جعفر منصور تھا۔ منصور اگرچہ خاندان عباسیہ کا دوسرا ہی خلیفہ تھا اور ۳۳۱ھ میں تخت نشین ہوا تھا۔ تاہم سلطنت کو وسعت اور استحکام۔ دونوں لحاظ سے اب ایک مستقل پائے تخت کی ضرورت تھی منصور نے کوفہ کے نواحی میں ایک عارضی مقام ہاشمیہ اختیار کیا تھا لیکن فرقہ راوندیہ کی بغاوت اور اہل کوفہ کی مشہور بیوفائی نے کوفہ سے اسکا دل پھیر دیا تھا۔ نہایت جستجو اور کوشش اور بہت سے اہل الرائے کے مشورہ کے بعد اس نے وہ مختصر آبادی انتخاب کی جو کسی زمانے میں نو شیراز عادل کے انصاف سے منسوب تھی۔ ادب مختصر ہو ہو اگر بغداد کے نام سے پیکاری جاتی تھی۔

یہ انتخاب ہر لحاظ سے موزوں تھا۔ اس کے دونوں طرف نہایت آباد اور زرخیز صوبے تھے۔ **وجلہ** (ڈیگرس)، اور فرات کے متصل ہونے کی وجہ سے۔ ہندوستان۔ بصرہ۔ واسط۔ مغرب۔ شام۔ مصر۔ آذربایجان۔ دیار بکر۔ وغیرہ کا مشترک تجارت گاہ ہو سکتا تھا۔ آب و ہوا بھی نہایت معتدل۔ اور قریباً ہر مزاج کے مناسب تھی۔ پولٹیکل مصلحتوں کے خیال سے بھی نہایت مناسب مقام تھا۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ تمام ممالک اسلامیہ میں لا جواب تھا نہ تو بالکل عرب کی ناث میں تھا۔ جہاں شامانہ جاہ و شہر اور شخصی حکومت اپنا زور نہیں دکھا سکتی نہ اس قدر دور تھا۔ کہ **عرب** کی قوت و اثر سے بالکل فائدہ نہ اٹھا سکے۔ ان حیثیتوں میں اگر اور کوئی اسلامی شہر اس کا ہمسر ہو سکتا تو صرف دمشق تھا۔ لیکن وہاں کی

۱۱۱۱ بغداد کے متعلق میں نے جو کچھ لکھا ہے مرآت البلدان نامی سے لکھا ہے کہیں کہیں دوسری کتا بوں سے کچھ حالات اضافہ کیے ہیں تو وہاں نوٹ میں خاص حوالے دیدے گئے ہیں۔ ۱۲

۱۱۱۱ بغداد کی وجہ تسمیہ میں یہ روایت۔ غالباً زیادہ اعتبار کے قابل ہے کہ اس کے قریب نو شیراز کا ایک باغ تھا۔ جہاں بیشک وہ مقدمات فیصل کرتا تھا اور اسی وجہ سے وہ باغ داویسے انصاف کا باغ مشہور ہو گیا ۱۲

آب و ہوا میں مردانی حکومت کا زہر آلود اثر اب بھی موجود تھا۔ منصور کو بحالت کے وصف میں
یکتا مانا جاتا تھا۔ لیکن نئی دارا خلافت کے شوق میں اس کی ہمت نے غیر معمولی پٹنایا۔ قیمت
مناسب دیگر راہبوں سے بعد اد کی کل زمین مول لی۔ اور فرامیں بھیج کر۔ شام۔ موصل۔ کوہستان
کوفہ۔ واسطہ۔ سے بڑے بڑے مشہور کاریگر اور صنایع بلائے

مشکلمہ میں خود اپنے ہاتھ سے بنیاد کا پتھر رکھا۔ اور اس قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی
إِنَّا لِلّٰهِ رُفُؤٌ لِّہٖ یُؤْتِیْہُم مِّنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ یعنی زمین کل خدا کی ہے اپنے بندوں میں سے جس
کو چاہتا ہے عنایت کرتا ہے۔ چند ریاضی دان عالم معین کئے کہ عمارتیں اہول ہندی کے لحاظ سے
طیار ہوں۔ امام ابو حنیفہ صاحب کو اس جرم پر کہ وہ منصب قضا کے قبول کر نیکی نسبت خصوصاً
کے اصرار پسند بار نہایت آزادی سے رو کر چکے تھے۔ خشت شماری کا ذلیل کام دیا۔ جس
کو امام صاحب نے قضا کے پر خطہ کام کے مقابلے میں نہایت خوشی سے قبول کیا۔ بنیادینے سے
پچاس ہاتھ چوڑی رکھی گئی۔ لیکن سطح خاک کے برابر آ کر صرت بیس ہاتھ کا عرض کافی سمجھا گیا۔
کہتے ہیں کہ دنیا میں یہی ایک شہر ہے جس کی آبادی بالکل دائرہ کی صورت میں ہے۔ منصور نے
خاص ایوان شاہی مرکز کی طرح میں وسط میں تعمیر کرایا جس سے غالباً یہ اشارہ مقصود تھا کہ حاکمان
حیثیت سے بادشاہ کے ساتھ ہر خاص و عام کو یکساں نسبت ہے۔

شہر پناہ کے چار دروازے تھے۔ اور ہر دروازے سے دوسرے دروازے تک ایک میل کا فاصلہ
تھا۔ تعمیرات کے سلسلے میں۔ ایوان خلافت۔ مسجد جامع۔ قصر الذہب۔ قصر اخلد۔ نہایت بلند اور
شاندہار عمارتیں تھیں۔ لیکن سب کا سرتاج قبة الخضر ایک سبز بلند گنبد تھا جس کا ارتفاع قریباً ۱۰۰ گز
کم نہ تھا نئی آبادی کے بعد بغداد کا نام مدینۃ السلام سے بدل دیا گیا۔ جو عام زبانوں پر محیط
لیکن وفات اور تصنیفات پر عموماً حاکمانہ عزت و زور کے ساتھ قابض ہو گیا۔

منصور نے گو نہایت کفایت شماری سے کام لیا۔ بتے کہ ایک انفسر پر اس حساب میں

۱۰۰ منصور نے امام ابو حنیفہ صاحب کو منصب قضا کے قبول کرنے کے لئے کہا۔ امام صاحب نے فرمایا: میں اس قابل
نہیں منصور نے غیظ میں آ کر کہا: ”تم جھوٹ کہتے ہو“ امام صاحب نے فرمایا: ”تو میرا یہ دعویٰ سچا ہے کہ میں قاضی نہیں ہو سکتا
کیونکہ جھوٹا شخص قاضی کی مقرر ہو سکتا ہے“

سے پندرہ درہم باقی بچے توقید کی سزا دی تاہم جب مصارف تیسرے کا حساب کیا گیا تو معلوم ہوا کہ دفتر خزانہ میں دو کروڑ درہم کی رقم خالی ہو گئی۔

یہ بغداد و جبکاؤں کا منصوبہ تھا۔ لیکن بہت جلد روز افزون ترقی کے ساتھ اس کی اصل ہیئت بھی بدل گئی۔ منصور کے جانشین محمد بن علی نے دار الخلافہ کو جسدہ کی شرقی جانب بدل دیا۔ جس سے شہر کی یہ صورت ہو گئی کہ دو جلیبچ میں آگیا۔ اور اس کے قدرتی منظر میں ایک عجیبے ل فیر ہی پیدا ہو گئی۔ یہ اسلامی شہر ہر عہد میں حیرت انگیز ترقیان حاصل کرتا گیا تیسریا پانویس تک خلفاء و اعیان سلطنت اور بڑے بڑے دولتمند امرائے فیاضانہ بے روک و حیل اس کی آبادی کی رونق بڑھانے میں رقیانہ سرگرمی کے ساتھ صرف ہوا کرتے۔

ہارون الرشید کے وزیر اعظم جعفر بن یونس نے ایک قصر کی تیاری میں جو صرف کروڑا دو منصور کی کل فیاضی کے برابر رہنے دو کروڑ درہم اترے۔ رنگین مزارع میں الرشید نے بھی دو کروڑ سے زائد کی عمارتیں تیار کرائیں۔

مامون الرشید کے عہد میں خاص شہر کی مردم شماری و سنل لاکھ سے زیادہ تھی۔ اثار الدول میں لکھا ہے۔ کہ ایک زمانہ میں تیس ہزار عیدین۔ اور اور و سنل ہزار حمام و ہان موجود تھے۔ گین صاحب لکھتے ہیں کہ شہر بغداد میں اٹھ سو شطیبیوں کو مطلب کرنے کی اجازت تھی۔

بغداد کی مشہور عمارتوں کا تذکرہ ایک مستقل کتاب میں ہو سکتا ہے۔ جس کے لئے ناظرین کو ہمارے اس سلسلہ تصنیف کا منتظر رہنا چاہیے جس کا نام عمارات الاسلام ہو گا لیکن **دار الشجرہ** کے ذکر کے لئے اس مختصر کتاب کو بھی گین صاحب کی تاریخ سے کچھ کم حق حاصل نہیں ہے۔ اس لئے اجمالاً ہم اس کا حال لکھتے ہیں۔ یہ عجیب و غریب

۱۵ دیکھو نجوم ناہرہ فی تاریخ مصر و القاہرہ صفحہ ۶۷۔ مصارف تیسریں مختلف روایتیں ہیں مگر ہم نے ایک متوسط اور مستند روایت اختیار کی ہے۔ درہم چار آنہ کا ہوتا ہے اس حساب سے دو کروڑ درہم کے پچاس لاکھ

روپہ ہوتے۔ ۱۲

۱۶ کا بن لافیر۔ ذکر تباہی خاندان برکتہ۔ ۱۲

۱۷ دائرۃ المصارف۔ تذکرۃ بغداد۔ ۱۲

عمارت خلیفہ المقتدر باللہ نے بنوائی تھی جو ۲۹۵ھ میں تخت نشین ہوا تھا۔ صحن کے ایک وسیع حوض میں سونے کا ایک درخت تھا۔ جس میں سونے چساندی کے بھٹا رہ گئے تھے اور ہر گندے میں بہت سی شاخیں تھیں۔ ہر شاخ میں بیس بہا مختلف رنگوں کے جواہرات ایس خوبی سے مرصع کئے تھے کہ قدرتی پھولوں اور پھولوں کا دھوکا ہوتا تھا۔ نازک ٹہنیوں اور شاخوں پر رنگ برنگ اور مختلف اقسام کے طلائی پرندے تھے اور اس ترکیب سے بنائے تھے کہ ہوا کے چلنے کے وقت سب کے سب اپنے ذاتی نعمات سے خوش اسیمائی کرتے سنائی دیتے تھے۔ حوض کے دونوں جانب پسندیدہ مصنوعی سوار تھے جو نہایت قیمتی دیبا و حریر کے وردیاں پہنے۔ مریخ زین تلواریں لگائے۔ ایس طرح حرکت کرتے نظر آتے تھے کہ گویا ہر سوار اپنے مقابل کے سوار پر حملہ کرنے کے لئے بڑھ رہا ہے۔

بغداد میں خلفاء کا علی رعبے داب گود دہی صدیوں کے بعد جب تار ہا۔ لیکن عام اسلامی غفلت تاتاری سیلاب کے آنے تک قائم رہی۔ استانہ خلافت پر بڑے بڑے ذی اقتدار فرمانروا سجدہ کر جاتے تھے۔ ضعیف سے ضعیف خلیفہ کے سامنے بھی۔ ویلم۔ و سلوق کا سر جھک جاتا تھا۔ محمود غزنوی نے یمن الدولہ کا پرفور خطاب جس سے حاصل کیا تھا وہ بغداد کا ایک مصلوب الاختیارات تخت نشین تھا۔ ہزاروں شعلہ۔ مجتہدیں۔ اہل فن۔ دور و دراز ملکوں سے اگر وہیں پونہ حناک ہو گئے بغداد کے مقبروں نے جن اسلامی جوہروں کو اپنی آغوش میں چھپا رکھا ہے۔ زمانہ سیکڑوں برس کی مدت میں اون کو پیدا کر سکا تھا۔ امام موسیٰ کاظم۔ امام ابو حنیفہ۔ امام احمد حنبل۔ حضرت جنید۔ شیخ شبلی بر معروف کرخی۔ جن کو ہاتھ سے کھودینے کا خود زمانہ کو بھی افسوس ہے گا۔ یمن کی قبرستانی آبادی میں سو ہے ہیں۔

علی فیاضی کے لحاظ سے دیکھو۔ تو جب وہ کچھ نہیں رہا تھا۔ اس وقت بھی تیس بجے بجے کا لکھنؤ شہر کے مشرقی حصہ میں موجود تھے علامہ بن حبیر شاہ مہجری مین جب وہاں پہنچے تو ایک ایک کالج کے شاندار ایوانات اور وسیع سلسلہ عمارات دیکھ کر لے دیکھ کر مہم بلدان۔ ذکر النہرۃ و لکن صاحب کی رومن مہاجر عہد جاسہ ۱۲

کہ کس نشان نہ دہد و رہسان چنان کٹو۔
 ہوائے اویصفت چون نیم جان پرور
 میسان رجمہ خوبان ماہ رخ کمر
 بران صفت کہ پراگندہ سپہ اختر
 بشکل خرب شود بوستان بوقت سحر
 بگاہ بام ہی آن باین دہد اختہ
 چنانکہ در قدح گوہرین مے اصغر
 ہی کنند خبل لہنائے خیناگر۔ ۱۔

خوشا نوا اسی بندہ جائے فضل و ہنر
سودا و کمبش چوں سپرینا رنگ
کنار و جسد ز ترکان سیمت حسیع
ہزار ز ورق خورشید شکل بر سر آب
بشہ باغ شود۔ آسمان بوقت غروب
بوقت شام ہی این بان سپار و گل
شگفتہ نرگس بویا۔ بطرف لالہ ستان
نوائے طوطی و بلبل۔ خروس عکہ و سار

ماسون الرشید جن ممالک کا فرمانروا تھا وہ نہایت مہین سلطنت تھی جو حدود دہند اور تاتار سے بحر اوقیانوس تک پھیلی ہوئی تھی۔ اسلامی دنیا کا کوئی خطہ۔ اسپین کے سوا اس کی حکومت سے آزاد نہ تھا۔ ہندوستان کے سرحدی شہروں میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ شہنشاہ روم گو خود سر فرمانروا تھا۔ تاہم اکثر عداوتات سالانہ خراج دینے پر مجبور ہوتا تھا۔ ہارون الرشید کے عہد میں کل ملک کا خراج آج کل کے حساب سے

۱۵ سفرنامہ ہندوستان - حالات بغداد - ۱۲

اکیس کروڑ پچاس لاکھ روپہ سالانہ تھا۔ مامون کی خلافت نے اس پر بہت کچھ اضافہ کر دیا چند مشہور صنایع اور ہر ایک جداگانہ خراج کا ہم ایک نقشہ درج کرتے ہیں۔ اور چونکہ وہ خاص مامون کے سرکاری کاغذات سے طیار کیا گیا ہے۔ غالباً زیادہ تر اعتبار کے قابل ہوگا

صنایع	خراج
سودا	دو کروڑ اٹھتر لاکھ درہم دو سو سے بجزانی تھے۔ ایک خاص قسم کی مٹی جو مہر کہنے کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ دو سو چالیس رطل۔
لکڑی	ایک کروڑ سولہ لاکھ درہم۔
جسد کے صنایع	دو کروڑ آٹھ درہم
حلوان	اڑتالیس لاکھ درہم
ابواز	پچیس ہزار درہم۔ اور تیس ہزار رطل شکر
فارس	دو کروڑ ستر لاکھ درہم۔ گلاب میں ہزار بوتل زیب سیاہ میں ہزار رطل
کرمان	بیالیس لاکھ درہم۔ مین کے تھان پانسو۔ کجور میں ہزار رطل
مکران	چار لاکھ درہم
سندھ	ایک کروڑ پندرہ لاکھ درہم۔ خود ہندی ڈیرہ سو رطل
سیستان	چالیس لاکھ درہم۔ خاص قسم کے کپڑے میں سو تھان۔ وسانید میں رطل
خراسان	دو کروڑ اسی لاکھ درہم۔ چار ہزار گھوٹے۔ ایک ہزار غلام۔ میں ہزار تھان
	میں ہزار رطل بلید۔ دو ہزار نقد چاندی
جرجان	ایک کروڑ بیس لاکھ درہم۔ ریشم ہزار شقہ۔

۱۰ اس میں میں نے واقعات ذیل پر اعتماد کیا ہے (۱) رشید کے زمانہ میں سالانہ خراج سات ہزار پانچ سو تھان تھا دیکھو مقدمہ بن خلدون۔ فصل دوم کی فصل ۱۰۰۔ ایک تھانہ ہزار پانچ سو دینار کا ہوتا ہے۔ دیکھو ہم البلدان جلد اول صفحہ ۳۲۶ (۲) دینار کم از کم پانچ روپیہ کا ہوتا ہے۔ جیسا کہ گن صاحب دفیہ نے تصدیق کر دی ہے ۱۲

۱۱ علامہ بن خلدون نے اس کا تذکرہ خود کیا تھا اور اس کے حوالے سے تفصیل نقل کی ہے۔ دیکھو مقدمہ ابن خلدون

فصل دوم کی فصل ۱۱۴ ۱۱۵ ۱۱۶ ۱۱۷ ۱۱۸ ۱۱۹ ۱۲۰ ۱۲۱ ۱۲۲ ۱۲۳ ۱۲۴ ۱۲۵ ۱۲۶ ۱۲۷ ۱۲۸ ۱۲۹ ۱۳۰ ۱۳۱ ۱۳۲ ۱۳۳ ۱۳۴ ۱۳۵ ۱۳۶ ۱۳۷ ۱۳۸ ۱۳۹ ۱۴۰ ۱۴۱ ۱۴۲ ۱۴۳ ۱۴۴ ۱۴۵ ۱۴۶ ۱۴۷ ۱۴۸ ۱۴۹ ۱۵۰ ۱۵۱ ۱۵۲ ۱۵۳ ۱۵۴ ۱۵۵ ۱۵۶ ۱۵۷ ۱۵۸ ۱۵۹ ۱۶۰ ۱۶۱ ۱۶۲ ۱۶۳ ۱۶۴ ۱۶۵ ۱۶۶ ۱۶۷ ۱۶۸ ۱۶۹ ۱۷۰ ۱۷۱ ۱۷۲ ۱۷۳ ۱۷۴ ۱۷۵ ۱۷۶ ۱۷۷ ۱۷۸ ۱۷۹ ۱۸۰ ۱۸۱ ۱۸۲ ۱۸۳ ۱۸۴ ۱۸۵ ۱۸۶ ۱۸۷ ۱۸۸ ۱۸۹ ۱۹۰ ۱۹۱ ۱۹۲ ۱۹۳ ۱۹۴ ۱۹۵ ۱۹۶ ۱۹۷ ۱۹۸ ۱۹۹ ۲۰۰ ۲۰۱ ۲۰۲ ۲۰۳ ۲۰۴ ۲۰۵ ۲۰۶ ۲۰۷ ۲۰۸ ۲۰۹ ۲۱۰ ۲۱۱ ۲۱۲ ۲۱۳ ۲۱۴ ۲۱۵ ۲۱۶ ۲۱۷ ۲۱۸ ۲۱۹ ۲۲۰ ۲۲۱ ۲۲۲ ۲۲۳ ۲۲۴ ۲۲۵ ۲۲۶ ۲۲۷ ۲۲۸ ۲۲۹ ۲۳۰ ۲۳۱ ۲۳۲ ۲۳۳ ۲۳۴ ۲۳۵ ۲۳۶ ۲۳۷ ۲۳۸ ۲۳۹ ۲۴۰ ۲۴۱ ۲۴۲ ۲۴۳ ۲۴۴ ۲۴۵ ۲۴۶ ۲۴۷ ۲۴۸ ۲۴۹ ۲۵۰ ۲۵۱ ۲۵۲ ۲۵۳ ۲۵۴ ۲۵۵ ۲۵۶ ۲۵۷ ۲۵۸ ۲۵۹ ۲۶۰ ۲۶۱ ۲۶۲ ۲۶۳ ۲۶۴ ۲۶۵ ۲۶۶ ۲۶۷ ۲۶۸ ۲۶۹ ۲۷۰ ۲۷۱ ۲۷۲ ۲۷۳ ۲۷۴ ۲۷۵ ۲۷۶ ۲۷۷ ۲۷۸ ۲۷۹ ۲۸۰ ۲۸۱ ۲۸۲ ۲۸۳ ۲۸۴ ۲۸۵ ۲۸۶ ۲۸۷ ۲۸۸ ۲۸۹ ۲۹۰ ۲۹۱ ۲۹۲ ۲۹۳ ۲۹۴ ۲۹۵ ۲۹۶ ۲۹۷ ۲۹۸ ۲۹۹ ۳۰۰ ۳۰۱ ۳۰۲ ۳۰۳ ۳۰۴ ۳۰۵ ۳۰۶ ۳۰۷ ۳۰۸ ۳۰۹ ۳۱۰ ۳۱۱ ۳۱۲ ۳۱۳ ۳۱۴ ۳۱۵ ۳۱۶ ۳۱۷ ۳۱۸ ۳۱۹ ۳۲۰ ۳۲۱ ۳۲۲ ۳۲۳ ۳۲۴ ۳۲۵ ۳۲۶ ۳۲۷ ۳۲۸ ۳۲۹ ۳۳۰ ۳۳۱ ۳۳۲ ۳۳۳ ۳۳۴ ۳۳۵ ۳۳۶ ۳۳۷ ۳۳۸ ۳۳۹ ۳۴۰ ۳۴۱ ۳۴۲ ۳۴۳ ۳۴۴ ۳۴۵ ۳۴۶ ۳۴۷ ۳۴۸ ۳۴۹ ۳۵۰ ۳۵۱ ۳۵۲ ۳۵۳ ۳۵۴ ۳۵۵ ۳۵۶ ۳۵۷ ۳۵۸ ۳۵۹ ۳۶۰ ۳۶۱ ۳۶۲ ۳۶۳ ۳۶۴ ۳۶۵ ۳۶۶ ۳۶۷ ۳۶۸ ۳۶۹ ۳۷۰ ۳۷۱ ۳۷۲ ۳۷۳ ۳۷۴ ۳۷۵ ۳۷۶ ۳۷۷ ۳۷۸ ۳۷۹ ۳۸۰ ۳۸۱ ۳۸۲ ۳۸۳ ۳۸۴ ۳۸۵ ۳۸۶ ۳۸۷ ۳۸۸ ۳۸۹ ۳۹۰ ۳۹۱ ۳۹۲ ۳۹۳ ۳۹۴ ۳۹۵ ۳۹۶ ۳۹۷ ۳۹۸ ۳۹۹ ۴۰۰ ۴۰۱ ۴۰۲ ۴۰۳ ۴۰۴ ۴۰۵ ۴۰۶ ۴۰۷ ۴۰۸ ۴۰۹ ۴۱۰ ۴۱۱ ۴۱۲ ۴۱۳ ۴۱۴ ۴۱۵ ۴۱۶ ۴۱۷ ۴۱۸ ۴۱۹ ۴۲۰ ۴۲۱ ۴۲۲ ۴۲۳ ۴۲۴ ۴۲۵ ۴۲۶ ۴۲۷ ۴۲۸ ۴۲۹ ۴۳۰ ۴۳۱ ۴۳۲ ۴۳۳ ۴۳۴ ۴۳۵ ۴۳۶ ۴۳۷ ۴۳۸ ۴۳۹ ۴۴۰ ۴۴۱ ۴۴۲ ۴۴۳ ۴۴۴ ۴۴۵ ۴۴۶ ۴۴۷ ۴۴۸ ۴۴۹ ۴۵۰ ۴۵۱ ۴۵۲ ۴۵۳ ۴۵۴ ۴۵۵ ۴۵۶ ۴۵۷ ۴۵۸ ۴۵۹ ۴۶۰ ۴۶۱ ۴۶۲ ۴۶۳ ۴۶۴ ۴۶۵ ۴۶۶ ۴۶۷ ۴۶۸ ۴۶۹ ۴۷۰ ۴۷۱ ۴۷۲ ۴۷۳ ۴۷۴ ۴۷۵ ۴۷۶ ۴۷۷ ۴۷۸ ۴۷۹ ۴۸۰ ۴۸۱ ۴۸۲ ۴۸۳ ۴۸۴ ۴۸۵ ۴۸۶ ۴۸۷ ۴۸۸ ۴۸۹ ۴۹۰ ۴۹۱ ۴۹۲ ۴۹۳ ۴۹۴ ۴۹۵ ۴۹۶ ۴۹۷ ۴۹۸ ۴۹۹ ۵۰۰ ۵۰۱ ۵۰۲ ۵۰۳ ۵۰۴ ۵۰۵ ۵۰۶ ۵۰۷ ۵۰۸ ۵۰۹ ۵۱۰ ۵۱۱ ۵۱۲ ۵۱۳ ۵۱۴ ۵۱۵ ۵۱۶ ۵۱۷ ۵۱۸ ۵۱۹ ۵۲۰ ۵۲۱ ۵۲۲ ۵۲۳ ۵۲۴ ۵۲۵ ۵۲۶ ۵۲۷ ۵۲۸ ۵۲۹ ۵۳۰ ۵۳۱ ۵۳۲ ۵۳۳ ۵۳۴ ۵۳۵ ۵۳۶ ۵۳۷ ۵۳۸ ۵۳۹ ۵۴۰ ۵۴۱ ۵۴۲ ۵۴۳ ۵۴۴ ۵۴۵ ۵۴۶ ۵۴۷ ۵۴۸ ۵۴۹ ۵۵۰ ۵۵۱ ۵۵۲ ۵۵۳ ۵۵۴ ۵۵۵ ۵۵۶ ۵۵۷ ۵۵۸ ۵۵۹ ۵۶۰ ۵۶۱ ۵۶۲ ۵۶۳ ۵۶۴ ۵۶۵ ۵۶۶ ۵۶۷ ۵۶۸ ۵۶۹ ۵۷۰ ۵۷۱ ۵۷۲ ۵۷۳ ۵۷۴ ۵۷۵ ۵۷۶ ۵۷۷ ۵۷۸ ۵۷۹ ۵۸۰ ۵۸۱ ۵۸۲ ۵۸۳ ۵۸۴ ۵۸۵ ۵۸۶ ۵۸۷ ۵۸۸ ۵۸۹ ۵۹۰ ۵۹۱ ۵۹۲ ۵۹۳ ۵۹۴ ۵۹۵ ۵۹۶ ۵۹۷ ۵۹۸ ۵۹۹ ۶۰۰ ۶۰۱ ۶۰۲ ۶۰۳ ۶۰۴ ۶۰۵ ۶۰۶ ۶۰۷ ۶۰۸ ۶۰۹ ۶۱۰ ۶۱۱ ۶۱۲ ۶۱۳ ۶۱۴ ۶۱۵ ۶۱۶ ۶۱۷ ۶۱۸ ۶۱۹ ۶۲۰ ۶۲۱ ۶۲۲ ۶۲۳ ۶۲۴ ۶۲۵ ۶۲۶ ۶۲۷ ۶۲۸ ۶۲۹ ۶۳۰ ۶۳۱ ۶۳۲ ۶۳۳ ۶۳۴ ۶۳۵ ۶۳۶ ۶۳۷ ۶۳۸ ۶۳۹ ۶۴۰ ۶۴۱ ۶۴۲ ۶۴۳ ۶۴۴ ۶۴۵ ۶۴۶ ۶۴۷ ۶۴۸ ۶۴۹ ۶۵۰ ۶۵۱ ۶۵۲ ۶۵۳ ۶۵۴ ۶۵۵ ۶۵۶ ۶۵۷ ۶۵۸ ۶۵۹ ۶۶۰ ۶۶۱ ۶۶۲ ۶۶۳ ۶۶۴ ۶۶۵ ۶۶۶ ۶۶۷ ۶۶۸ ۶۶۹ ۶۷۰ ۶۷۱ ۶۷۲ ۶۷۳ ۶۷۴ ۶۷۵ ۶۷۶ ۶۷۷ ۶۷۸ ۶۷۹ ۶۸۰ ۶۸۱ ۶۸۲ ۶۸۳ ۶۸۴ ۶۸۵ ۶۸۶ ۶۸۷ ۶۸۸ ۶۸۹ ۶۹۰ ۶۹۱ ۶۹۲ ۶۹۳ ۶۹۴ ۶۹۵ ۶۹۶ ۶۹۷ ۶۹۸ ۶۹۹ ۷۰۰ ۷۰۱ ۷۰۲ ۷۰۳ ۷۰۴ ۷۰۵ ۷۰۶ ۷۰۷ ۷۰۸ ۷۰۹ ۷۱۰ ۷۱۱ ۷۱۲ ۷۱۳ ۷۱۴ ۷۱۵ ۷۱۶ ۷۱۷ ۷۱۸ ۷۱۹ ۷۲۰ ۷۲۱ ۷۲۲ ۷۲۳ ۷۲۴ ۷۲۵ ۷۲۶ ۷۲۷ ۷۲۸ ۷۲۹ ۷۳۰ ۷۳۱ ۷۳۲ ۷۳۳ ۷۳۴ ۷۳۵ ۷۳۶ ۷۳۷ ۷۳۸ ۷۳۹ ۷۴۰ ۷۴۱ ۷۴۲ ۷۴۳ ۷۴۴ ۷۴۵ ۷۴۶ ۷۴۷ ۷۴۸ ۷۴۹ ۷۵۰ ۷۵۱ ۷۵۲ ۷۵۳ ۷۵۴ ۷۵۵ ۷۵۶ ۷۵۷ ۷۵۸ ۷۵۹ ۷۶۰ ۷۶۱ ۷۶۲ ۷۶۳ ۷۶۴ ۷۶۵ ۷۶۶ ۷۶۷ ۷۶۸ ۷۶۹ ۷۷۰ ۷۷۱ ۷۷۲ ۷۷۳ ۷۷۴ ۷۷۵ ۷۷۶ ۷۷۷ ۷۷۸ ۷۷۹ ۷۸۰ ۷۸۱ ۷۸۲ ۷۸۳ ۷۸۴ ۷۸۵ ۷۸۶ ۷۸۷ ۷۸۸ ۷۸۹ ۷۹۰ ۷۹۱ ۷۹۲ ۷۹۳ ۷۹۴ ۷۹۵ ۷۹۶ ۷۹۷ ۷۹۸ ۷۹۹ ۸۰۰ ۸۰۱ ۸۰۲ ۸۰۳ ۸۰۴ ۸۰۵ ۸۰۶ ۸۰۷ ۸۰۸ ۸۰۹ ۸۱۰ ۸۱۱ ۸۱۲ ۸۱۳ ۸۱۴ ۸۱۵ ۸۱۶ ۸۱۷ ۸۱۸ ۸۱۹ ۸۲۰ ۸۲۱ ۸۲۲ ۸۲۳ ۸۲۴ ۸۲۵ ۸۲۶ ۸۲۷ ۸۲۸ ۸۲۹ ۸۳۰ ۸۳۱ ۸۳۲ ۸۳۳ ۸۳۴ ۸۳۵ ۸۳۶ ۸۳۷ ۸۳۸ ۸۳۹ ۸۴۰ ۸۴۱ ۸۴۲ ۸۴۳ ۸۴۴ ۸۴۵ ۸۴۶ ۸۴۷ ۸۴۸ ۸۴۹ ۸۵۰ ۸۵۱ ۸۵۲ ۸۵۳ ۸۵۴ ۸۵۵ ۸۵۶ ۸۵۷ ۸۵۸ ۸۵۹ ۸۶۰ ۸۶۱ ۸۶۲ ۸۶۳ ۸۶۴ ۸۶۵ ۸۶۶ ۸۶۷ ۸۶۸ ۸۶۹ ۸۷۰ ۸۷۱ ۸۷۲ ۸۷۳ ۸۷۴ ۸۷۵ ۸۷۶ ۸۷۷ ۸۷۸ ۸۷۹ ۸۸۰ ۸۸۱ ۸۸۲ ۸۸۳ ۸۸۴ ۸۸۵ ۸۸۶ ۸۸۷ ۸۸۸ ۸۸۹ ۸۹۰ ۸۹۱ ۸۹۲ ۸۹۳ ۸۹۴ ۸۹۵ ۸۹۶ ۸۹۷ ۸۹۸ ۸۹۹ ۹۰۰ ۹۰۱ ۹۰۲ ۹۰۳ ۹۰۴ ۹۰۵ ۹۰۶ ۹۰۷ ۹۰۸ ۹۰۹ ۹۱۰ ۹۱۱ ۹۱۲ ۹۱۳ ۹۱۴ ۹۱۵ ۹۱۶ ۹۱۷ ۹۱۸ ۹۱۹ ۹۲۰ ۹۲۱ ۹۲۲ ۹۲۳ ۹۲۴ ۹۲۵ ۹۲۶ ۹۲۷ ۹۲۸ ۹۲۹ ۹۳۰ ۹۳۱ ۹۳۲ ۹۳۳ ۹۳۴ ۹۳۵ ۹۳۶ ۹۳۷ ۹۳۸ ۹۳۹ ۹۴۰ ۹۴۱ ۹۴۲ ۹۴۳ ۹۴۴ ۹۴۵ ۹۴۶ ۹۴۷ ۹۴۸ ۹۴۹ ۹۵۰ ۹۵۱ ۹۵۲ ۹۵۳ ۹۵۴ ۹۵۵ ۹۵۶ ۹۵۷ ۹۵۸ ۹۵۹ ۹۶۰ ۹۶۱ ۹۶۲ ۹۶۳ ۹۶۴ ۹۶۵ ۹۶۶ ۹۶۷ ۹۶۸ ۹۶۹ ۹۷۰ ۹۷۱ ۹۷۲ ۹۷۳ ۹۷۴ ۹۷۵ ۹۷۶ ۹۷۷ ۹۷۸ ۹۷۹ ۹۸۰ ۹۸۱ ۹۸۲ ۹۸۳ ۹۸۴ ۹۸۵ ۹۸۶ ۹۸۷ ۹۸۸ ۹۸۹ ۹۹۰ ۹۹۱ ۹۹۲ ۹۹۳ ۹۹۴ ۹۹۵ ۹۹۶ ۹۹۷ ۹۹۸ ۹۹۹ ۱۰۰۰ ۱۰۰۱ ۱۰۰۲ ۱۰۰۳ ۱۰۰۴ ۱۰۰۵ ۱۰۰۶ ۱۰۰۷ ۱۰۰۸ ۱۰۰۹ ۱۰۱۰ ۱۰۱۱ ۱۰۱۲ ۱۰۱۳ ۱۰۱۴ ۱۰۱۵ ۱۰۱۶ ۱۰۱۷ ۱۰۱۸ ۱۰۱۹ ۱۰۲۰ ۱۰۲۱ ۱۰۲۲ ۱۰۲۳ ۱۰۲۴ ۱۰۲۵ ۱۰۲۶ ۱۰۲۷ ۱۰۲۸ ۱۰۲۹ ۱۰۳۰ ۱۰۳۱ ۱۰۳۲ ۱۰۳۳ ۱۰۳۴ ۱۰۳۵ ۱۰۳۶ ۱۰۳۷ ۱۰۳۸ ۱۰۳۹ ۱۰۴۰ ۱۰۴۱ ۱۰۴۲ ۱۰۴۳ ۱۰۴۴ ۱۰۴۵ ۱۰۴۶ ۱۰۴۷ ۱۰۴۸ ۱۰۴۹ ۱۰۵۰ ۱۰۵۱ ۱۰۵۲ ۱۰۵۳ ۱۰۵۴ ۱۰۵۵ ۱۰۵۶ ۱۰۵۷ ۱۰۵۸ ۱۰۵۹ ۱۰۶۰ ۱۰۶۱ ۱۰۶۲ ۱۰۶۳ ۱۰۶۴ ۱۰۶۵ ۱۰۶۶ ۱۰۶۷ ۱۰۶۸ ۱۰۶۹ ۱۰۷۰ ۱۰۷۱ ۱۰۷۲ ۱۰۷۳ ۱۰۷۴ ۱۰۷۵ ۱۰۷۶ ۱۰۷۷ ۱۰۷۸ ۱۰۷۹ ۱۰۸۰ ۱۰۸۱ ۱۰۸۲ ۱۰۸۳ ۱۰۸۴ ۱۰۸۵ ۱۰۸۶ ۱۰۸۷ ۱۰۸۸ ۱۰۸۹ ۱۰۹۰ ۱۰۹۱ ۱۰۹۲ ۱۰۹۳ ۱۰۹۴ ۱۰۹۵ ۱۰۹۶ ۱۰۹۷ ۱۰۹۸ ۱۰۹۹ ۱۱۰۰ ۱۱۰۱ ۱۱۰۲ ۱۱۰۳ ۱۱۰۴ ۱۱۰۵ ۱۱۰۶ ۱۱۰۷ ۱۱۰۸ ۱۱۰۹ ۱۱۱۰ ۱۱۱۱ ۱۱۱۲ ۱۱۱۳ ۱۱۱۴ ۱۱۱۵ ۱۱۱۶ ۱۱۱۷ ۱۱۱۸ ۱۱۱۹ ۱۱۲۰ ۱۱۲۱ ۱۱۲۲ ۱۱۲۳ ۱۱۲۴ ۱۱۲۵ ۱۱۲۶ ۱۱۲۷ ۱۱۲۸ ۱۱۲۹ ۱۱۳۰ ۱۱۳۱ ۱۱۳۲ ۱۱۳۳ ۱۱۳۴ ۱۱۳۵ ۱۱۳۶ ۱۱۳۷ ۱۱۳۸ ۱۱۳۹ ۱۱۴۰ ۱۱۴۱ ۱۱۴۲ ۱۱۴۳ ۱۱۴۴ ۱۱۴۵ ۱۱۴۶ ۱۱۴۷ ۱۱۴۸ ۱۱۴۹ ۱۱۵۰ ۱۱۵۱ ۱۱۵۲ ۱۱۵۳ ۱۱۵۴ ۱۱۵۵ ۱۱۵۶ ۱۱۵۷ ۱۱۵۸ ۱۱۵۹ ۱۱۶۰ ۱۱۶۱ ۱۱۶۲ ۱۱۶۳ ۱۱۶۴ ۱۱۶۵ ۱۱۶۶ ۱۱۶۷ ۱۱۶۸ ۱۱۶۹ ۱۱۷۰ ۱۱۷۱ ۱۱۷۲ ۱۱۷۳ ۱۱۷۴ ۱۱۷۵ ۱۱۷۶ ۱۱۷۷ ۱۱۷۸ ۱۱۷۹ ۱۱۸۰ ۱۱۸۱ ۱۱۸۲ ۱۱۸۳ ۱۱۸۴ ۱۱۸۵ ۱۱۸۶ ۱۱۸۷ ۱۱۸۸ ۱۱۸۹ ۱۱۹۰ ۱۱۹۱ ۱۱۹۲ ۱۱۹۳ ۱۱۹۴ ۱۱۹۵ ۱۱۹۶ ۱۱۹۷ ۱۱۹۸ ۱۱۹۹ ۱۲۰۰ ۱۲۰۱ ۱۲۰۲ ۱۲۰۳ ۱۲۰۴ ۱۲۰۵ ۱۲۰۶ ۱۲۰۷ ۱۲۰۸ ۱۲۰۹ ۱۲۱۰ ۱۲۱۱ ۱۲۱۲ ۱۲۱۳ ۱۲۱۴ ۱۲۱۵ ۱۲۱۶ ۱۲۱۷ ۱۲۱۸ ۱۲۱۹ ۱۲۲۰ ۱۲۲۱ ۱۲۲۲ ۱۲۲۳ ۱۲۲۴ ۱۲۲۵ ۱۲۲۶ ۱۲۲۷ ۱۲۲۸ ۱۲۲۹ ۱۲۳۰ ۱۲۳۱ ۱۲۳۲ ۱۲۳۳ ۱۲۳۴ ۱۲۳۵ ۱۲۳۶ ۱۲۳۷ ۱۲۳۸ ۱۲۳۹ ۱۲۴۰ ۱۲۴۱ ۱۲۴۲ ۱۲۴۳ ۱۲۴۴ ۱۲۴۵ ۱۲۴۶ ۱۲۴۷ ۱۲۴۸ ۱۲۴۹ ۱۲۵۰ ۱۲۵۱ ۱۲۵۲ ۱۲۵۳ ۱۲۵۴ ۱۲۵۵ ۱۲۵۶ ۱۲۵۷ ۱۲۵۸ ۱۲۵۹ ۱۲۶۰ ۱۲۶۱ ۱۲۶۲ ۱۲۶۳ ۱۲۶۴ ۱۲۶۵ ۱۲۶۶ ۱۲۶۷ ۱۲۶۸ ۱۲۶۹ ۱۲۷۰ ۱۲۷۱ ۱۲۷۲ ۱۲۷۳ ۱۲۷۴ ۱۲۷۵ ۱۲۷۶ ۱۲۷۷ ۱۲۷۸ ۱۲۷۹ ۱۲۸۰ ۱۲۸۱ ۱۲۸۲ ۱۲۸۳ ۱۲۸۴ ۱۲۸۵ ۱۲۸۶ ۱۲۸۷ ۱۲۸۸ ۱۲۸۹ ۱۲۹۰ ۱۲۹۱ ۱۲۹۲ ۱۲۹۳ ۱۲۹۴ ۱۲۹۵ ۱۲۹۶ ۱۲۹۷ ۱۲۹۸ ۱۲۹۹ ۱۳۰۰ ۱۳۰۱ ۱۳۰۲ ۱۳۰۳ ۱۳۰۴ ۱۳۰۵ ۱۳۰۶ ۱۳۰۷ ۱۳۰۸ ۱۳۰۹ ۱۳۱۰ ۱۳۱۱ ۱۳۱۲ ۱۳۱۳ ۱۳۱۴ ۱۳۱۵ ۱۳۱۶ ۱۳۱۷ ۱۳۱۸ ۱۳۱۹ ۱۳۲۰ ۱۳۲۱ ۱۳۲۲ ۱۳۲۳ ۱۳۲۴ ۱۳۲۵ ۱۳۲۶ ۱۳۲۷ ۱۳۲۸ ۱۳۲۹ ۱۳۳۰ ۱۳۳۱ ۱۳۳۲ ۱۳۳۳ ۱۳۳۴ ۱۳۳۵ ۱۳۳۶ ۱۳۳۷ ۱۳۳۸ ۱۳۳۹ ۱۳۴۰ ۱۳۴۱ ۱۳۴۲ ۱۳۴۳ ۱۳۴۴ ۱۳۴۵ ۱۳۴۶ ۱۳۴۷ ۱۳۴۸ ۱۳۴۹ ۱۳۵۰ ۱۳۵۱ ۱۳۵۲ ۱۳۵۳ ۱۳۵۴ ۱۳۵۵ ۱۳۵۶ ۱۳۵۷ ۱۳۵۸ ۱۳۵۹ ۱۳۶۰ ۱۳۶۱ ۱۳۶۲ ۱۳۶۳ ۱۳۶۴ ۱۳۶۵ ۱۳۶۶ ۱۳۶۷ ۱۳۶۸ ۱۳۶۹ ۱۳۷۰ ۱۳۷۱ ۱۳۷۲ ۱۳۷۳ ۱۳۷۴ ۱۳۷۵ ۱۳۷۶ ۱۳۷۷ ۱۳۷۸ ۱۳۷۹ ۱۳۸۰ ۱۳۸۱ ۱۳۸۲ ۱۳۸۳ ۱۳۸۴ ۱۳۸۵ ۱۳۸۶ ۱۳۸۷ ۱۳۸۸ ۱۳۸۹ ۱۳۹۰ ۱۳۹۱ ۱۳۹۲ ۱۳۹۳ ۱۳۹۴ ۱۳۹۵ ۱۳۹۶ ۱۳۹۷ ۱۳۹۸ ۱۳۹۹ ۱۴۰۰ ۱۴۰۱ ۱۴۰۲ ۱۴۰۳ ۱۴۰۴ ۱۴۰۵ ۱۴۰۶ ۱۴۰۷ ۱۴۰۸ ۱۴۰۹ ۱۴۱۰ ۱۴۱۱ ۱۴۱۲ ۱۴۱۳ ۱۴۱۴ ۱۴۱۵ ۱۴۱۶ ۱۴۱۷ ۱۴۱۸ ۱۴۱۹ ۱۴۲۰ ۱۴۲۱ ۱۴۲۲ ۱۴۲۳ ۱۴۲۴ ۱۴۲۵ ۱۴۲۶ ۱۴۲۷ ۱۴۲۸ ۱۴۲۹ ۱۴۳۰ ۱۴۳۱ ۱۴۳۲ ۱۴۳۳ ۱۴۳۴ ۱۴۳۵ ۱۴۳۶ ۱۴۳۷ ۱۴۳۸ ۱۴۳۹ ۱۴۴۰ ۱۴۴۱ ۱۴۴۲ ۱۴۴۳ ۱۴۴۴ ۱۴۴۵ ۱۴۴۶ ۱۴۴۷ ۱۴۴۸ ۱۴۴۹ ۱۴۵۰ ۱۴۵۱ ۱۴۵۲ ۱۴۵۳ ۱۴۵۴ ۱۴۵۵ ۱۴۵۶ ۱۴۵۷ ۱۴۵۸ ۱۴۵۹ ۱۴۶۰ ۱۴۶۱ ۱۴۶۲ ۱۴۶۳ ۱۴۶۴ ۱۴۶۵ ۱۴۶۶ ۱۴۶۷ ۱۴۶۸ ۱۴۶۹ ۱۴۷۰ ۱۴۷۱ ۱۴۷۲ ۱۴۷۳ ۱۴۷۴ ۱۴۷۵ ۱۴۷۶ ۱۴۷۷ ۱۴۷۸ ۱۴۷۹ ۱۴۸۰ ۱۴۸۱ ۱۴۸۲ ۱۴۸۳ ۱۴۸۴ ۱۴۸۵ ۱۴۸۶ ۱۴۸۷ ۱۴۸۸ ۱۴۸۹ ۱۴۹۰ ۱۴۹۱ ۱۴۹۲ ۱۴۹۳ ۱۴۹۴ ۱۴۹۵ ۱۴۹۶ ۱۴۹۷ ۱۴۹۸ ۱۴۹۹ ۱۵۰۰ ۱۵۰۱ ۱۵۰۲ ۱۵۰۳ ۱۵۰۴ ۱۵۰۵ ۱۵۰۶ ۱۵۰۷ ۱۵۰۸ ۱۵۰۹ ۱۵۱۰ ۱۵۱۱ ۱۵۱۲ ۱۵۱۳ ۱۵۱۴ ۱۵۱۵ ۱۵۱۶ ۱۵۱۷ ۱۵۱۸ ۱۵۱۹ ۱۵۲۰ ۱۵۲۱ ۱۵۲۲ ۱۵۲۳ ۱۵۲۴ ۱۵۲۵ ۱۵۲۶ ۱۵۲۷ ۱۵۲۸ ۱۵۲۹ ۱۵۳۰ ۱۵۳۱ ۱۵۳۲ ۱۵۳۳ ۱۵۳۴ ۱۵۳۵ ۱۵۳۶ ۱۵۳۷ ۱۵۳۸ ۱۵۳۹ ۱۵۴۰ ۱۵۴۱ ۱۵۴۲ ۱۵۴۳ ۱۵۴۴ ۱۵۴۵ ۱۵۴۶ ۱۵۴۷ ۱۵۴۸ ۱۵۴۹ ۱۵۵۰ ۱۵۵۱ ۱۵۵۲ ۱۵۵۳ ۱۵۵۴ ۱۵۵۵ ۱۵۵۶ ۱۵۵۷ ۱۵۵۸ ۱۵۵۹ ۱۵۶۰ ۱۵۶۱ ۱۵۶۲ ۱۵۶۳ ۱۵۶۴ ۱۵۶۵ ۱۵۶۶ ۱۵۶۷ ۱۵۶۸ ۱۵۶۹

ضلع	خراج
قومیں	دس لاکھ درہم - پانچ لاکھ نقرہ چاندی
رے	ایک کروڑ بیس لاکھ درہم - شہد بیس ہزار رطل
طبرستان و دیان	ترہ لاکھ درہم - طبرستان فی فرش چہ تلو - چادرین دوتلو
وہناوند	کپڑے پانچ سو تھان - مسندیل تین سو - جامات تین سو -
ہمدان	ایک کروڑ تیرہ لاکھ درہم - ربہ الرمانیں ہزار رطل - شہد بارہ ہزار رطل
بصرہ و کوفہ کے	ایک کروڑ سات لاکھ درہم
درمیان فی اضلاع	
مابعدان و دینور	چالیس لاکھ درہم
شہر زور	سیر سٹھ لاکھ درہم
موصل	دو کروڑ چالیس لاکھ درہم - شہد سپید دو کروڑ رطل
آذربایجان	چالیس لاکھ درہم
جزیرہ سیخ	تین کروڑ چالیس لاکھ درہم - غلام ایک ہزار شہد بارہ ہزار مشک
فرات	باز دس - چادرین بیس
آرمینہ	ایک کروڑ بیس لاکھ درہم - فرش مخفوری بیس - زقم پانچ سو رطل
"	مسایح سورما ہی دس ہزار رطل - صوبج دس ہزار رطل - چمر دو سو
"	پچھیسے تیس
قفسیرین	چار لاکھ دینار - زیت ہزار حمل
دمشق	چار لاکھ بیس ہزار دینار
اردون	ستاونے ہزار دینار
فلسطین	تین لاکھ دس ہزار دینار - زیت تین لاکھ رطل
مصر	آئیس لاکھ بیس ہزار دینار -
۱۵ زقم ایک سو کا پہل ہوتا ہے ۱۲	

خراج

ضلع

برقہ	دس لاکھ درہم۔
اسنہریقہ	ایک کروڑ تیس لاکھ درہم۔ فشرش ایک سو بیس
بین	تیس لاکھ ستر ہزار و نیار۔ مستلح مینی اسس کے علاوہ۔
حجاز	تیس لاکھ و نیار

یہ صرف خراج کی مد سے وصول ہوتا تھا۔ جزیہ جس کی تفصیل ہم آگے لکھیں گے اس سے الگ ہے ہر ایک قسم جو بیت المال یعنی خزانہ شاہی میں داخل ہوتی تھی۔ اس کی چار قسم میں تھیں خراج عشر۔ جزیہ۔ زکوٰۃ۔

مامون نے خراج و زکوٰۃ و جزیہ کا جس کو اہل کی زبان میں لگان و ٹکس کہہ سکتے ہیں کوئی جدا گانہ قانون نہیں بنایا تھا۔ بلکہ اس سے پہلے عادل و فیاض جانشینان اسلام کا جو کچھ دستور العمل تھا وہی اس کے عہد میں بھی بحال رہا اس لیے ہم ان قوانین کی تفصیل بتانے میں مجبوراً مامون کے ماقبل زمانہ پر نگاہ ڈالیں گے۔ اور ہم کو ایسا دے۔ کہ ناظرین حصار از بحث کا لقب نہ دیں گے۔ ہاں یہ ضرور ہے۔ کہ مذہبی بحث کے ہم کو سروکار نہ ہوگا۔ اور جو کچھ لکھیں گے تاریخی پہلو سے لکھیں گے جس طرح یورپ میں مصنفین ہمیشہ عام واقعات کے تذکرے میں بھی جستہ جستہ مذہب کا نام لیتے ہیں اور شاہان اسلام کے ذاتی افعال مذہب سے جدا نہیں کر سکتے۔ ہم ایسا نہ کریں گے خراج اور عشر زمین سے متعلق ہیں اور دوبائی۔ ایک قسم کے ٹکس ہیں۔ جو مسلمان رعایا اور دوسرے مذہب والوں سے وصول کیے جاتے تھے۔ اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ مامون اور اس کے اسلاف عام اصول سلطنت میں آنحضرت صلعم اور خلفائے راشدین کے طریق عمل کو رہنما سمجھتے تھے۔ اور ایسی نئی و نئی باتیں نہ کر سکتے تھے کہ مامون کے عہد کا قانون لگان و ٹکس بھی تشریب تشریب ہی ہوگا جو کسی زمانہ پر مشتمل ہیں تیار ہوا ہوگا لیکن ہم کو یہ صاف بتا دینا چاہیے کہ عشر و خراج و جزیہ مصطلح معنوں میں مذہبی الفاظ نہیں ہیں۔ اور اس لیے ہم کو اس دہو کہ مین نہ پڑنا چاہیے کہ

فقہ کی کتابوں میں ان کے متعلق جو تفصیلیں اور قاعدے مذکور ہیں وہ لفظی یا خلفاءِ مسلمین اسلام کے متفقہ اور مسلمہ علی قاعدے ہیں بے شبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خراج ایک تمدنی قانون کی صورت پکڑ چکا تھا۔ اور اس وجہ سے جیسا موقع ہوا۔ خراج۔ عشر۔ جزیرہ سب کچھ وصول کیا گیا۔ لیکن یہ دعوے کرنا فضول ہے۔ کہ ان متعلق شراسع علیہ السلام نے کچھ خاص قاعدے طے کر دیے تھے۔ عام ملکی قوانین کی طرح یہ باتیں بھی ہر جائزہ تحت نشین اسلام کی رائے پر چھوڑ دی گئی تھیں اور یہی وجہ تھی کہ خلفاء و سلاطین کے مختلف عہدوں میں خاص خاص ملکی مصالحتیں ان میں تبدیلیاں پیدا کرتی رہیں۔ اب ہم عالم طرح پر خراج و عشر کے متعلق چند قواعد بیان کرتے ہیں۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یا خلفاء کے عہد میں معمول رہے ہیں اور امامون کی خلافت میں بھی تسریب تسریب اسی پر عمل درآمد رہا۔

۱۶) جو زمین نہروں کے قدرتی پانی سے سیراب ہوتی ہو۔ یا

۱۷) جو زمین فوج کو (جسے اس حصہ ملک کو فتح کیا ہے) تقسیم کر دی گئی ہو۔ یا

۱۸) جس مقام کے باشندے فوج کشی کے وقت اسلام قبول کر چکے ہوں۔ ان یتوں حالتوں میں وہ زمین عشری ہوگی۔ یعنی اس کی پیدوار سے صرف دسواں حصہ وصول کیا جائیگا۔ اور یہی اس کا خراج سمجھا جائے گا۔

ان یتوں قسموں کے علاوہ جو زمین ہے وہ خراجی ہے۔ عام اس سے کہ مسلمان رعایا کے قبضہ میں ہو یا غیر قوم کے۔ اگر کوئی شخص عشری زمین میں پرتی ڈال دے تو اس سے کچھ نہیں لیا جائیگا۔ خراجی زمین میں یہ نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص ایک برس پرتی ڈال کر دس سال کاشت کرے تو ایک ہی سال کا خراج دینا ہوگا۔ جس زمین پر دکانیں بنالی جائیں وہ عموماً عشری خراج سے معاف ہیں۔ اگر کھیتی لے کو کوئی آفت پہنچے تو خراج معاف ہو جائے گا

مذکورہ بالا قسموں میں سے دو پہلی قسم کی عشری زمینیں بہت کم تھیں۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں سواد عراق کی بالکل پیمائش ہو چکی تھی۔ اور مختلف شروطن کی جمع باندہ دی گئی تھی

ملک شام کے فاتحین نے البتہ سخت اصرار کیا وہاں کی زمین اُن کو بانٹ دی جائے لیکن حضرت عمرؓ کی فیاض دلی کسی طرح اُن کو فاتحین کی رائے پر رائل نہ ہونے دیتی تھی۔ بالآخر ایک نصیحتی سند پر یہی فیصلہ ہوا کہ پہلے قابضین بے دخل نہ کیئے جاویں۔

مصر میں بھی آپؓ نے تاکید فرمائی کہ اہل فوج قطعاً زمینداری اور کاشت کرنے پائیں۔ اس حکم کے خلاف ایک شخص نے کچھ زمین کاشت کی۔ تو آپؓ نے اُس کو پکڑا لیا۔ اور نہایت سخت نرا دینی چاہی۔ لیکن اس نے قطعی توبہ سے اپنا تصور معاف کر لیا۔

عشر اور خراج کے احکام مسلمان اور دوسرے مذہب والی رعایا سے جنگ و اسلام کی حمایت میں آجائے ذمی کا لقب ملا ہے۔ قریب قریب یکساں متعلق ہیں۔ خراجی زمین کسی کے قبضہ میں ہو ایک شرح سے لگان لیا جاتا تھا۔ عشری زمین میں امام محمدؒ و سفیان ثوریؒ کی عام تجویز یہی ہے کہ چونکہ تخصیص لگان میں صرف زمین کی حیثیت ملحوظ ہوتی ہے اس لئے اس قسم کی زمین اگر ذمی کے قبضہ میں ہو تو اس سے بھی وہی عشر لیا جاتے گا۔ حضرت عمرؓ نے قوم بطن سے عشر ہی لیا تھا۔ امام مالکؒ گو مبارک میں کسی تدریجیوں کے ساتھ سختی کرتے ہیں۔ تاہم اس حالت میں کہ ذمی کسی دوسرے شہر یا قصبہ میں عشری زمین خریدے اُن کا فیصلہ بھی وہی ہے جو امام محمدؒ کا ہے۔

خراج کی کوئی معین شرح نہ تھی لیکن یہ اصول عامۃ ملحوظ رہتا تھا کہ کسی حالت میں نصف آمدنی سے زائد نہ لیا جاوے۔

حضرت عمرؓ نے سوا کے کل اسلخ کی پیمائش کرائی تھی۔ جو میں کروڑ ساٹھ لاکھ جریب شراور ذیل کی شرح سے لگان مقرر کی۔

۱۵ ازادہ انخفاہ - جلد دوم صفحہ ۱۳۸ - ۱۲

۱۶ حسن الماخرۃ - جلد اول صفحہ ۹۳ - مطبوعہ مصر ۱۳۹۹ م

۱۷ فتوح البلدان صفحہ ۵۷ - طرہ ۱۰۵۹

۱۸ ازادہ انخفاہ جلد دوم صفحہ ۱۳۲

نخلستان	فی جریب یعنی پون بیگہ نہجہ	۱۰ درہم سال
انگور	"	"
نیشکر	"	۶ درہم
گیہون	"	ایک درہم و ایک صاع غلامہ
جو	"	ایک درہم صاع
روٹی	"	۵ درہم

مصر کا خراج بحساب فی جریب ایک دینار دینی پانچ روپہ مقرر ہوا۔ اور عسکری المامون نے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے مصر کے گورنر تھے یہ عہد لکھ دیا کہ اس شرح سے کبھی زائد نہ لیا جاویگا۔ اس لحاظ سے مصر کا بندوبست استمراری سمجھنا چاہیے۔ لیکن یہ شرحیں انتہائی کم ہیں۔ اور خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں اکثر اوقات ان میں تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ حضرت علی نے اور بھی تخفیف کی۔ تمام ان علاقوں میں جو نہر فرات سے سیراب ہوتے تھے بشرح ذیل لگان مقرر کی تھی اور روٹی۔ تل۔ مقانی اور تمام قسم کی بقولات۔ اور ترکاریوں کی زمین گھوٹا خراج سے معاف کر دی۔

گیہون کی اول درجہ کی زمین فی جریب ڈیڑھ درہم اور صاع غلامہ متوسط درجہ " ایک درہم ادنیٰ درجہ " درہم کی دو تہائی

جو۔ کی زمین پر اسی حساب سے گیہون کا نصف تھا۔

قریباً اسی شرح کا خراج تمام ممالک اسلامی میں جاری تھا۔ اور مسلمان و ذمی دینی دوسرے مذہب والے دونوں پر یکساں اثر رکھتا تھا۔ البتہ سواد کے علاقوں میں عہد کی عباسی نے لوگوں کی درخواست پر نصف کے حسابے بٹائی کر دی تھی۔ لیکن

اس باب میں فتوح البلدان دہلیہ کی روایتیں مختلف ہیں۔ جس نے ہدایہ کی روایت لی ہے۔

۱۱ صاع قیریا۔ پونے چار سیر کا ہوتا ہے ۱۲ صاع فتوح البلدان صفحہ ۶۷ و ۶۸ مطبوعہ علیڈن۔ ہالند ۱۲

۱۳ دیکھو فتوح البلدان از صفحہ ۶۶ تا ۶۷ - ۱۲

مامون الرشید نے سترہ مہینے میں یہ شرح گشا کر دو جس کر دی۔

خراج کا ہلکا ہونا کچھ تو اس وجہ سے تھا کہ اسلام کے جانشینوں میں اب تک اسلام کا بے حرص اور فیاضانہ اثر پایا جاتا تھا اور زیادہ تر اس وجہ سے کہ ابتدائی زمانہ میں عرب کے سادہ مزاج فاتح جو اپنے بے روک ہاتھوں سے دنیا کا مربع الٹ پلٹ کر رہے تھے ریختان سے اٹھکر گئے تھے۔ اور جو کچھ بلاتا تھا ان کی متانہ طبیعت کے پئے کافی تھا۔ یہ وہ لوگ تھے کہ ان میں سے جب ایک ممتاز شخص نے ایک معرکہ میں صرف ہزار درہم پر ایک نہایت دولت مند کافر سے صلح کر لی۔ اور لوگوں نے ان سے کہا کہ دو تم نے بہت سستا بیچا۔ وہ انہوں نے نہایت تعجب سے جواب دیا کہ کیا وہ ہزار سے بھی کوئی زائد عدد دہنہ اس پر خلفائے راشدین کے عہد میں یہ عام قاعدہ تھا کہ ایک مسلمان جن شرائط پر کسی قوم سے معاہدہ کرے خلیفہ وقت کو اس کی پابندی لازم ہوگی۔ فتوحات کی تاریخ اٹھا کر دیکھو۔ سیکڑوں مثالیں پاؤ گے کہ فوج اسلام نے ایران۔ ارمینہ۔ مصر۔ شام کے اضلاع میں نہایت خفیف رقم پر صلح کر لی اور خلیفہ وقت کے حکم سے وہی بحال رہی۔ دولت بنی امیہ۔ اور عباسیہ نے کچھ اضافہ کیا۔ مگر اصل پیاوار کے لحاظ سے دیکھو تو وہ بھی کچھ نہ تھا۔

زکوٰۃ مسلمانوں کے ساتھ خاص تھی۔ اور سونے چاندی۔ اونٹ۔ گائے۔ بکری سب پر جب داگنا نہ شرعی مقرر تھیں۔ حقیقت میں یہ نہایت سخت کس تھا۔ جبکہ اسلام نے خود اپنے اوپر گوارا کر لیا تھا۔

دو میٹوں پر جزیہ تھا۔ گو وہ ایک نہایت خفیف رقم تھی اور زکوٰۃ کے مقابلہ میں تو گویا کچھ بھی نہ تھی۔ لیکن تعجب ہے کہ دوسری قوموں نے مسلمانوں کو تعصب کا الزام دینے میں پیشہ پڑے زور شور سے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ ہلکا گس جس کے نام سے یورپین مصنف

لے کال بن الاثیر۔ واقعات سترہ ۱۲ جزیہ کی تحقیق میں کہ وہ کس زبان کا لفظ ہے اور کس زمانہ سے اس کا رواج ہے اور یہ کہ اسلام میں کس مقصد سے وہ اختیار کیا گیا۔ میرا ایک مستقل رسالہ ہے جو حال طبع ہوا ہے۔ اور گزری درستہ معلوم کے پاس درخواست بھیجنے سے ملتا ہے۔ نیز اخیر میں اس کتاب کے وہ بھی شامل ہے۔ ۱۲

۱۵ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جو ستہ اور اسکے قرب و جوار کے مسافعات میں جزیرہ باطل سمات کر دیا گیا تھا۔ یہ کچھ فتوح البلدان صفحہ ۱۵۹ ماریہ قبیلہ کے ہون بھی جزیرہ سے سمات کر دئے گئے تھے۔ دیکھو فتوح البلدان صفحہ ۲۱۹

۱۶ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں نطس و الوہر اسی شرح سے جزیرہ مقرر ہوا تھا۔ دیکھو فتوح البلدان صفحہ ۳۰۱

۱۷ فتوح البلدان صفحہ ۱۴۹ سے انانات مختار۔ جلد دوم۔ صفحہ ۷۳۔

مامون الرشید اور عمو ثانی کے دل بادشاہان اسلام کے عہد میں ٹکس یا محصول جو کچھ کو بی تھا۔ جسکا ذکر ہوا۔ انکم ٹکس۔ انڈیکڑی ٹکس۔ چنگی۔ سٹرکانہ۔ درسانہ۔ چوکیداری اشامپ کے ناموں سے اس زمانے میں کوئی واقف نہ تھا۔

فوج نظامی یعنی جن کا نام وحلیہ و فتر العسکر میں قلمند تھا۔ اس کی تعداد قریباً دو لاکھ سوار و پیادہ تھی۔ سوار کی تنخواہ پچیس روپیہ اور پیادے کے دستل روپے۔ جنرل و کمانڈر کی تنخواہیں بھی کچھ بہت زیادہ تھیں۔ لیکن ایشیائی حکومتوں میں عہدہ داروں کی نگاہ مشاہرے سے زیادہ صلون اور انعامات پر لگی رہتی ہے۔ جو وقتاً فوقتاً کسی خاص خوشی۔ یا اظہار کارگزاری کے وقت۔ ان کو ملتے رہتے ہیں۔ اور خصوصاً مامون کی فیاضیوں کی تو کچھ حد ہی نہ تھی۔ عبداللہ بن طاہر سردار فوج کو ایک دن پانچ لاکھ درہم انعام دیئے۔ علی عہدہ داروں میں بھی صرف وزیر اعظم ذوالریاستیں کی تنخواہ بیش تر تھی یعنی بیس لاکھ درہم ماہوار۔ اگرچہ اور ہر قسم کے عہدے الگ الگ اور نہایت بڑا عہدہ اور منصب تھے۔ لیکن سپہ سالاری۔ فوج جنرل کے ساتھ مخصوص نہ تھی۔ صوبہ کالیفٹ یا قسمت کا گورنر۔ عموماً کمانڈر انچیف اور گورنر فوج ہوتا تھا۔ یحییٰ بن اکثم جو تاسنی القضاہ کے منصب پر ممتاز تھے مامون نے متعدد بار ان کو فوج کی انصری دی تھی۔ اہل یہ سپہ کہ اس وقت سپہ گری مسلمانوں کا عام جوہر تھا اور اسی نے کسی شخص کا اہل قلم ہونا۔ اس کو صاحب العلم ہونے کے ناقابل نہیں کرتا تھا۔

دوسری قسم کی فوج مستطوعہ تھی۔ جس کو والیہ کرکنا چاہیے۔ اس قسم کی فوج وقت پر جس قدر درکار ہو تیار ہو سکتی تھی۔ اور خصوصاً جہاد کی پرزور مددگوں کے وقت تو سارا ملک آمند آتا تھا۔ فوج کو۔ سواری اور ہتھیار سرکار سے ملتا تھا۔ اور خزانہ شاہی میں ہر قسم کے اسلحہ جنگ نہایت افراط سے بروقت موجود رہتے تھے۔

ہارون الرشید کی وفات کے بعد ۹۳ھ میں جب خزانہ اسلحہ کا جائزہ لیا گیا تو مفصل ذیل تعداد کے ساز و اسلحہ موجود تھے

لے دیکھو شمار الادراک۔ برغانیہ۔ مستطون۔ جداول صفحہ ۲۷۲۔

مطلا و مذہب تلوارین	۱۰ ہزار	شاگرد و ملامون کے لئے	۵۰ ہزار
نیزے	ایک لاکھ ۵۰ ہزار	کمانیں	ایک لاکھ
مطلازرین	ایک ہزار	عام ند میں	ایک ہزار
خود	بیس ہزار	جوشن	بیس ہزار
ڈھالین	ڈیڑ لاکھ	مطلازین	چار ہزار
	عام فہم کے زین	تیس ہزار	

جنگی جہازات کی ابتدا اگرچہ عبدالملک بن مروان المتوفی ششہ مرتے کی تھی۔ اور اسی کے زمانہ میں حسان بن نoman گورنر افسریقہ کے اہتمام سے تونس میں جنگی جہازات اور آلات بحری کی تیاری کا ایک بڑا محکمہ قائم ہوا تھا۔ لیکن مامون کے عہد میں اس کو بہت ترقی ہوئی۔ جزیرہ سسلی کی فتح کے لئے سو جنگی جہاز مع بہت سے بحری سامان کو جو بھیجے گئے تھے وہ اسی کارخانہ سے تیار ہوئے تھے۔ آتش اندازی کے لئے چھوٹے چھوٹے جہاز ہوتے تھے جنکو عربی میں حرقہ کہتے ہیں۔ ان سے روغن لفظ درگیک فائر کے شیشے بھر کر مارتے تھے۔ جو دشمن کے جہازوں میں آگ لگا دیتے تھے اور خود پانی سے بھی بچھ نہیں سکتے تھے۔

ملک کی آبادی۔ امن و آمان۔ مامون کی بیدار مغزی اور
جزئیات پر اطلاع۔ عدل و انصاف۔ غیر قوموں کے حقوق

دولت عباسیہ کے امن و انتظام۔ ترقی۔ اور وسعت کے منانے جو روزہم سننے رہتے ہیں۔ فتح پوچھے تو ہارون و مامون کے ہی عہد حکومت نے اس خاندان کو یہ عام ناموری دی ہو۔ تجارتیں تمام آزاد تھیں۔ نئے نئے شہر آباد ہوتے جاتے تھے۔ ایک ایک قصبہ بلکہ ایک ایک گاؤں میں چٹھے اور منبرین جاری تھیں جو حاکمان اسلحہ۔ اور زمیندار و جاگیرداروں کے ذاتی مصارف سے ہمیشہ بنتی رہتی تھیں اور جنگی وجہ سے زراعت کو و فدا فزون ترقی حاصل تھی

سہ مقدمین خلدون ذکر۔ قیادۃ الاسامیل

مامون نے سلطنت کے بڑے بڑے اضلاع کا دورہ کیا۔ اور ہر جگہ دو دو چار چار دن قیام کر کے مناسب اختیارات جاری کیے۔ ستلہ میں جب مرقے عراق کو روانہ ہوا سرخس۔ طوس۔ ہمدان۔ جرجان۔ نبردان۔ رے۔ اور دوسرے اضلاع میں بہتوں قیام کیا۔ اور ملک کے اہلی حالات سے واقفیت پیدا کی۔ علامہ۔ مصقر نرخی نے کتاب الخطط والآثار میں لکھا ہے۔ کہ جب مامون نے مصر کے علاقوں کا دورہ شروع کیا تو ہر گاؤں میں کم سے کم ایک رات دن ٹھہرا گیا۔ مقام طائر النمل میں پہونچا تو مہمول کے خلاف دہان قیام نہیں کیا۔ اور اُگے بڑھا۔ اس گاؤں کی مالک ایک بڑھیا تھی۔ یہ خبر سکر مامون کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اور عرض کیا کہ یہ محرومی میری ہی قسمت میں کیوں لکھی تھی۔ مامون اس کا صمان ہوا۔ اس نے اپنی حیثیت کے موافق دعوت کا سامان کیا۔ اور رخصت کے وقت دس تیلی اشرفیان ایک ہی سز کے سکے کی نذر میں پیش کیں۔ مامون حیرت میں رہ گیا اور کہا کہ دعوت کیا کم تھی تم نے یہ تکلیف کیوں گوارا کی۔ جس کا قبول کرنا میری فیاضی کے خلاف ہے

بڑھیا نے کہا کہ سونا تو ہمارے گاؤں کی مٹی سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اس لئے ہم لوگوں میں اس کی کچھ قدر نہیں ہے۔ میں نے جس قدر حضور کی خدمت میں حاضر کیا ہے۔ اس کی بہت زیادہ اب بھی میرے پاس موجود ہے۔

اس حکایت سے مامون کے حسن انتظام۔ اور ملک کی مرفہ الحالی دونوں کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ملک کے ہر حصہ میں۔ مندور۔ محتاج۔ اباہج۔ بیوہ۔ یتیم۔ سب کے روزیہ مقرر تھے جو شاہی خزانے سے وقت میں پران کو ملا کرتے تھے۔ یہ بات سلطنت کے ضروری قوانین میں داخل تھی کہ جو شخص فقرو فاقہ کا شاکہ ہو اس مقام کا حاکم۔ یا اسکو کوئی کام دے یا بیت المال سے وظیفہ مقرر کرے۔

مامون نے خراسان کے زمانہ حکومت میں غفلت کی تھی اس کا خمیازہ مدت تک کیپنٹا پڑا تھا۔ اس لئے بنیاد میں اگر اسکا طرز حکومت باطل بدل گیا۔ اب اسکو ایک ایک جزئی واقعہ اور عام حالات کی اطلاع کا کچھ ایسا عشق ہو گیا کہ شکر تعجب ہوتا ہے۔

سترہ سو مجوزہ عورتیں مقرر تھیں جو تمام دن شہر میں پھرتی تھیں۔ اور شہر کا کچا چٹھا اسس کو پہنچاتی تھیں۔ لیکن مامون کے سوا اور کسی کو ان کے نام و نشان سے اطلاع نہ تھی۔ ہر صیغہ پر جہدا گانہ خفیہ نویس اور واقعہ نگار مقرر تھے۔ اور ملک کا کوئی ضروری واقعہ اسس سے مخفی نہیں رہ سکتا تھا۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اسس قسم کی کاوش کا جو عام اثر ہوتا ہے یعنی ہر شخص سے بدگمان ہو جانا اور عوام کی آزادی سے تعرض کرنا۔ مامون اسس سے بالکل بری تھا۔ اسس کی تاریخ زندگی کا ایک ایک حرف چھان ڈالو ایک واقعہ یہی ایسا نہیں مل سکتا جس سے اسس کی اس کارروائی پر حرف آ سکے۔ بخلاف اس کے اس محکمے نے رعایا کے حق میں عجیب عجیب فیاضیاں دکھائیں۔

ایک دن کسی سپاہی نے ایک شخص کو بیکار میں پکڑا وہ دردناک آواز سے چلایا کہ وہ داعمرہ لینے ہائے عمر رقم کمان ہو، مامون کو اطلاع ہوئی اسس شخص کو طلب کیا اور کہا کہ کیا حضرت عمر رقم کا عدل ٹھکرو یا دیا۔ اسس نے کہا ہاں۔ مامون نے کہا۔ خدا کی قسم اگر میری رعیت حضرت عمر رقم کی سی رعیت ہوتی تو میں ان سے بھی زیادہ عادل ہوتا۔ پھر اس کو کچھ انعام دلایا اور سپاہی کو موقوف کر دیا۔

ایک بار ایک شخص نے عرضی دی کہ بیت المال سے کچھ وظیفہ مقرر ہو جاوے مامون نے بلا کر پوچھا کتنے بال بچے ہیں۔ اس نے بڑھا کر تعداد بتائی۔ چونکہ مامون ایک ایک جزئی واقعہ کی خبر رکھتا تھا اس کا جھوٹ نہ چل سکا۔ دوسری بار اس نے پھر عرضی لکھی اور جو تعداد بتائی صحیح بتادی۔ مامون نے اب عرضی پر لکھ دیا کہ اس کا روزیہ مقرر کر دیا جائے

اتوار کے دن ہمیشہ صبح سے ظہر تک دربار عام کرتا تھا جس میں خاص و عام کس کیے کچھ روک نہ تھی اور جہاں پہونچ کر ایک کمزور مزدور کو اپنے حقوق میں حساندان سٹاپی کے ساتھ ہمسری کا دعویٰ ہوتا تھا۔

ایک دن ایک شکستہ حال بڑھیا نے دربار میں آکر زبانی یہ شکایت پیش کی کہ ایک

۱۱۲ امام الدول قرانی۔ خلافت مامون ۱۱۲ھ ابن حاکم ستر ترجمہ فرار غوی ۱۲

۱۱۲ھ یون والہایق صفحہ ۳۶۹ ۱۱۲ھ رسالہ حکم و آداب صفحہ ۶۰

ظالم نے میری جائداد چھین لی ہے۔ مامون نے کہا: کس نے۔ اور وہ کہاں ہے۔ اس نے اشارہ سے بتایا کہ دو آپ کے پہلو میں، مامون نے دیکھا تو خود اس کا بیٹا عباس تھا۔ وزیر اعظم کو حکم دیا کہ شہزادے کو بڑھیا کے برابر لجا کر کھڑا کرے۔ اور دونوں کے اظہار سنے۔ شہزادہ عباس رُک رُک کر آہستہ گفتگو کرتا تھا۔ لیکن بڑھیا کی آواز بیباکی کے ساتھ بلند ہوتی جاتی تھی۔ وزیر اعظم نے روکا کہ خلیفہ کے سامنے چلا کر گفتگو کرنا خلاف ادب ہے۔ مامون نے کہا: نہیں جس طرح چاہے آزادی سے کہنے دو۔ سچائی نے اس کی زبان تیز کر دی ہے۔ اور عباس کو گونگا بنا دیا ہے۔ انیسرے مقدمہ کا فیصلہ بڑھیا کے حق میں ہوا اور جائداد واپس ملا دی گئی۔

مامون کی آزاد پسندی نے اس کے عمال کو بھی اصول انصاف میں عایت آزاد اور بیباک کر دیا تھا۔

ایک بار خود مامون پر ایک شخص نے بیس ہزار کا دعویٰ دائر کیا۔ جس کی جوابدہی کے لئے اسکو دارالقضا میں حاضر ہونا پڑا۔ خدام نے قالین لا کر بچھایا کہ خلیفہ اس پر تشریف فرما ہو لیکن قاضی القضاۃ نے مامون سے کہا کہ یہاں آپ دردمی دونوں برابر درجہ رکھتے ہیں۔ مامون نے کچھ برا نہ مانا۔ بلکہ اس کے صلہ میں قاضی القضاۃ کی تحوۃ اضافہ کر دی۔ مامون کی فیاض لایف پر اگر کچھ نکتہ چینی ہو سکتی ہے۔ تو یہ ہو سکتی ہے کہ اس کا رعم و انصاف اعتدال کی حد سے آگے بڑھ گیا تھا۔ جس کا یہ اثر تھا کہ اس نے اپنے ذاتی حقوق کو بالکل نظر انداز کر دیا تھا۔ بد زبان شعرا اس کی بھجوں لکھتے تھے۔ مگر خبر نہیں ہوتا تھا خود اس کے خدام گستاخان کرتے تھے۔ لیکن اس کو مطلقاً پروا نہیں ہوتی تھی و عیلاً نے ایک بھج میں اس کی نعت لکھا۔

شاد و بذکرک بعد طول خمولہ | واستنقد وک من الحضیف ملا وهد

یعنی میری قوم نے تیرے نام کو جو بالکل بجا ہوا شہرت دیدی۔ اور تجھ کو پستی سے نکال کر

لے دیکھو واسطۃ السلوک فی احوال الملوک۔ و عقد الفرید جلد اول صفحہ ۱۲۷ مستطبر صفحہ ۱۱۰ جلد اول ۳۷

اس زمانہ کا ایک مشہور شاعر تھا۔ اور بھجوں کی میں مشہور تھا ۱۲

بلندی پر بٹھا دیا، مامون نے یہ ہجوئی تو صرف یہ کہ وہ دعبیل کو ایسی غلط بات کہتے ذرا شرم نہیں آتی۔ میں گناہ کس دن تھا۔ پیدا ہوا تو خلافت کی آغوش میں پیدا ہوا اور دودھ پیا تو اسی کی چھاتیوں کا پیٹا۔

ایک بار مامون کا چچا ابراہیم شاکر ہوا کہ دعبیل کی بزرگ بیان حد سے گزر گئیں میری ایسی بُری ہجو لکھی ہے جو کسی طرح درگزر کے قابل نہیں۔ ابراہیم نے اس ہجو کے کچھ اشعار بھی سنائے۔ مامون نے کہا: ”چچا جان۔ اُس نے میری ہجو۔ اس سے بھی بُرہ کر لکھی ہے۔ اور چونکہ میں نے درگزر کی۔ امید ہے کہ آپ بھی ایسا ہی کریں گے۔ دعبیل کی بیہودہ گوئی سے سارا دربار تالان تھا۔ ابوسید مخرومی نے چند بار۔ مامون کو بھڑکایا کہ آخر درگزر کہاں تک۔ مامون نے کہا: ”اچھا اگر بدلا ہی لینا ہے تو تم بھی اُس کی ہجو لکھ دو“ مگر صرف یہ لکھو کہ دعبیل لوگوں کی ہجو میں جو کچھ کہتا ہے غلط کہتا ہے۔“

مامون اکثر کہا کرتا تھا کہ مجھ کو وہ غو میں جو مزا آتا ہے۔ اگر لوگ جان جائیں تو جرم اور تافرومانی کو میرے پاس تحفہ لیکر آئیں۔“

مختلف دقتوں میں وزراء۔ حنا ندان خلافت۔ حکام۔ عمال۔ کی شکایت میں انہوں نے جو عرضیاں دی ہیں۔ اور مامون نے ان پر اپنے خاص نفلوں میں احکام لکھے ہیں۔ انہیں سے چند اس موقع پر ہم نقل کرتے ہیں۔ عرضیوں کی عبارت سے چندان ہم کو غرض نہیں صرف یہ بتا دین گے کہ کس کی نسبت تھی۔ لیکن جو احکام ہیں وہ مامون کے خاص الفاظ ہیں۔ جن کا ترجمہ کر دیا گیا ہے۔

عرضیاں	مامون کی تحریر
ابن ہشام کی نسبت	شریف کی یہ پہچان ہے کہ پٹے بڑے کو دبائے اور چھوٹے سے خود دب جائے۔ تم کس میں ہو
ہشام کی نسبت	جس وقت تک ایک شخص بھی میرے دروازہ پر تیرا شاکی موجود ہوگا مجھ کو میرے دربار میں رسائی نہ ہوگی

۱۲ تاریخ اصفہان سہیلی۔ ابن خلکان ترجمہ دعبیل ۱۲
۱۳ ان کو یہاں تو مصنف عقداً عزیز نے تو قیحات المامون کے ذیل میں باغافنا نقل کیا ہے ۱۲

عرضیان	مامون کی تحریر
ابو عباد کی نسبت	اے ابو عباد حق اور باطل میں کچھ رشتہ نہیں ہے
ابو عیسیٰ کی نسبت	”فاذا انقضى الصور فلا انساب بينهم“ یعنی جب نفعِ صورت ہو گا جو مامون کا بھائی تھا تو نسب جاتے رہیں گے
حمید طوسی کی نسبت	لے حمید۔ تقرب در گاہ پر نہ بھوننا۔ حق۔ میں۔ تو۔ اور کینہ عن سلام دونوں برابر ہیں۔
بن الفضل طوسی کی نسبت	تیرا۔ بے تمیز اور ورشتہ خوہو تا تو میں نے گوارا کر لیا۔ لیکن رعایا پر ظلم کرنا۔ تو نہیں بڑا شت کر سکتا ہوں۔
عمرو بن مسعود کی نسبت	لے عمرو اپنی دولت کو عدل سے آباد کر۔ ظلم تو اس کا ڈھائی ہے والا ہے۔
اس موقع پر جب ہم مامون کے عدل و انصاف کی داستان سنا رہے ہیں تو ہمارا فرض ہے۔ کہ اس کے بعد خلافت کی مسلسل بنیاد توں پر ایک اجمالی مگر دقیقہ میں نگاہ ڈالیں کیونکہ عام خیال۔ انصاف۔ اور بغاوت۔ کو بمعہ نہیں فرض کر سکتا۔ مامون کی تاریخ اس قسم کی تاگزیر معرکہ آرائیوں سے ملبوس ہے۔ لیکن جو کچھ جو اتفاقی واقعات کا نتیجہ تھا۔ ورنہ اس خصوص میں اس کا دامن انصاف ہر ایک قسم کے داغ سے پاک ہے۔ ہارون الرشید کا دربار دو مختلف قوتوں یعنی عرب و ایرانی نسل سے مرکب تھا یہ وراثت اس کے دونوں بیٹے مامون و امین میں اگر منقسم ہو گئی۔ مامون ماں کی طرف سے جمعی تھا۔ اس کا وزیر بھی ایک نو مسلم مجوسی تھا۔ تقسیم کی رو سے ملک جو صوبے بنے وہ بالکل عجم کے حصے تھے۔ ان باتوں کا لازمی اثر تھا کہ گردہ عرب کو مامون کے ساتھ کھڑے ہو نہ ہو امین سے جب معرکہ شروع ہوئے تو وہ قطعاً ہمت ہار چکا تھا۔ لیکن وہ ایرانیوں کا سکائیہ اور وزیر تھا۔ ثابت قدم رہا اور پہلے جن تدبیر سے آخر کامیاب ہوا۔ مامون نے بے شبہ اس کے صلے امتدال سے کچھ بڑھ کر مراعات کی اور اس کو سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا۔ اسی بات پر عرب کا گردہ بگڑ گیا۔ لیکن مامون کو اس وجہ سے	

اس واقعہ کی اطلاع نہ ہو سکے کہ ذوالریاستین کے اقتدار نے اصل حالات سے مطلع ہونے کے تمام نام کے بند کر دیے تھے۔

سادات جو خلافت کو اپنا ازلی حق سمجھتے تھے ہمیشہ ایسے موقعوں کی تاک میں رہتے تھے ہر طرف اٹھ کھڑے ہوتے۔ اور تمام ملک ہلا دیا اس حالت میں اگر کسی سے ہمدردی کی توقع ہو سکتی تھی تو وہ صرف عباسی خاندان تھا۔ لیکن مامون نے حضرت امام علی رضا کو وسیع بنا کر یہ بات بھی کھو دی۔ مدت تک بغاوت کا سلسلہ قائم رہا۔ اور اس وجہ سے طول پکڑتا گیا۔ کہ سادات پر مامون کسی قسم کی سختی نہیں کر سکتا تھا وہ یوں ہی نرم دل اور فیاض طبع تھا۔ اسپرشیہ پن کے پر تو نے اور بھی سادات کا گرویدہ کر رکھا تھا۔ ان باغیوں پر قابو پانا تھا وہ چھوڑ دیتا تھا۔ لیکن وہ اور بھی شوخ اور تیز ہوتے جاتے تھے۔

اس سلسلہ کے علاوہ اور جو بغاوتیں ہوئیں وہ ایسی ہی عام بغاوتیں ہیں جیسے کہ شخصی مکیوں میں ہوا ہی کرتی ہیں۔ ہم کو ایشیا کی کوئی سلطنت ایسی نہیں معلوم ہے جہاں آئے دن ایسے معمولی فتنے نہیں اٹھا کرنے۔ اس کے ساتھ ہم کو یہ بھی خیال کرنا چاہیے کہ اس وقت رعایا سے ہتھیار لے لینے کا کوئی قانون نہ تھا۔ اور اس وجہ سے سلطنت اور رعایا کی قوت ایک حیثیت سے یکساں نسبت رکھتی تھی۔

ان سب پر اتنا اور مستزاد کرنا چاہیے کہ جن لوگوں نے بغاوت کے علم بلند کیے وہ اکثر عرب کی قوم سے تھے جو آج تک اطاعت کے حلقے سے آزاد رہتی آئی ہے۔ اور شاید ہمیشہ ایسی ہی آزاد رہے گی۔ شاید ایک معترض نہایت آسانی سے مامون پر یہ الزام لگائے کہ ذوالریاستین جس نے مامون کی بنیاد حکومت کو گرتے گرتے سنبھال لیا خود مامون کے اشارے سے قتل کیا گیا۔ لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ آخر علاج کیا تھا۔ نہ ذوالریاستین اپنی خود سری سے باز آ سکتا تھا۔ نہ اہل عرب اس کے سامنے سر جھکا سکتے تھے۔ موقع ایسا آپڑا تھا کہ جتنے خلافت۔ اور ذوالریاستین کا اجتماع ناممکن ہو گیا تھا۔ مامون نے بے شبہ ذوالریاستین کو خلافت کی نذر کر دیا۔ اب اگر یہ الزام کی بات ہے تو جو ہم مامون کو اس سے نہیں بچا سکتے۔ ہاں اس کا جواب ہمارے پاس بھی نہیں کہ۔

ذوالریاستین کے قاتلوں کو اُس نے کیون قتل کرا دیا۔ شاید پالیسی کے وسیع قانون میں یہ باتیں جائز رکھی گئی ہوں۔

ایک بار مامون نے احمد بن داؤد سے مخاطب ہو کر ایک نہایت پوٹنیکل تقریر کی تھی جس کا اس موقع پر نقل کرنا نہایت موزوں ہے۔ اُس نے کہا کہ بادشاہ بعض وقت اپنے خاص ارکان دولت کے ساتھ جو باتیں کر گزرتا ہے۔ عوام ہرگز اُس کا انصاف نہیں کر سکتے وہ دیکھتے ہیں کہ وزیر یا نائب السلطنت نے جو وفاداریاں کیں۔ ان کے بارے حکومت کی گردن کبھی ہلکی نہیں ہو سکتی وہ بے تکلف رائے لگا لیتے ہیں کہ بادشاہ نے جو کچھ کیا صرف حسد یا تنگدلی کی وجہ سے کیا لیکن ان کو یہ معلوم ہے کہ اُس کے بعض افعال خود سلطنت کے خاندان پر انداز ہیں۔ اب بادشاہ دو مجبور یوں میں گھس جاتا ہے۔ نہ اس راز کو عوام پر ظاہر کر سکتا ہے نہ اُس وزیر یا نائب سے درگزر کر سکتا ہے۔ مجبورانہ وہ کر گزرتا ہے۔ جو ظاہر میں نہ کرنا چاہیے۔ وہ جانتا ہے کہ عوام تو کیا خواہ بھی اُسکو معذرت نہ رکھیں گے لیکن ضرورت کسی کی نکتہ چینی کی پر وہ نہیں کر سکتی یا شخصی حکومت کا زور مامون کے عہد میں بھی پوری قوت کے ساتھ قائم تھا۔ لیکن وہ اس بدعت کا موجد نہیں ہے۔ اور اگر اُس کی چلتی تو اس حالت میں ایک مفید انقلاب پیدا ہو جاتا۔ نبو ائیمہ۔ اور عباسیہ۔ دونوں نے اپنے طریق عمل سے خلافت اسلام کو خاندانی ترکہ قرار دیا تھا۔ مامون پہلا شخص ہے جس نے اس جاہلانہ قانون کو مٹا دینا چاہا۔ اگرچہ افسوس ہے کہ کامیاب نہ ہو سکا۔ اُس نے بڑی تحقیق اور تجربہ کے بعد ایک ایسے برگزیدہ شخص کو ولی عہدی کے لئے انتخاب کیا جو خاندان شاہی سے کچھ واسطہ نہیں رکھتے تھے بلکہ خاندان عباس اُن کے ساتھ ایک موروثی رقابت کا خیال رکھتا تھا۔ یہی بات تھی کہ اُن کے انتخاب پر آل عباس دفعۃً برہم ہو گئے اور تمام ملک میں بغاوتیں برپا ہو گئیں۔ تاہم مامون نے وہی کیا جو سچے کانشنس کی رو سے اوسکو کرنا چاہیے تھا۔ جب اونکو زہر ویدیا گیا۔ اور مامون کو پورا تجربہ ہو گیا کہ جو خاندان ڈیڑھ سو برس خلافت پر قبضہ کرتا آیا ہے وہ کسی طرح اپنے فرضی حق سے باز نہیں آ سکتا تو مجبورانہ

اُس نے بھی وہی کیا جو اُس کے اسلاف کرتے آئے تھے تاہم اس بات سے کہ اُس نے اپنی اولاد کو چھوڑ کر جو حکومت کی قابلیت بھی رکھتی تھی۔ اپنے بھائی کو منتخب کیا۔

ایک ایسی عالی حوصلگی اور سچی بے غرضی کا ثبوت ملتا ہے۔ جو تمام تاریخ اسلام میں بے نظیر ہے۔ گو مامون کی اولاد خلافت کے ناقابلِ زمتی۔ مگر اس میں شک نہیں کہ اُس کا لائق بھائی جو اپنے عہد میں معصم باللہ کے لقب سے پکارا گیا قابلیت سلطنت کے لحاظ سے حق ثابت ایت رکھتا تھا۔

مامون کے عہد میں دوسری قوموں کو جو حقوق حاصل تھے۔ مذہب سے مذہب گورنمنٹ میں بھی اس سے زیادہ نہیں ہو سکتے۔ یہود۔ مجوس۔ عیسائی۔ لاندہب۔ اُس کی وسیع حکومت میں نہایت آزادی سے بسر کرتے تھے۔ خاص دار الخلافہ بغداد میں بہت سے گرجے اور چرچ نئے تعمیر ہوئے موجود تھے۔ جن میں رات دن ناقوس کی صدا ایں گونجتی رہتی تھیں۔ دربار میں ہر مذہب و ملت کے علماء و فضلا حاضر رہتے تھے۔ اور مامون اُن کے ساتھ نہایت عزت و توقیر سے پیش آتا تھا۔ جبریل بن بختیشوع جو ایک عیسائی فاضل تھا اُس کی اس قدر توقیر کرتا تھا کہ عام حکم دیدیا تھا کہ جو شخص کسی ملکی عہدہ پر مقرر کیا جائے پہلے جبریل کی خدمت میں حاضر ہو۔

خراسان میں جو کالج بنوایا تھا اس کا پرنسپل یسے مستم اعظم ایک عیسائی کو مقرر کیا جس کا نام یسوع تھا۔ اُس کی بے تعصبی کے ثبوت کے لئے ہم ذیل کی حکایت کافی سمجھتے ہیں۔ جبکی نظر آج بھی کسی مذہب ملک میں نہیں مل سکتی

عبدالعیسیٰ بن اسحق کندی جو ایک عیسائی عالم اور سرخز ملکی عہدے پر ممتاز تھا مامون کے ایک عزیز کا دلی دوست تھا۔

اُس ہاشمی نے عبدالعیسیٰ کو نہایت نرم لفظوں میں ایک دوستانہ خط لکھا کہ وہ اگر آپ مذہب اسلام قبول کر لیں تو خوب ہو۔ مجکو انوس ہو کہ ایک ایسے سچے مذہب کی طرف جیسا اسلام ہے اب تک آپ مائل نہیں ہوئے ہیں۔ اس خط کے جواب میں عبدالعیسیٰ نے جو کچھ لکھا کوئی

۱۲ دیکھو طبقات الاطبار ترجمہ جبریل بن بختیشوع ۱۲ لے انس کا وہ پڑیا۔ برٹانیکا۔ ذکر مامون الرشید۔ ۱۲

شخص جب تک خود نہ دیکھ لے اس کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ اس برگزیدہ رہنمائے خلق یعنی محمد مصطفیٰ اور قرآن مجید و صحابہ کی نسبت وہ الفاظ لکھے کہ سکر دل کانپ جاتا ہے یہ پورا خط جو ایک رسالہ کی شکل میں ہے۔ بمقام لنڈن مطبع گلبرٹ اور رولنگٹن۔ پتوئے دن ہوئے چھاپا گیا ہے۔ میں نے خود اسکو دیکھا اور ناظرین کو یقین دلانا ہوں کہ دیکھنے کے وقت ایک ایک حرف پر میرا دل لرز جاتا تھا۔ اگر آج عبدالمسیح زندہ ہوتا تو تعزیرات ہند کے اثر سے کبھی نہ بچ سکتا۔ مامون کے سامنے یہ خط پیش ہوا تو اس نے پڑھ کر صرف یہ کہا کہ درجو مذہب دنیا کے کام کا ہے وہ زردشت کا مذہب ہے۔ اور جو بعض آخرت کے لئے مفید ہے وہ عیسائی مذہب ہے۔ لیکن میں دنیا و دوزخ کے لئے جو مذہب دوزخ ہے۔ وہ اسلام ہے۔

اب باقون پر بھی مامون کی تاریخ کو ہم بیدار نہیں کر سکتے ہم کو ڈر ہے کہ آگے چلکر

خو افوس ہے کہ اس پر بھی پوپین مسیحین کو تسکین نہیں ہے۔ اور وہ تاریخی تصنیفات میں بھی ہمیشہ بادشاہان اسلام پر ایسے طریقے سے تذکرہ جاتے ہیں۔ جبکی اصلی زور اسلام پر پڑتی ہے۔ ناواقف سوزن ایک طرف مسٹر ہارمسٹونکی عربیت کا ہکو بھی اعتراف ہے۔ اور جبکی نظم و نثر عربی و فارسی کا مجموعہ حال میں چھاپا گیا۔ تاریخ ہرادن الرشید کے صفحہ ۲۲۴ میں لکھتے ہیں کہ وہ اس کے بیحدہ درباریوں نے یہ بات اس کے ذہن نشین کر دی تھی۔ بلکہ کل پیر اسلام اس بات کو اس وقت میں اور کہہ مسلمان اب بھی سمجھتے ہیں کہ کافر خدا کی مخلوق ہی نہیں کہا جاسکتا۔

ہم نہیں جانتے کہ پامر صاحب کو ایسے محیط اور عام اتمام کی جزارت اپنی حامیانہ تاریخ دانی پر کیونکر ہوئی جس تاریخ پر انکو ناز ہے۔ وہ ہمارے سامنے موجود ہے۔ پامر صاحب اگر یہ بات یاد رکھتے تو اچھا ہوتا۔ کہ جب خدا کی دنیا مسلمان قہندی کے ہاتھ میں دیدی گئی تھی۔ تو جن لوگوں نے ہزاروں لاکھوں چہرے اور گرجوں کی حفاظت کا قطعی معاہدہ لکھ دیا وہ خلفاء راشدین تھے۔ جو ہر زمانہ میں مسلمانوں کے رہنمائے گلے گئے ہیں کیا عمر بن عبدالعزیز جنہوں نے دمشق کے عامل کو فرمان بھیجا کہ وہ دینے لگے کہ کو تو بکر مسجد میں جو اضافہ کرنا تھا۔ وہ دھا دیا جائے اور عیسائیوں کو اجازت دیجائے کہ وہاں پھر اپنا گرجا بنالیں۔ عیسائی نہیں تسلیم کئے گئے ہیں اور کیا وہ لاکھوں گڑوں مسلمانوں کے جائز قائم مقام تھے۔ کیا خاص دولت عباسیہ کے عہد میں

جہان مامون کے مذہب کا ذکر آئے گا ایک خاص مسئلہ میں اُس کا مذہبی جنون دیکھ کر
شاید ناظرین اُس کی تمام خوبیاں دفعتاً بھول جائیں۔

ذوقِ علمی۔ رصد خانہ۔ زمین کی پیمائش۔ فنونِ فلسفہ کے ترسے علوم کی اہمیت

اگرچہ خاندانی جھگڑے پر زور بناو تین۔ روم کی اہمات۔ بار انتظام۔ اتنے کام تھے۔
جو مامون کے روزانہ اوقات۔ امدول و دماغ کو مصروف رکھتے تھے۔ تاہم اُسکے علمی
ذوق پر غالب نہیں آسکتے تھے۔ جب وہ مصر گیا تو ایک شخص نے اُسکو مبارکباد دی کہ آج
عراق۔ حجاز۔ شام۔ مصر۔ سب آپکے زیرِ نگین ہیں۔ اور رسول اللہ کے ابنِ عمر ہونیکا شرف

اور اختلافِ بغداد میں سیکڑوں ہندوؤں عالیشان سے گربے نہیں تعمیر ہوئے۔ جہان نہایت آزادی سے ہر ایک قسم
کی مذہبی رسوم ادا کی جاتی تھیں۔ ہم پامر صاحب کے ہم خیال معنفین کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ اگر ان کو شبہ ہو
تو۔ دیر الروم۔ دیر اشمونی۔ دیر الثعالی۔ دیر مدنا۔ مد مدالس۔ دیر سلاو۔ دیر فدارکی۔ دیر العارصیہ۔ دیر
الزرقینیہ۔ دیر الزدروہ کے حالات سبج البلدان میں پڑھیں۔ عضد الدولہ دہلی کہ دہلی خاندان کا سرمدج اور
خلافت بغداد کی قسمت کا مالک تھا۔ اُس کا وزیر اعظم نصر بن ہارون ایک عیسائی رئیس زادہ تھا۔ اُسی نے عضد الدولہ
کی خاص اجازت سے تمام ممالک اسلامی میں چرچ اور گربے تعمیر کرائے

بے شبہ مسلمانوں میں ایسے بھی تنگ دل لوگ گزرے ہیں جو دوسرے مذہبوں کی آزادی کو مدد پہنچاتے تھے
لیکن یہ شخصی حالتیں ہیں۔ اہل اُن سے عام رائے کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ ہم کو معلوم ہے کہ علی بن سلمان گورنر
مصر نے۔ مصر کے تمام گربے و صاویے تھے۔ لیکن اسی کے ساتھ ہم اس سے بھی واقف ہیں کہ عیسائی
بن موی نے جو خاندان عباسی سے تھا اور ششہ حین مصر کا گورنر مقرر ہوا۔ خاص سرکار ہی خزانہ سے
۱۵۰ ہندوؤں میں عیسائیوں کے اور بہت سے گربے تھے لیکن ہم نے مشہور اور متنازعہ جوہن کے نام لکھے ہیں بعض
گربے خاص خاص تیو ہارون کے چیلے مخصوص تھے جہاں اوقاتِ معینہ پر بڑا مجمع ہوتا تھا اور بڑی شان و شوکت
سے عیسائی اپنے مراسم مذہبی ادا کرتے تھے ۱۲۵ دیکھو روضۃ الصقا۔ حبیب السیر ذکر سلطنت عضد الدولہ ۱۲

ان سب پر مستزاد ہے۔ اماموں نے کہا: ہاں مگر یہ آرزو ہنوز باقی ہے کہ مجلس عام میں شائقین حدیث جمع ہوں اور سنی میرے سامنے بیٹھا ہو اور کہے کہ ہاں وہ کیا حدیث ہے میں بیان کرتا شروع کروں کہ حماد نے یہ روایت کی، الخ۔ بچپن میں وہ اسلامی علوم کو حد کمال تک حاصل کر چکا تھا۔ اب فلسفہ پر مائل ہوا۔ اور دن رات اسی تذکرے میں بسر کرتا تھا۔ اس کے علمی ذوق کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس کی آستینوں پر اقلیدس کے مقالہ اور اے کی شکل پنجم کا طغرا بنا ہوا تھا۔ کیونکہ یہ شکل اس کو نہایت مرغوب تھی۔ اسی وجہ سے عربی میں پانچویں شکل کو شکل نامونی کہتے ہیں۔ غالباً اماموں کے سوا اور کسی بادشاہ اسلام کو یہ فخر نہیں حاصل ہے کہ اس کے نام سے کوئی علمی اصطلاح قائم ہوئی ہو۔

سہرون الرشید کا قائم کیا ہوا بیت الحکمتہ موجود تھا جس میں۔ پارسی۔ عیسائی۔ یہودی۔ ہندو۔ مترجمین نوکرتھے۔ اور فنون حکمت کے متعلق تصنیف اور ترجمے کرتے رہتے تھے۔ لیکن

(بقیہ صفحہ ۱۲۰) کل گرجے نئے سرے سے تعمیر کرائے۔

مسلمانوں کی حکومت میں دوسرے مذہب والوں کو جو ملکی عہدے ملتے رہے ہیں۔ کون گورنمنٹ اس سے بڑھ کر دیکھتی ہو تاریخ بن فلکان۔ وفات و وفیات میں ہم بیت سے یہودی اور عیسائیوں کے نام پاتے ہیں مختلف وقتوں میں پڑے پڑے معزز عہدوں پر مستاز رہے ہیں۔ آغاز اسلام سے عبدالملک بن مروان کی سلطنت تک شام و عراق کا دفتر رزمی و فاری زبان میں رہا اور اتنی وسیع مدت تک خراج کے محکمہ میں عموماً دوسری ہی قومیں سیاہ و سپید کی ملک تھیں۔ اکبر و جہانگیر کی فیاضیوں کو تو ہندوستان کا ایک ایک بچہ جانتا ہے۔ عام میل جول کے لحاظ سے دیکھو تو تاریخ کے ہر صفحہ میں مسلمانوں کی بے شماری کی شہادت ملے گی۔ سیکڑوں عیسائی، دوسروں عیسائیوں کے دربار میں تھے ان سے خلفائے بے شکلی ہو گیا گت سے ملتے تھے۔ جبریل جو ایک عیسائی فاضل تھا۔ اسکو بہاروں الرشید نے ملاوہ بے انتہا جاگیروں اور صلوات کے یہ عزت دی تھی کہ دربار میں جو شخص کوئی حاجت پیش کرنی چاہتا تھا۔ اسکو پہلے جبریل کی خدمت میں باضابطہ حاضر ہونا پڑتا تھا۔ اس کا بیٹا بختیشہر جاہ و منزلت کے اس پایہ تک پہنچا کہ لباس و آرائش میں خلیفہ متوکل ایشہ کا بے سرگنا جاتا تھا بختیشہر بختیشہر حکیم سلو کی تیار کو اس خود عیادت کو جاتا تھا۔ اور جب اس نے انتقال کیا تو ایک دن کھانا نہیں کھایا اور کچھ یاد آگیا جہانزہ

سے دیکھو نجوم ظاہری فی تاریخ۔ و العاقرۃ و افحات شہہ جیری

سے طبقات الاملا لابن ابی الصبغہ میں جبریل اور بختیشہر کے حالات پڑھو۔

اب تک جو سرمایہ جمع ہوا تھا وہ ماموں کے شوق علمی کے لئے کافی نہ تھا۔

ایک رات خواب میں دیکھا کہ ایک محترم شخص تخت پر جلوہ فرما رہے۔ ماموں نے نزدیک جا کر پوچھا: ”آپ کا اسم مبارک“، تخت نشین نے کہا: ”ارسطو“، ماموں پر خوشی کی ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ پھر عرض کیا کہ ”حضرت دنیا میں کیا چیز بھی ہے۔ خیالی ارسطو نے جواب دیا: ”جسکو عقل اچھا کہے“، دوبارہ ماموں نے درخواست کی کہ ”جسکو کوئی انصاف ارشاد ہو۔“ جواب ملا کہ ”دو توحید اور صحبت نیک ہاتھ سے نہ دیتا۔“

اس خواب کا ذکر صاحب کشف الظنون نے ذکر حکمت میں اور علامہ بن ابی اصیبعہ نے عین کے ترجمے میں مختلف روایتوں کے ساتھ کیا ہے۔ میں نے پورہ ایت بھی وہ نامہ دانشوران نامہ ہی سے لکھی ہے۔

بقیہ ماثیہ صفحہ ۱۲۱ اور الخلافہ میں لاکر رکھا جاوے اور اس کے عزیز خرد شیخ کیساتھ عیسائیوں کے طریقے کے موافق اس پر غارتگری خلیفہ معتضد باللہ کے دور میں جہاں تمام وزراء اور اہل دولت بستہ کھڑے رہتے تھے صرف وزیر اعظم اور ثابت بن قرة کو جو ایک صابی المذہب عالم تھا بیٹھنے کی اجازت تھی۔ ایک دن معتضد اور ثابت بن قرة ہاتھ میں ہاتھ ڈالکر ٹہل رہے تھے۔ کہ دفعتاً معتضد نے ہاتھ کھینچ لیا۔ ثابت ڈر گیا۔ معتضد نے کہا۔ ”ڈرو نہیں۔ میرا ہاتھ اچھڑتا۔ میں نے یہ گستاخی پسند نہ کی اہل علم کا ہاتھ اوپر چاہئے۔“ ابتدا میں مسلمانوں نے ان ہی قوموں سے علوم و فنون سیکھے اور جب خود استاد کے رتبہ پر پہنچے تو کس سیر چشمی اور فیاضی سے ان کو علوم و فنون کی تعلیم دے کر شاگردی کا حق ادا کیا۔ ان کا باہمی اخلاص اور آپس کی ہمدردی و خوشیاں آج بھی تعجب کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ علامہ مشرف الدینی نے جو مسلمانوں کے ایک بڑے فزقے کے پیشوا نے مذہبی ہیں۔ ابو اسحق صابی کا ایسا حسرت انگیز مرثیہ لکھا کہ اگر اس کا ہم مذہب اور بنایت دلی دوست بھی نہ کہتا تو اس سے زیادہ درد انگیز اور پراثر نہ لکھ سکتا۔ اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے کہ علامہ موصوف جب کبھی ابو اسحاق صابی کے مزار کی طرف گزرتے تھے تو ہمیشہ اس کی تعظیم کے لئے سواری سے اتر پڑتے تھے اور اس کی قبر کے سامنے سے پیادہ پا گزرتے تھے۔“

ہکو افسوس ہے کہ اس ضمنی بحث کو ہم نے بہت کچھ سمیٹ کر کہا۔ تاہم موقع اور مقام کی حیثیت سے زیادہ لکھ گئے ناظرین معاف فرمائیں۔ لیکن یہ خیال رکھیں کہ ہماری اس بحث کے مخاطب صرف پامرد حب نہیں ہیں۔ یورپ میں امن کے اور بھی بہت ہم زبان ہیں۔ اور اسی خیال سے ہم نے اس بحث کو ذرا طول دیدیا

۱۲۱ دیکھو نامہ دانشوران نامہ ہی۔ تذکرہ ابو اسحق صابی۔ نامہ دانشوران میں اس مرثیے کے چند اشعار بھی نقل کئے ہیں۔ ۱۲۰

اماموں یوں ہی فلسفہ پڑھا ہوا تھا۔ ارسطو کی زیارت نے اور بھی آگ پر روغن کا کام دیا اس نے قیصر روم کو خط لکھا کہ ارسطو کی جس قدر تصانیف مل سکیں۔ دار الخلافہ کو روانہ کی جائیں، یہ وہ زمانہ تھا کہ بادشاہان اسلام کے معمولی خطوط۔ قیصر و حضور پر فرمان کا اثر رکھتے تھے۔ قیصر تعمیل ارشاد پر مستعد ہوا۔ مگر روم کے اطراف میں فلسفہ خود گناہم ہو چکا تھا۔ بڑی تلاش سے ایک راہب ملا جس نے پتہ دیا کہ یونان میں ایک مکان ہے جو قسطنطین کے زمانے سے مقفل ہے اور جتنے تاجدار اُس کے بعد تخت نشین ہوئے۔ قفسوں کی تعداد بڑھاتے گئے۔ قسطنطین نے فلسفہ کی تمام کتابیں ہر جگہ سے جمع کر کے اس مکان میں بند کرادی تھیں کہ اگر فلسفہ وحکمت کو آزادی ملی تو دین عیسوی کو سخت صدمے اٹھانے پڑیں گے۔

راہب کی ہدایت پر یہ پُر خطر خزانہ کھولا گیا۔ تو بہت سی کتابیں محفوظ ملیں۔ لیکن قیصر کو اب یہ خیال پیدا ہوا کہ مسلمانوں کے ساتھ ایسی فیاضی مذہباً ممنوع تو نہ ہو۔ ارکان دولت نے متفق لفظ عرض کیا کہ ”کچھ مضائقہ نہیں۔ فلسفہ اگر مسلمانوں میں پھیلا تو ان کے مذہبی جوش کو بھی ٹھنڈا کر کے رہے گا“ قیصر نے بھی یہی مناسب سمجھا اور پانچ اونٹ لا کر خاص فلسفہ کی کتابیں اماموں کے پاس روانہ کیں۔ اماموں نے تصنیفات ارسطو کے ترجمے پر یعقوب بن اسحق کندی کو مامور کیا جو مختلف زبانوں کے جاننے اور تحقیقات علمی میں عموماً بے نظیر مانا جاتا تھا۔ اماموں نے خود بھی حجاج بن المطر یوحنا بن البطریق۔ سلما۔ کو جو بیت الحکمت کے مہتمم اور افسر تھے۔ اس غرض سے روم بھیجا کہ اپنی پسند سے کتابیں انتخاب کر کے لائیں۔ آرمینہ۔ مصر۔ شام۔ سیپر س۔ اور دوسرے مقامات میں بھی قاصد بھیجے اور لاکھوں روپے عنایت کئے کہ جس قدر صرف سے اور جس طرح ممکن ہو فلسفی تصنیفات ہم پہنچائیں۔ اسی زمانہ میں قسطنطین کو قایم عیسائی فلاسفر اپنے شوق سے روم گیا۔ اور فنون حکمت کی بہت سی کتابیں ہم پہنچائیں۔ اماموں کو اس کا حال معلوم ہوا۔ نوبلا بھیجا اور بیت الحکمت میں ترجمے کے کام پر مقرر کیا۔ سہیل بن ہارون کو جو ایک فارسی نسل حکیم تھا۔ موسیوں کے علوم و فنون کے ترجمے کی خدمت دہی۔

۱۲۔ یہ تمام تفصیل ہم اپنے ”سالہ مسلمانوں کی گزشتہ تعلیم“ میں لکھ چکے ہیں اور انکو کسی قدر تغیر کے ساتھ یہاں نقل کر دیا ہے۔ ۱۱

ماموں کی اتفاقات اور توجہ دیکھ کر تمام دربار میں یہ خوش بھیل گیا۔ محمد و احمد حسن نے جو ماموں کے خاص ندیم۔ اور مہندسہ۔ جیل۔ موسیقی۔ میں استاد وقت مشہور تھے روم کے اطلس میں بہت سے ایٹمی نیبھے اور فنون حکم کی ہزاروں کتابیں منگوائیں۔ دور دراز ملکوں سے مسترحم ہوائے اور بیش قرار مشاہدوں پر ترجمہ کر کے لائے تو کر رکھا جبریل بن بختیشوع التونی سہارنہ جبری جو ایک عیسائی طبیب اور دربار خلافت کا بڑا رکن تھا۔ اُس نے بھی ترجمہ کے کام میں بڑی فیاضیاں دکھائیں۔

ہارونی و مامونی۔ فیاضیوں نے مال و دولت کے اعتبار سے اس کو ایک مستقل والی ملک بنا دیا تھا

اس عہد میں جن کتابوں کے ترجمے ہوئے وہ یونانی۔ فارسی۔ کالڈی۔ قبطی۔ شامی۔ زبانوں کی تھیں۔

جن بادشاہوں سے دوستانہ تعلق تھا۔ چونکہ ماموں کا میلان طبیعت اسی طرف پاتے تھے۔ اسی مذاق کے تحفہ ہدایا بھیجتے تھے۔ ہندوستان کے ایک راجہ نے اپنی ریاست کے سلسلہ علامہ ابن ابی اصیبتہ نے اپنی تاریخ میں جبریل کی آمدنی و مصارف کا ایک مفصل نقشہ نقل کیا ہے۔ جو جبریل کے مرنے کے بعد اُس کے لئے لکھے گئے ہیں پایا گیا تھا۔ ہم اس موقع پر صرف آمدنی کی بعض مبالغہ کیے ہیں۔ جس سے معلوم ہو گا کہ خاندان عباسی نے کس بے نظیر فیاضی سے اپنے دربار میں اہل کمال جمع کئے تھے۔ اور یہ کہ اُن کی فیاضیوں میں مسلمان اور دوسری قومیں برابر حصہ رکھتی تھیں۔

تفصیل آمدنی عام صیغہ سے دس ہزار درہم ماہوار۔ خاص صیغہ سے پچاس ہزار درہم ماہوار۔ لباس کے لئے پچاس ہزار درہم ماہوار۔ خوراک کے لئے پانچ ہزار درہم ماہوار۔ رہزہ کے آغاز میں پچاس ہزار درہم۔ فطر کے دن پچاس ہزار درہم۔ خلیفہ کی فصد کے دن ہر دفعہ پچاس ہزار درہم۔ دوا پلانے کے لئے سال میں دو بار پچاس ہزار درہم۔ اس کے علاوہ خاندان شاہی اور دربار وزارت سے جو روپیہ مقرر تھے اُن کی یہ تفصیل ہے۔

زبدہ خاتون۔ پچاس ہزار درہم سال۔ عبیدہ پچاس ہزار درہم۔ فاطمہ ستر ہزار درہم۔ عیسیٰ بن جعفر پچاس ہزار درہم۔ ابراہیم بن عثمان۔ تیس ہزار درہم۔ یحییٰ بن خالد برکی۔ چھ لاکھ درہم سال۔ جعفر برکی۔ بارہ لاکھ درہم۔ فضل بن یحییٰ اچیتہ لاکھ درہم۔ فضل بن یحییٰ پچاس ہزار درہم۔

مشہور حکیم و وہابان کو اس کی خدمت میں بھیجا۔ اور خط میں لکھا کہ ”مجوہد یہ آپ کی خدمت میں روانہ کرتا ہوں۔ دنیا میں اس سے بڑھ کر مفید۔ اور نامور اور معزز تحفہ نہیں ہو سکتا۔ اس حکیم نے کسی طرح معلوم کیا تھا کہ ایوان کس کے لئے میں ایک صندوق مدفون ہے۔ جس میں نو شیرواں کے وزیر کی ایک نہایت بے مثل تصنیف چھپا کر رکھی گئی ہے۔ ماموں سے کہہ کر اس نے صندوق منگوا یا کھولا گیا تو وہاں کے ٹکڑے میں پٹا ہوا۔ قسریاً سو ورق کا ایک رسالہ ملا۔ ماموں نے اس کا ترجمہ نہایت مستثر ہوا۔ اور فضل بن سہل سے مخاطب ہو کر کہا کہ ”خدا کی قسم کلام اس کو کہتے ہیں۔ وہ نہیں جو ہم لوگ کیا کرتے ہیں“

حجاج بن یوسف کوفی۔ قسطنطین بن قبا بلکی۔ ابو حسان۔ سلما۔ حنین بن اسحاق۔ سہل بن ہرون۔ ابو جعفر یحییٰ ابن عدی۔ محمد بن موسیٰ خوارزمی۔ جن بن شاکر۔ احمد بن شاکر۔ علی ابن العباس بن احمد جوہری۔ یعقوب کندی۔ یوحنا بن ماسویہ۔ ابن البطریق۔ محمد بن شاکر۔ یحییٰ بن ابی منصور۔ ماموں کے دربار کے مشہور مستریم اور بیت الحکمت کے مہتمم تھے۔ ان مترجموں میں سے اکثر کی تحوا ہیں۔ بجعل کے حساب سے ڈھائی ڈھائی ہزار روپے ماہوار تھیں۔ ترجمہ کا کام دولت عباسیہ میں خلیفہ منصور کے عہد سے شروع ہوا۔ اور ایک مدت تک بڑے اہتمام سے جاری رہا یہ کہنا قریباً صحیح ہے کہ یونان۔ اٹلی۔ وکسل۔ و سکندریہ کا کوئی علمی سرمایہ ایسا باقی نہیں رہا جو ترجمہ کے ذریعے سے عربی زبان میں منتقل نہیں ہوا۔ یہی چیز ہے جس کی وجہ سے علمی دنیا میں دولت عباسیہ کی شہرت کی آواز باز گشت آج تک آ رہی ہے۔

لیکن بالخصوص ماموں الرشید کا دور اس فخر کے تلج کا طرہ ہے ماموں کے سوا اور عباسی خلفائے مثل ہارون الرشید و امین و معتصم وغیرہ علوم فلسفہ سے محض تاواقف یا برائے نام واقف تھے۔ اور اسوجہ سے اُن کے اہتمام و ترجمہ کا اثر وہ نہیں ہو سکتا تھا۔ جو ایک ماہر فن کا ہو سکتا تھا۔ اس سے زیادہ یہ کہ خوش قسمتی سے یا ماموں کی رتبہ شناسی سے ماموں

عہد کے مترجم زبانداں ہونے کے علاوہ حکیم اور مجتہد الفن بھی تھے۔ یعقوب کندی جو اُس کے دربار کا بڑا مترجم تھا مسلمانوں میں ارسطو کا ہم پل تسلیم کیا گیا ہے۔ سلیمان بن خنان نے لکھا ہے کہ اسلام میں کندی کے سوا اور کوئی شخص فلاسفہ کے لقب سے ممتاز نہیں ہوا وہ طب۔ حساب۔ منطق۔ موسیقی۔ ہندسہ۔ طبائع اعداد۔ نجوم۔ کا بہت بڑا ماہر تھا۔

ان علوم میں اُس کی مستقل تصنیفیں موجود ہیں۔ علامہ بن ابی اصیبعہ نے اپنی کتاب طبقات الاطباء میں اُس کی تصنیفوں کی ایک مفصل فہرست لکھی ہے۔ جس میں دو سو بیاسی کتبوں اور رسالوں کے نام ہیں۔ ان میں سے بعض میں اُس نے یونانی حکما کی غلطیاں ثابت کی ہیں۔ بعض میں حالات جدیدہ کا بیان ہے۔ ایک رسالہ ایک آلہ پر لکھا ہے جس سے تمام اجرام کا بعد دریافت ہو سکتا ہے۔ ایک اور آلہ کی ترکیب لکھی ہے جس سے تمام معائنات کا بعد معلوم ہو سکے۔ اس قسم کے اور جدید آلات پر اُس نے رسالے لکھے ہیں۔ علوم فلسفہ کے ترجمہ میں اس بات کو بہت بڑا دخل ہے کہ مترجم۔ فن سے مجتہدانہ واقفیت رکھتا ہو۔ اسی بنا پر ابو حشر نے کتاب المذکرات میں لکھا ہے کہ اسلام میں عمدہ مترجم چار شخص گزرے ”یعقوب کندی جنین بن اسحق۔ ثابت بن قرۃ۔ عمرو بن الفرفاں البطری۔ یعقوب کندی نے ترجمہ کے ساتھ اصل کتاب کی چھید گسیاں بھی رفع کر دیں۔ اور اس وجہ سے اُس کے ترجمے ایک اعتبار سے شرح کی حیثیت رکھتے ہیں۔

یعقوب کندی کی خاص تصنیفیں جو منطق میں ہیں ایک مدت تک درس میں داخل تھیں مگر جب تک حکیم ابو نصر فارابی کی تصنیفیں نہیں شائع ہوئیں انکار و ارج تمام ممالک فارس و خراسان و عراق میں قائم رہا۔ یعقوب کے شاگردوں میں سے۔ حسنویہ۔ نفطویہ۔ سلمویہ۔ احمد بن علی کو علمی شہرت حاصل ہے احمد بن الطیب علوم فلسفہ کا بڑا فاضل تھا۔ اُس نے اکثر ارسطو وغیرہ کی تصنیفات کے خلاصے۔ کئے اور شرحیں لکھیں۔

ماموں کے دربار کا دوسرا مترجم جنین بن اسحق جبکانشو و نسا۔ ماموں ہی کے عہد میں ہوا

۱۔ دیکھو طبقات الاطباء حالات یعقوب کندی۔ میں نے جو کہ اس حکیم کی نسبت لکھا ہے۔ اسی معتمد کتاب سے لکھا ہے۔ جو اپنے باب میں ایک بہت غیر تصنیف ہے۔ جنین کا مفصل تذکرہ طبقات الاطباء میں ملاحظہ کرنے کے قابل ہے۔ ۱۲۔

ترجمہ کا نام میر و ہے۔ عربیت کی تکمیل خلیل بن احمد بصری سے کی تھی جو لغات عرب کا پہلا مدون اور
فن عروض کا مجدد ہے۔ یونانی زبان بلا دروم میں جا کر سکی۔ اول اس نے جبریل نجیشوع کی خدمت
میں رسائی حاصل کی رفتہ رفتہ دربار خلافت میں پہنچا۔ ماموں نے اس کو ترجمے کے کام پر مامور کیا
اور زرو مال سے مالامل کر دیا۔ مشاہرہ کے علاوہ صلہ و انعامات کی کوئی حد نہ تھی۔ مشہور یہ ہے کہ
ماموں ہر کتاب کے ترجمہ کے عوض کتاب کے برابر سونا تول کر دیتا تھا۔ لیکن جنین نے خود ایک
رسالہ میں دینار کی بجائے درہم کی تصریح کی ہے۔ علامہ بن ابی اصیبعہ نے کتاب طبقات الاطباء میں جو
سنتہ جبری میں تالیف ہوئی لکھا ہے کہ میں نے خود جنین کے بہت سے ترجمے دیکھے جو اس کے
کاتب ارزق کے ہاتھ کے لکھے ہوئے تھے۔ اور جن پر ماموں الرشید کا شاہی طغرائہ ہوا تھا۔
ابن ابی اصیبعہ کا بیان ہے کہ "یہ مترجم کتابیں نہایت جلی خط میں تھیں۔ کاغذ بھی نہایت گندہ
تھا اور ہر صفحہ میں صرف چند سطریں تھیں۔ غالباً جنین قصداً کتاب کی نفی مارت کو بڑا مانا چاہتا تھا کیونکہ
کتاب کے برابر تول کر اس کو چاندی ملتی تھی۔" علامہ موصوف ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کرتے ہیں
کہ اگر اس قدر گندہ اور مضبوط کاغذ پر نہ لکھی ہوتیں تو آج تک یہ کتابیں محفوظ نہ رہ سکتی تھیں۔
علامہ بن ابی اصیبعہ نے حکیم جالینوس کے ذکر میں جالینوس کی ایک سو اکیس کتابوں
کے نام اور ان کے مضامین لکھے ہیں۔ پھر لکھا ہے کہ تقریباً یہ سب کتابیں جنین نے عربی
میں ترجمہ کیں۔ جنین نے ایک رسالہ میں خود جالینوس کی تصنیفات کی تفصیل کی ہے اور کہا ہے
کہ میں نے کن مشکلوں سے یہ کتابیں بہم پہنچائیں۔ اور ان کے ترجمے کئے۔ وہ مکہ تھے۔
کہ کتاب البرہان کی تلاش میں جزیرہ فلسطین۔ مصر۔ اسکندریہ۔ اور حمام مالک
شام میں پھرا۔ لیکن صرف ثلث مقالہ و مشق میں دستیاب ہوا۔ جالینوس کی
کتابوں کے ترجمے اور مترجمین نے بھی کئے مثلاً۔ الطائ۔ ابن کی۔ بطریق۔ ابو سعید عثمان
و مشقی۔ موسیٰ بن خالد۔ لیکن جنین کے ترجموں سے ان کو کچھ نسبت نہیں ہے علامہ
بن ابی اصیبعہ نے موسیٰ بن خالد کے ترجمے خود دیکھے ان کا بیان ہے کہ دونوں میں
زمین آسمان کا فرق ہے۔ تعجب ہے کہ جنین خود بھی صاحب تصنیفات تھا۔
طبقات الاطباء میں اس کی خاص تصنیفات کی فہرست تین صفحات میں نقل کی ہے

جس کو ہم تطویل کے لحاظ سے قلم انداز کرتے ہیں۔
حنین کا نامور فرزند اسحق اور اس کا بھانجا جیش۔ ان دونوں نے ترجمہ کے کام کو بہت
وسعت دی۔ اسطو کی اکثر فلسفی تصانیف اسحق نے ترجمہ کیں۔

فسطا بن یوقا بعلبکی بھی نہایت نامور فاضل اور مختلف زبانوں کا ماہر تھا۔ ابن الندیم
کا بیان ہے کہ ”وہ طب، فلسفہ، ہندسہ، اعداد، موسیقی، میں مہارت کامل رکھتا تھا۔ یونانی
زبان نہایت فصاحت سے بولتا تھا۔ عربیت میں کامل تھا۔ علامہ ابن ابی اصیبعہ
نے لکھا ہے کہ اس نے یونان کی بہت سی کتب عربی میں ترجمہ کیں اور اکثر پہلے
ترجموں کی اصلاح کی۔ اس کے علاوہ وہ خود بھی صاحب تصنیفات تھا۔
طبقات الاطباء میں اس کی بہت سی تصنیفات کے نام لکھے ہیں۔

خاص ماموں کے عہد میں جس قدر کتابیں ترجمہ ہوئیں۔ اور ان پر جو شرح و حواشی لکھے
گئے۔ ان کی فہرست کے لئے ایک مستقل رسالہ درکار ہے۔
ماموں جس قدر فلسفہ کے دلچسپ مسائل سے آگاہ ہوا گیا۔ اس کے شوق تحصیل کو
اور ترقی ہوتی گئی۔ اور زیادہ تر تحقیق و تجربے پر مائل ہوا۔

علم جبر و مقابلہ پر اسلام میں اول جو کتاب لکھی گئی۔ وہ اسی عہد کے ایک مشہور عالم محمد بن
موسیٰ خوارزمی نے ماموں کی فرمائش سے لکھی۔ یہ تصنیف آج بھی موجود ہے اور اس قدر جامع
و مرتب ہے کہ گو علمائے اسلام نے جبر و مقابلہ میں سینکڑوں ناو کتابیں لکھیں لیکن
اصل مسائل میں اس سے زیادہ ترقی نہ کر سکے۔

عجب ہے کہ صاحب کشف الظنون نہ صرف ماموں ارشد بلکہ خاندان عباسیہ کی مجموعی کوششوں کو بے وقتی کی نگاہ سے
دیکھتے ہیں۔ وہ علم حکمت کے ذیل میں کہتے ہیں کہ یونانی عمدہ اور معظم تصنیفات عربی میں ترجمہ نہیں ہوئیں اور حریف
ہوئیں ان میں اکثر عطیات رہ گئیں۔

میں اس موقع پر صرف اس قدر کہنا چاہتا ہوں کہ صاحب کشف الظنون کو تاریخ الحکماء۔ و طبقات الاطباء لابن ابی اصیبعہ فور
سے پڑھنا چاہیئے تھا۔ میں کئی سو تصنیفات کے ترجموں کا نشان دے سکتا ہوں ۱۲۔

یونانی کتب حکمت میں اُس نے پڑھا تھا کہ کرہ زمین کا دور ۲۴ ہزار میل ہے۔

مزید تحقیق کے لحاظ سے محمد و احمد و حسن کو جو اُس کے خاص ندیم اور فنون حکمت کی ترقی و اشاعت میں اُس سے بھی کچھ زیادہ سرگرم تھے، حکم دیا کہ دربار میں جو ہیئت و ان مہرین فن ہیں، اُن کو ساتھ لیں۔ اور کسی جمہور اور وسیع صحرائیں آلات رصدیہ اور اصول حساب کے استعمال سے کرہ زمین کی پیمائش کریں، سنچار کا سطح اور وسیع میدان اس تجربے کے لئے نہایت مناسب مقام تھا۔ ان لوگوں نے پہلے ایک جگہ ٹھہر کر آلات رصدیہ کے ذریعے سے قطب شمالی کا ارتفاع معلوم کیا۔ پھر وہاں ایک کھوٹی گاڑ دی اور ایک بسی رسی اُس میں باندھ کر ٹھیک شمالی کی سمت چلے۔ رسی جہاں ختم ہو گئی۔ وہاں ایک دوسری کھوٹی گاڑ دی اور اُس میں ایک رسی باندھ کر پھر شمالی سمت کو چلے اور ایک جگہ ٹھہر کر رصد سے دیکھا تو قطب شمالی کا ارتفاع ایک درجہ بڑھ گیا تھا۔ اب جس قدر مسافت طے ہوئی تھی، اُسکی مسافت کی ۶۶ میل اور دو ثلث میل بٹھری۔ اس سے نتیجہ نکالا کہ آسمان کے ہر ایک درجہ کے مقابل زمین کی سطح ۶۶ میل اور دو ثلث میل ہے۔ پھر اُسی مقام سے ٹھیک جنوب کی طرف چلے اور اُسی طرح رسیاں باندھتے گئے۔ یہاں قطب شمالی کا ارتفاع لیا تو معلوم ہوا کہ ایک درجہ کم ہے۔ اب اس طرح حساب لگایا کہ ایک درجہ کے مقابل زمین کی جو مسافت ٹھہری تھی، اُسکو تین سو ساٹھ میں ضرب دیا کیونکہ آسمان کے درجہ اسی قدر قرار دئے گئے ہیں۔ اس حساب سے محیط زمین ۲۴ ہزار میل ٹھہرا۔

دولت اسلامیہ میں اول جس نے رصد خانہ کی بنیاد ڈالی اور پیش بہا آلات رصدیہ یہاں کئے وہ یہی نامور خلیفہ ماموں ہے۔ اس کام کے لئے اُس نے علاوہ اُن لوگوں کے جو دربار میں تھے تمام مالک محروسہ سے ہیئت و ہندسہ کے مہرین فن طلب کئے۔ اور ۱۳۷ھ میں بمقام شمسیمہ عظیم اشلان رصد خانہ قائم کیا۔ جس کے متبعم یہاں ابن ابی المنصور ابن البتہجین خالد بن عبد الملک مروزی، سند بن علی، عباس بن سعید جوہری، اور چند رانی، دال ملک، تھے۔ نہایت پیش بہا آلات رصدیہ تیار ہوئے۔ اور آفتاب کے میل کا مقدار، اس کے

سلطان بن فلکان، ترجمہ محمد بن موسیٰ۔

مرکزوں کا خروج اوج کے مواضع اور چند تیارات و ثوابت کے حالات دریافت کئے گئے۔ ماموں کے زمانہ تک جس زیتج پر اعتماد کیا جاتا تھا۔ وہ محمد بن ابراہیم فزاری کی تالیف تھی لیکن نئی تحقیقات کے بعد ماموں کے ایک بڑے سہم ابو جعفر محمد بن موسیٰ خوارزمی نے جو زیتج ترتیب دی۔ اس کی شہرت مقبول ہوئی اور یوں کا نام مٹا دیا۔ یہ زیتج دنیا کی تمام مستند زیچوں سے ماخوذ تھی۔ اوساط ہندوستان کی زیچ کے مطابق رکے تھے۔ تعدتیں فارس کی تحقیقات کے موافق تھیں۔ اور میل شمسی میں بطلمیوس کی رائے لی تھی۔ اس کے ساتھ ترتیب و تقریب کے متعلق خود پسند ایجادیں کی تھیں۔

ماموں کے ایک دوسرے منجر ہائے حاسب مروزی نے بھی تین زیچین طیار کیں گزرائیں جن میں جو تحقیقات جدیدہ کے مطابق اور ماموں کے نام سے منسوب ہے زیادہ مشہور ہوئی۔

ایشیائی حکومتوں میں کسی چیز کی اشاعت کے لئے صرف یہ بات کافی ہے کہ فرمانروائے وقت اس کا تدارک دے۔ لیکن ماموں کے عہد میں چند اور باتیں جمع ہو گئی تھیں۔

اس وقت تک مسلمانوں میں نجوم و ثبات کا عام مادہ موجود تھا۔ اور ہر شخص کا دل جوش و ہوس انگ سے بھر رہا تھا۔ یہ سرگرم طبیعتیں جس طرف رخ کرتی تھیں کوئی دقیقہ اٹھانا نہیں رکھتی تھیں اس کے ساتھ ماموں کی پایہ شناسی اور فیاضیوں نے اور بھی جوصلے بڑھا دیے اور چونکہ ماموں خود نہایت محقق اور ماہر بن تھا۔ اور اس کے دربار میں فروغ پانا کچھ آسان بات نہیں تھی۔ ملک میں کمال کا عام رواج ہو گیا۔

سنہ ۳۰۰ھ میں جب وہ بغداد پہنچا تو قاضی یحییٰ بن اکثم کو حکم دیا کہ علماء و فضلا میں سے بیس شخص انتخاب کئے جائیں جو علمی مجلسوں میں شریک ہو کر تدریس فرمائیں بھیج کر ہر جگہ سے ادیب فقیہ۔ شاعر۔ مشکلم۔ حکیم۔ طلب کئے۔ اور معقول تنخواہیں مقرر کیں۔

اصمعی کو جو ایک انجمن روزگار شخص۔ اور لغات عرب میں قریباً ایک خمس اسی کی روایت ہے بصرہ سے بلانا چاہا۔ مگر چونکہ اس نے ضعف اور پیرانہ سالی کا عذر کیا۔ اس لئے حکم دیا۔

۱۔ کشف الظنون ذکر ائمہ ۲۔ ۳۔ دیکھو جامع المقصد البندیہ مطبوعہ فرائض مقام بن حیدر صفحہ ۱۰۰ ۴۔ کشف الظنون ذکر زیتج حبش ۵۔ نامہ دستور ان ناصر بن صفحہ ۱۰۲۔ ۶۔ مروج الذهب مسعودی ذکر خلافت قایم برائے ۱۰۔

کہ خواہ اور ادب کے مشکل مسائل جو دربار کے ملاحل نہ کر سکیں۔ اجمعی کے پاس جواب کی غرض سے بھیجے جائیں۔ شاہ یونان کو خط لکھا کہ ”حکیم یو کو اجازت دی جاوے کہ مجھ کو یہاں آکر فلسفہ پڑھا جائے۔ جس کے حوض میں صلح دائمی کا وعدہ اور پانچ ٹن سونا دینا منظور کرتا ہوں۔“

فخر انجمی کو جو علم نو کے ارکان میں شمار کیا گیا ہے۔ حکم دیا کہ انہیں ایسی جامع کتاب لکھے جو تمام اصول کو مادی اور اہل زبان کے محاورات اور طریق استعمال سے مستنبط ہو۔ اس غرض سے ایوان شاہی کا ایک کمرہ خالی کیا گیا۔ اور خدام و ملازم مقرر ہوئے کہ ہر ایک کو کسی ضرورت کے لئے کچھ کہنا نہ پڑے۔ صرف نماز کے وقت آدمی اطلاع کرتا تھا کہ ”وقت ہوا“ بہت سے کاتب اور ناقلین مبین ہوئے کہ جو کچھ فرماتا جائے۔ لکھتے جائیں۔ دو برس کی متصل محنت میں ایک نہایت سیدھا کتاب تیار ہوئی۔ ماموں نے حکم دیا کہ اس کی بہت سی نقلیں لکھو اگر کتب خانوں میں بھیجی جائیں۔ اس کتاب کا نام کتاب الحمد و دہے۔ فرمائے اُس کے بعد کتاب المعانی پھر کے طور لکھوائی۔ راوی کا بیان ہے کہ جو شائقین فن اُس کے لکھنے کے لئے ہر روز فرا کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ میں نے ان سب کا شمار کرنا چاہا تو نہ کر سکا۔ لیکن صرف قاضیوں کو گنا تو اپنی تھے۔

ماموں کے عہد خلافت کی ایک بڑی یادگار یہ ہے کہ فارسی شاعری کی ابتدا اسی زمانے میں ہوئی۔ گو فارس میں اسلام سے پہلے سنخوری اور کمال تک پہنچ چکی تھی۔ لیکن فتوحات عرب کے سیلاب میں وہ دفتر خدا جالے مکہاں بہ گئے کہ آج بڑے بڑے وسیع انظر صنعت زد کروں کے ہزاروں ورق اٹ کر بھی ایک قطعہ یا غزل کا پتہ نہیں دے سکتے۔ فارسی لٹریچر خلافت مملوک کا یہ ابدی احسان ہے۔ کہ اس عہد میں اُس کی مردہ شاعری نے دوبارہ جنم لیا۔ ماموں کی زبان ماموری فارسی تھی۔ اُس کا ابتدائی زمانہ بھی خراسان میں بسر ہوا۔ لیکن دربار میں صرف عرب کے شعرا تھے۔ جو جن و خوشی کے موقعوں پر فصیح و بلیغ قصائد لکھ کر گراں بہا صلے حاصل کرتے تھے۔ اس بات نے عباسی مروزی ایک ایرانی فاضل کو رشک

کے ساتھ جو صلہ دلایا کہ ملک کی مردہ شاعری کو پھر زندہ کرے اماموں کی طرح میں اُس نے ایک قصیدہ لکھا جس کے چند شعر یہ ہیں۔

اے رسانیدہ بدولت فرق خود بر فرقیدیں مرغلافت را تو شایستہ چو مردم ویدہ را کس بدیں منوال پیش از من چنین شعر نمی گفت لیکن اں گفت من ایں مدحت تر انا ایں لغت	گسترانیدہ بفضل وجود در عالم یدیں دین یزداں را تو بایستہ چو رخ راہرو دین مر زبان پارسی را ہست با ایں نوع ہیں گیر و از مرع و ثنائے حضرت توزیب یزیں
---	---

حکومت کی تاثیر دیکھو۔ عربی الفاظ نے ہزاروں برس کی خاص اور منہی ہوئی زبان پر کس قدر جلد قبضہ کر لیا۔ کہ حب وطن میں ڈوبو اشاعر۔ اپنے ملک کی زبان کو اُس سے آزاد کرنا چاہتا ہے۔ اور نہیں کر سکتا۔

اماموں کے عہد میں علم خطائے بھی جو ایشیا کا ایک بڑا جوہر ہے۔ نہایت ترقی حاصل کی اس سے پہلے بھی بہت سے خطایا بجا ہو چکے تھے۔ منصور۔ و عہدی عباسی کے زمانے میں اسحق بن حماد۔ مشہور خوشنویس تھا۔ اُس کے شاگردوں نے بارہ قسم کے خطایا بجا کئے تھے لیکن اس وقت تک کسی نے اس فن کے اصول و ضوابط نہیں لکھے تھے۔ بلکہ یہ کہنا چاہتے تھے کہ اُس وقت تک یہ فن کوئی بطلی فن نہ تھا۔ سب سے پہلے اماموں کے درباریوں میں سے احوال مور نے اُس کے اصول و قاعدے منضبط کئے۔ اماموں کے وزیر اعظم دوار یا ستین نے بھی ایک خطایا بجا دیکھا۔ جو اُس کی طرف منسوب ہو کر قلم اریاسی کے نام سے مشہور ہے۔

اماموں کا فضل و کمال علمی مجاہدیں

اہل علم کی قدر دانی

اسلام کو آج تیرہ سو برس سے کچھ اوپر ہوئے۔ اس وسیع مدت میں ایک تخت نشین بھی ایسا نہیں گذرا جو فضل و کمال کے اعتبار سے اماموں کی شان یکتائی کا حریف ہو سکتا۔ افسوس

سہ دیکھو تیرہ سو جمع الفصحا۔ ذکر عباس مروزی۔ ۱۲

خط

ہے کہ سلطنت کے اقتساب نے اُس کو خلفاء و سلاطین کے پہلو میں جگہ دی ورنہ شاخری۔
ایام العرب۔ ادب۔ فقہ۔ فلسفہ۔ کون سی بزم ہے۔ جہان فخر و شرف کے ساتھ اُس کا انتقال
نہ کیا جاتا۔ قریباً پانچ برس کی عمر میں وہ مکتب میں بٹھایا گیا۔ علما جو اُس کی تعلیم کے لئے
مقرر ہوئے۔ ہر ایک یگانہ وقت بہتا۔

یزید می جس کو تعلیم کے ساتھ اتالیقی کی خدمت بھی سپرد تھی۔ ایک مشہور مصنف ہے
غلیل بصری جو لغات عرب کا پہلا مدون ہے اُس کا اُستاد تھا۔ لغت میں کتاب النوا وریزی
ہی کی تصنیف ہے۔ وہ سترہ ہجری تک زندہ رہا اور ہمیشہ ماموں اس کی صحبت سے مستفید ہوتا رہتا
تھا۔ ماموں کا دوسرا استاد۔ کسائی۔ نحو کے مجتہدین میں شمار کیا گیا ہے۔ امام مالک جو فن حدیث
میں ماموں کے استاد تھے۔ مشہور امام ہیں۔ آج دنیا میں سنی مذہب کے لوگ قریباً
ایک ربع انہیں کے مقلد اور پیرو ہیں۔

ماموں کے اساتذہ اور طالب علمی کے حالات کو اس موقع پر ہم دوہرانا نہیں چاہتے
ناظرین کتاب کے حصہ اول میں جہاں یہ حالات پڑھ چکے ہیں۔ اُن صفحوں کو ایک بار اور اٹھا
کر دیکھ لیں۔ ذیل کی حکایتوں سے جو نہایت صحیح اور مستند تاریخی شہادتوں سے ثابت ہیں
ماموں کی جامعیت اور فضل و کمال کا اندازہ ہو سکتا ہے

ایک دن علما کا مجمع تھا۔ ہر فن کے اہل کمال و دربار میں حاضر تھے۔ ایک عورت فریادی آئی
کہ میرا بھائی چہ سوا شرفیاں چہ بڑا کفر قضا کر گیا۔ مگر لوگوں نے ترکہ میں مہکوا ایک ہی اشرفی دوائی۔
ماموں نے فریاد پر دل ہی دل میں کچھ حساب لگایا۔ دیکھا تو سہام صحیح تھے۔ عورت
سے کہا کہ ہاں تجھ کو اتنا ہی ملنا چاہئے۔ اس غیر موقع جواب پر سب کو حیرت ہوئی۔ علما نے
پوچھا۔ امیر المومنین کیونکر ماموں نے کہا۔ متوفی کی دو بیٹیاں ہوں گی۔ دو ٹلٹ یعنی
چار سوا شرفیاں تو اُن کو ملیں۔ مان بھی ہوگی۔ جس کو سوس یعنی سوا شرفیاں پہنچیں۔
زوجہ کو نمٹن یعنی پچھترہ۔ ملا ہوگا۔ باقی رہے۔ ماموں نے عورت کی طرف مخاطب ہو کر کہا
سچ کہنا۔ تیرے بارہ بھائی ہیں۔ عورت نے تسلیم کیا کہ ہاں۔ ماموں نے کہا۔ دو دو
اُن کو ملیں ۲۴۔ ہوئیں۔ ایک باقی رہی۔ وہ تیرا حق ہے

ایک بار ایک شخص ماموں کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا کہ محدث ہوں اور اسی فن میں کل زندگی بسر کر دی ہے۔ ماموں نے کہا اس مسئلے کے متعلق کتنی حدیثیں یاد ہیں وہ ایک بھی نہ بتا سکا۔ ماموں نے بیسویں روایتیں بیان کیں اور سندوں کا ایک تار باندھ دیا کہ اس باب میں ہاشم نے یہ کہا ہے۔ حجاج نے یہ روایت کی ہے۔ ایک دوسرے محدث کا یہ قول ہے۔ پھر اُس شخص سے ایک دوسرا مسئلہ پوچھا۔ وہ اب بھی عاجز رہا۔ ماموں نے اُسی طرح حدیث کے متعدد طریقے بیان کئے۔ اور درباریوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ ”لوگ تین دن حدیث پڑھ کر پھول جاتے ہیں کہ ہم بھی محدث ہیں۔ خیر۔ تین درجہ اسکو دلاؤ۔“

ادب و شاعری میں وکال ہم پونچایا تھا۔ کہ بڑے بڑے ماہرین فن اُس کی استادی کا اعتراف کرتے تھے۔ قدما اور شعرا اُسے جاہلیت کے علاوہ شعرا اُسے عصر کے مشہور قصائد اور قطعے اس کو نوک زبان یاد تھے۔ اور اس باب میں اُس کی شہرت ضرب المثل کی حد تک پہنچ گئی تھی۔ علامہ یزید می نے ایک بار خلیفہ واثق کی تعریف کی کہ تمام خلفائے عباسیہ میں واثق کے برابر کسی کو عرب کے اشعار نہیں یاد تھے۔ لوگوں نے مہایت متعجب ہو کر کہا۔ کیا ماموں سے بھی زیادہ۔ یزیدی نے کہا ہاں۔ ماموں نے ادب میں نجوم اور طب اور منطق کو بھی ملادیا تھا۔ لیکن واثق نے ادب کے سوا اور کسی فن کی طرف توجہ ہی نہیں کی۔ ماموں کو ابس ذوق شوق میں شان سلطنت کا بھی خیال نہ تھا خود اُس کی ہجو میں واصل وغیرہ نے جو لکھا تھا۔ اُسکو حفظ یاد تھا۔ اور زبان کی شستگی کے لحاظ سے اُسکی تحسین کرتا تھا۔ خدا نے طبیعت ایسی سوزوں اور طباع عطا کی تھی۔ کہ شعرا اُسکی زود فہمی اور نکتہ سنجی پر حیرت زدہ ہو جاتے تھے۔ ایک موقع پر جب عمارت بن عقیل نے سو شعروں کا ایک مدحیہ قصیدہ پیش کیا تو ہر شعر پر مصرعہ ثانی کے شروع ہونے سے پہلے ماموں بتاتا گیا کہ یہ قافیہ ہے اور اس پہلو سے بندھا ہوگا۔ عمارت نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔ خدا گواہ ہے۔ اب تک ابس قصیدہ کا ایک شعر بھی میں نے ظاہر نہیں کیا ہے۔

ماموں نے کہا تم کو یہ معلوم ہو گا کہ جب عبداللہ بن عباس کے سامنے ایک شاعر نے اپنا کچھابو
ہے۔ قصیدہ پڑھا تو وہ برابر دوسرا مصرعہ پڑھتے گئے میں انہیں کا فرزند ہوٹا۔ ایک بار اُس نے
محمد بن زیاد اعرابی سے جو مشہور ادیب اور نساب تھا پوچھا کہ ہند کے اس مصرعہ میں
مخون نبات طارق دہم طارق کی بیٹیاں ہیں، طارق سے کون مراد ہے۔ محمد بن زیاد نے بہت
خیال دوڑایا مگر ہند کے خاندان میں طارق کسی کا نام نہ تھا۔ آخر عرض کیا حضور۔ میں نہیں بتا سکتا
ماموں نے کہا یہاں در طارق کے معنی ستارہ کے ہیں۔ جیسا کہ قرآن کی اس آیت میں ہے
وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ طَارِقَانِ شَاعِرُہ نے فخر یہ اپنے کو ستارہ کی طرف منسوب کیا ہے محمد نے عرض کیا
کہ کوئی اسناد ارشاد ہو۔ ماموں نے کہا میں خود مجتہد الفن اور مجتہد (یعنی ہلروں اور رشید) کا فرزند
ہوں۔ یہ کہہ کر فخر کے جوش میں غنبر کا ایک غلہ جو ہاتھ میں لئے ہوئے تھا۔ محمد کی طرف
پھینکا۔ محمد نے اس گرا نہیا الغمام کو جو با پنچہزار درہم قیمت رکھتا تھا بڑی خوشی سے قبول
کیا اور رخصت ہوا۔

مروان بن ابی حفصہ اس زمانہ کا ایک مشہور شاعر تھا۔ ہارون الرشید نے اُس کو
ایک قصیدہ پر اسب خاصہ و خلعت اور پانچ ہزار دینار الغام میں دئے تھے۔ چونکہ ماموں
ارشید باپ سے بھی زیادہ فیاض اور باریہ شناس تھا۔ مروان نے اس امید پر کچھ مدحیہ
اشعار کہے اور ماموں کو سنائے۔ لیکن اس بات سے کہ ماموں نے نہ کچھ دیا اور وہی ماموں
کے چہرے سے کچھ قبول کا اثر ظاہر ہوا۔ مروان کو سخت تعجب ہوا۔ ورنہ بارے واپس کر
عمارۃ بن عقیل سے کہا کہ کیوں تمھاری کیا رائے ہے۔ میں تو خیال کرتا ہوں کہ ماموں کو
سخن فہمی کا مطلق مادہ نہیں ہے۔ (عمارۃ) ایں ماموں سے زیادہ اور کون نکلتے سنج ہو سکتا ہے
مروان اگر میں نے تو اس کے سامنے یہ لاجواب شعر پڑھا۔ اور اُس کو ذرا جنبش
نہ ہوئی۔

امامی ہام الہدی المامون مستغلو بالالین والانس بالمدینہ شامیہ

سنة تايخ الخلفاء سيوطي ۱۱

سنة تايخ الخلفاء سيوطي ۱۱

ترجمہ لوگ دنیا کے کاروبار میں پھنسے ہیں۔ لیکن۔ امام۔ رہتا۔ اماموں دین میں مشغول رہے۔ عمارت اسماں اللہ۔ اس شعر کی بھی آپ داد چاہتے ہیں۔ اماموں نہ ہوا کوئی بڑھیا ہوئی کہ محراب میں بیٹھی تسبیح پھر رہی ہے۔ اگر اماموں جو بارسلطنت کا عامل ہے، دنیا کا کفیل نہ ہو گا اور کون ہو گا۔ (مروان) اب میں سمجھا کہ میری خطا تھی۔

اماموں کی خوش بیانی اور برجستہ گوئی کا عموماً لوگ اعتراف کرتے تھے۔ ثمامہ بن اشتر کا قول ہے کہ ”میں نے جعفر برکی اور اماموں سے زیادہ فصیح اور بلیغ کسی کو نہیں دیکھا“

اماموں کے خطبے اب بھی موجود ہیں۔ جن کے ہر فقرہ سے شستہ بیانی اور زور طبیعت کی شہادت ملتی ہے۔ اگرچہ اُس وقت خطبوں کا وہ زور شور نہیں رہا تھا۔ جیسا جاہلیت یا آغاز اسلام میں تھا۔ اور خصوصاً پولیٹیکل موقع پر تو اُسکی سدا بکھل ناپید ہو گئی تھی۔ تاہم جمعہ اور عیدین میں اب تک فصحا اپنی تیج زبان کا جوہر دکھاتے تھے۔ لیکن آجکل کی طرح بکھرا موختہ نہیں سناتے تھے۔ بلکہ جو کچھ کہتے تھے زبان اور محل کہتے تھے۔ اس قسم کے خطبے جو اماموں نے مختلف وقتوں میں پڑھے۔ کتاب العقد لابن عبد ربہ میں با الفاظ نہ کور ہیں مگر افسوس ہے کہ ان کا نقل کرنا یہاں موزوں نہ ہو گا۔ تاہم میں سے عربی دان کہتے ہیں۔ اور ترجمہ کیا جاوے تو وہ بات نہیں رہتی۔ سخنوری کے لحاظ سے اماموں ایک بلند مرتبہ شاعر تھا اُس کے چند شعر جن کی نازک خیالی اور مضامین کی خوبی کا اندازہ کسی قدر ترجمے سے ہو سکتا ہے ہم اس موقع پر نقل کرتے ہیں۔

لستانی کتوم لاسرا ر کسہ	میری زبان شہزادہ۔ زوں کو چھپاتی ہے
ودمعی نموم لاسرای مذنیج	لیکن آنسو غماز ہیں اور میر سے راز کو فاش کر دیتے ہیں۔
فلولامعی کمت اللموی	اگر آنسو نہ ہوتے تو میں عشق کو چھپا سکتا۔
ولولاللموی لکمن لی وھوع	اور اگر عشق نہ ہوتا تو آنسو ہی کیوں ہوتے۔
اما الامون والملك ابھام	اماموں میں اماموں ہوں اور عظیم الشان بادشاہ ہوں۔
ولکنی لجلال مستھام	لیکن تیرے عشق میں سرشت ہوں۔

سہ تاج الخلفاء سیوطی، سہ یہ اشعار فوات الوفيات، تاریخ الخلفاء، وکامل بن ابی شریعہ عقد النضر سے جمع کئے ہیں۔

اماموں کی فصاحت و بلاغت

کیا تجکو یہ پسند ہے کہ میں تیرے عشق میں مری جاؤں اور دنیا بے امام کے رہ جائے۔ میں نے تجکو محبوب کی تلاش میں بھیجا۔ تو اُسکے دیدار سے کامیاب ہوا اور مجھے بھول گیا۔ جس سے تجکو تیری نسبت بدگمانی ہوئی۔ میرے محبوب سے تو نے سرگوشی کی۔ اور میں دور تھا۔ میں نے تیرا قرب (محبوب سے) میرے کس کام آیا۔ کاش میں ہی قاصد ہوتا۔ اور تو مجھے میرے ہوتا۔ پس تو محبوب سے دور رہتا اور میں قریب ہوتا۔ میں تیری آنکھوں میں ملائیہ محبوب کا اثر دیکھتا ہوں۔ لقد خذت جنداك من علي حنا	اتوفى ان هوت عليك وجدا ويبقى الناس ليس لعمد امام بعثك مرثا دافرت بنظرة واغفلتني حق استابك اطلنا فناجيت من اوصى وكنيت مبال فيا ليت شعري من ذك ما افنى فيا ليتني كنت الرسول وكنيتني فكنت الذي تفقني كنت الذي اذ ارى اثر امه بعينك بيتا لقد خذت جنداك من علي حنا
قاصد پر رشک کرنا۔ شعرا کا ایک وسیع مضمون ہے۔ اور بہت سے نازک خیالوں نے اُس کے مختلف پہلو نکالے ہیں۔ عربی نے قاصد سے گزر کر خود پیغام پر رشک کیا ہے اس کا شعر یہ ہے۔ شعر	قاصد پر رشک کرنا۔ شعرا کا ایک وسیع مضمون ہے۔ اور بہت سے نازک خیالوں نے اُس کے مختلف پہلو نکالے ہیں۔ عربی نے قاصد سے گزر کر خود پیغام پر رشک کیا ہے اس کا شعر یہ ہے۔ شعر
بوسے اور نغمہ مستم پیام راں ترسم مگر نکتہ پنج سمجھ سکتا ہے کہ ماموں نے اس مضمون کو کس کس طرح پلٹا ہے اور ہر بندہ مش میں جدت کے ساتھ باتیں بات نکالی ہے۔ ایک بار عید کے دن ماموں کے خوان کرم پر بہت سے معزز مہمان جمع تھے تین سو سے زائد مختلف اقسام کے کبانے و ستر خوان پر چنے گئے۔ ماموں ہر ایک کا خاصہ اور اثر بتاتا جاتا تھا کہ "بلغنی مزاج کو یہ منید ہے۔ سوداوی کو وہ نافع ہے۔ جس کو صفا کا زور ہو۔ وہ اس خاص قسم سے پرہیز کرے۔ جو اقلیل غذا کا ماوی ہے وہ یہ کھانے ماموں کی ہمہ دانی پر تمام حاضرین محو حیرت تھے۔ قاضی بھی بن اکثم سے نہ رہا گیا بیساتہ بول اُسے کہ "امیر المؤمنین آپ کی کس کس بات کی تعریف کی جائے	بوسے اور نغمہ مستم پیام راں ترسم مگر نکتہ پنج سمجھ سکتا ہے کہ ماموں نے اس مضمون کو کس کس طرح پلٹا ہے اور ہر بندہ مش میں جدت کے ساتھ باتیں بات نکالی ہے۔ ایک بار عید کے دن ماموں کے خوان کرم پر بہت سے معزز مہمان جمع تھے تین سو سے زائد مختلف اقسام کے کبانے و ستر خوان پر چنے گئے۔ ماموں ہر ایک کا خاصہ اور اثر بتاتا جاتا تھا کہ "بلغنی مزاج کو یہ منید ہے۔ سوداوی کو وہ نافع ہے۔ جس کو صفا کا زور ہو۔ وہ اس خاص قسم سے پرہیز کرے۔ جو اقلیل غذا کا ماوی ہے وہ یہ کھانے ماموں کی ہمہ دانی پر تمام حاضرین محو حیرت تھے۔ قاضی بھی بن اکثم سے نہ رہا گیا بیساتہ بول اُسے کہ "امیر المؤمنین آپ کی کس کس بات کی تعریف کی جائے
قاصد سے خطاب ہے۔ ۱۲	قاصد سے خطاب ہے۔ ۱۲

بڑا الی

طلب کا ذکر ہو تو آپ بالینوس وقت میں۔ نجوم کی بات چڑے تو ہر س
فقہ کی بحث ہو تو علی مرتضیٰ۔ سخاوت میں عاتم۔ راست بیانی میں ابوذر۔ وفا
میں نمول۔ اس مچی خوشامد سے ماموں بھی پھرک اٹھا۔ اور کہا کہ ”ماں آدمی کو جو
شراف ہے عقل سے ہے۔ ورنہ خون اور گوشت میں کیا خوبی رکھی ہے۔

ماموں کے بعض دل آویز اقوال اس موقع پر نقل کرنا موزوں ہو گا جن سے
اس کے لطیف اور اعلیٰ و فیاضانہ خیالات کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس کا قول تھا کہ ”
شریف وہ ہے جو بٹروں کو دبلے اور چھوٹوں سے خود دبے۔“ ”عقلوں کی لڑائی
دیکھنے سے۔ دنیا میں کوئی تماشا عمدہ نہیں۔“ ”دلیل سے غالب ہونا میں بہ نسبت
زور سے غالب ہونے کے زیادہ پسند کرتا ہوں۔“ ”آدمی تین قسم کے ہیں۔ بعض
ایسے ہیں۔ جن کی ہر وقت ضرورت ہے۔ بعض بمنزلہ دوا کے ہیں کہ خاص وقتوں
میں ان کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور بعض تو ایسے ہیں کہ بیماری کی طرح کسی حال میں
پسندیدہ نہیں۔“ بادشاہ کو بجا جت نہایت نازیبا ہے۔ اور اس سے زیادہ یہ
نازیبا ہے کہ قاضی فریقین کی تسکین نہ کر سکے۔ اور گھبرا جائے۔ اور ان سب سے
زیادہ ناموزوں۔ بورھوں کی ظرافت۔ جوانوں کی کابلی۔ سپاہی کی بزدلی ہر سبک
عمدہ مجلس وہ ہے جس میں لوگوں کے حالات سے واقفیت ہو۔“

لطیفہ ماموں شطرنج کا بڑا شایق تھا۔ مگر اچھی نہیں کھیلتا تھا۔ اکثر کہا کرتا تھا کہ
”عرصہ عالم کا بند و بست کرتا ہوں مگر وہ بالشت کا انتظام نہیں کر سکتا۔“

ماموں کا ایک مشہور مناظرہ جس میں اس کا یہ دعویٰ تھا کہ تمام صحابہ میں حضرت علی
افضل ترین ہیں۔ ایک بڑے معرکے کا مناظرہ ہے۔ قاضی کجی بن اکثم اور چاہس بڑے بڑے
فقیہ اس دعوے کے مخالفت تھے۔ ادھر ماموں تھا۔ سب کا طرف مقابل تھا۔ مناظرہ
کے وقت حاکی اور محکومی کا پردہ اٹھا دیا گیا تھا۔ اور ہر شخص کو گفتگو میں پوری آزادی حاصل تھی
صبح سے قریب دوپہر تک دونوں فریق نے داد و سخن دی مگر انصاف یہ ہے کہ میدان ماموں کے
ہاتھ رہا۔ یہ پورا مناظرہ کتاب العقدہ میں مذکور ہے اور حق یہ کہ وہ ماموں کی سمت نظر جوت دین

ماموں کے حکیمانہ قول

مناظرہ اور علمی مجلس

کثرت معلومات۔ حق بیان۔ زورِ تقریر کا ایک حیرت انگیز مرقع ہے۔

یوں تو ماموں کی عام مجلسیں بھی علمی تذکروں سے خالی نہیں ہوتی تھیں۔ لیکن شنبہ کا دن مناظرہ کا مخصوص دن تھا۔ جس کا طریقہ یہ تھا۔ کہ صبح کچھ دن چڑھے ہر مذہب و ملت کے علماء اور ماہرین فن دربار میں حاضر ہوئے۔ ایک پر تکلف ایوان پہلے سے مرتب رہتا تھا۔ سب لوگ نہایت بے تکلفی سے وہاں بیٹھ گئے۔ خادم نے ہر شخص کے سامنے اگر عرض کیا کہ بے تکلفی سے تشریف رکھئے۔ اور چاہئے تو پاؤں سے موزے بھی اتار ڈالئے۔ پہرہ وستر خوان جو مختلف اقسام کے اطعمہ و اشربہ سے فرین ہوتا تھا۔ بچھایا گیا۔ کھانے سے فارغ ہو کر سب نے وضو کیا۔ عود و لبان کی انگیمیاں آئیں۔ کپڑے بسائے۔ خوشبو ملی۔ خوب مطیب و معطر ہو کر دار المناظرہ میں حاضر ہوئے۔ اور ماموں کے زانو سے زانو ملا کر بیٹھے۔ مناظرہ شروع ہوا۔ ماموں خود ایک فریق بنتا تھا۔ لیکن اس آزادی سے گفتگو نہیں ہوتی تھیں۔ کہ گو یا کسی شخص کو یہ معلوم ہی نہیں کہ مجلس میں خلیفہ وقت بھی موجود ہے۔ دوپہر تک یہ انجمن قائم رہتی تھی۔ زوال آفتاب کے بعد خاصہ حاضر ہوتا تھا اور لوگ کھاپی کر رخصت ہوتے تھے۔ ان مجلسوں میں بعض وقت اہل مناظرہ اعتدال کی حد سے تجاوز کر جاتے تھے۔ مگر ماموں بڑے علم و متانت سے برداشت کرتا تھا۔ ایک بار محمد سولی و علی بن الشیم بحث کے دو فریق تھے گفتگو حسب قدر بڑی بد مزہ ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ محمد سولی نے علی کو سخت کہہ دیا۔ علی نے برا فروختہ ہو کر کہا: اس وقت تم کسی دوسرے کی زبان سے بول رہے ہو۔ ورنہ اس مجلس سے باہر ایک کہتو تو دو سنتے! اس بیباکانہ گستاخی سے دفعتاً ماموں کا چہرہ متغیر ہو گیا تاہم اسے ضبط کیا اور اٹھ کر زمانہ میں چلا گیا۔ کہ بات کو ٹال جانے جب حصہ فرو ہوا تو پھر دربار میں آیا۔

ایک دن ایک ثنوی المذہب سے نہایت لطیف بحث ہوئی۔ ماموں نے اس سے پوچھا کہ انسان برا کام کرنے کے بعد کبھی شرمندہ بھی ہو سکتا ہے (ثنوی) ہاں کیوں نہیں

۱۔ مرقع المذہب مسودی۔ خلاۃ الماموں ص ۵۵ آغانی۔ جز ۴، صفحہ ۳۶۔ مبلوہ مصر ۱۲۸۵ء۔ ۱۲۰

۲۔ ایک فرقہ ہے جو نیکی اور بدی کا جدا جدا خالق مانتا ہے ۳

دار المناظرہ

چند

(ماموں) گناہ پر نادم ہونا اچھا ہے یا بُرا (تنوی) اچھا ہے۔ (ماموں) جو شخص خادم ہوا گناہ اُس سے سرزد ہوا تھا۔ یا کسی دوسرے شخص سے (تنوی) اُسی سے (ماموں) اُس تو ایک ہی شخص سے گناہ بھی ہوا۔ اور ثواب بھی (تنوی) گہرا کر نہیں میں یہ کہوں گا کہ جو نادم ہوا اُس نے گناہ نہیں کیا تھا۔ (ماموں) تو اُس کو اپنے گناہ پر ندامت ہے یا دوسرے کے (تنوی) آخر جواب ہو کر ساکت ہو گیا۔ ایک اور دن مجلس مناسطہ قائم تھی۔ چوہدار نے اطلاع کی کہ ایک اجنبی شخص دروازے پر کھڑا ہے۔ اور حضور سے بحث کرنے کی اجازت چاہتا ہے۔ ماموں نے حکم دیا کہ ”بلالو“ آیا تو اس بیعت سے آیا کہ جو تار ماتھ میں اور پاپے چڑھے ہوئے۔ صفِ نعال میں کھڑا ہوا اور وہیں سے چلا کر کہا وہ اسلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ ماموں نے سلام کا جواب دیا اور اجازت دی کہ قریب آکر بیٹھے۔ ماموں سے اُس نے پوچھا کہ ”خلافت آپ نے بزورِ حاصل کی ہے یا دنیا کے تمام مسلمانوں نے۔ اتفاق رائے سے آپ کو منتخب کیا ہے یا ماموں نے کہا: نہ زور سے نہ اتفاق سے۔ بات یہ ہے کہ مجھ سے پہلے جماعت اسلام پر جو حکمران تھا۔ اور عامہ مسلمانانِ حیرا یا طوائف کے حلقہ بگوش اطاعت تھے۔ اُسے میری ولیعہدی کے لئے عام بیعت لی اور اُس وقت جو لوگ اسلامی طاقت کے ارکان مانے جاتے تھے سب نے معاہدہ بیعت یر دستخط کئے۔ اُسکے انتقال کے بعد میں نے خیالی کیا۔ کہ جسرِ دنیا کے تمام مسلمانوں کا اتفاق ہو وہ تخت نشین ہو۔ لیکن ایسا شخص نہ مل سکا۔ اور ہر ملک کے نظم و نسق کے لئے ایک قوی انتظام کی ضرورت تھی۔ ورنہ امن و امان میں خلل آتا اور عظمت اسلامی کے تمام اجزاء متفرق ہو جاتے۔ مجبوراً نہ سر دست میں نے یہ بار اپنے سر لیا۔ اور منتظر بیٹھا ہوں کہ جب دنیا کے تمام مسلمان اتفاق رائے سے ایک شخص کو انتخاب کر لیں تو میں عمانِ حکومت اُسکے ماتھ میں دیکر الگ ہو جاؤں۔ میں تم کو اپنا وکیل کرتا ہوں ایسا موقع ہو تو فوراً مجھ کو خبر کرنا۔

ایک دن ماموں نے یحییٰ بن اکثم سے جو قاضی القضاہ تھے۔ کہا کہ میری خواہش ہے کہ

آج محدثانہ حدیث کی روایت کروں۔ قاضی صاحب نے عرض کیا کہ حضور سے زیادہ کس کو یہ حق حاصل ہے۔ معمول کے موافق ممبر لکھا گیا۔ اور ماموں نے ممبر پر ٹیپ کر پٹری قابلیت کے ساتھ درس دیا۔ قریباً تیس حدیثیں تحقیق و تنقید کے ساتھ روایت کیں لیکن حاضرین کے رخ سے اس نے جان لیا کہ لوگ محفوظ نہیں ہوئے۔ ممبر پر سے اترا تو قاضی بچھی سے کہا کہ سچ یہ ہے کہ ”تم لوگوں کو کچھ فرہ نہ آیا۔ حقیقت میں اس منصب کے وہی لوگ مستحق ہیں۔ جو اس ذوق میں تن بدن کا خیال نہیں رکھتے۔ اور ممبر پر بھی بیٹھے ہیں تو ان کے کپڑے بوسیدہ ہوتے ہیں“۔ ماموں کی راست پسندی کا اکبر شاہ کی خود رانی اور ہل مرکب سے مقابلہ کیا جائے تو ایک عجیب حیرت انگیز تفاوت معلوم ہوتا ہے ایک دن دربار میں ایک شخص جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ حاضر کیا گیا۔ جمعیت بہت سے منجم اور ہنیت داں علماء بھی حاضر تھے مگر کسی کو اس کے ادعائے نبوت کا حال معلوم نہ تھا۔ ماموں نے ستارہ شناسوں کو حکم دیا کہ زراچہ دیکھ کر بتائیں کہ یہ شخص سچا ہے یا جھوٹا ہے۔ سب نے صحن میں جا کر طالع کو دیکھا تو یہ صورت تھی کہ شمس و قمر ایک قیقعہ میں تھے مشتری سنبھل میں تھا۔ اور اسی کی طرف ناظر تھا۔ زہرہ و عطارد و عقرب میں تھے اور عقرب کی طرف ناظر تھے۔ اس بنا پر سب نے حکم لگایا کہ مدعی نے جو دعویٰ کیا ہے صحیح ہو گا۔ لیکن یحییٰ بن منصور نے ان لوگوں کی رائے سے اختلاف کیا اور کہا کہ مشتری بیہوش میں ہے۔ اور جس برج میں ہے۔ اس سے کار د ہے۔ اس بات نے طالع کی سعادت بالکل رائل کر دی ہے۔ دونوں فیرق قیاسات لگا چکے۔ تو ماموں نے کہا ”یہ بھی جانتے ہو کہ اس شخص نے کس بات کا دعویٰ کیا ہے۔ یہ نبوت کا مدعی ہے“۔ حاضرین دربار یہ سن کر اس سے مجرہ کے طالب ہوئے۔ اس نے ایک انگوٹھی پیش کی۔ کہ میرے سوا جو اسکو پہن لے گا۔ بے اختیار ہنسا شروع کرے گا۔ اور جب تک اتار نہ ڈالے یہی حالت رہے گی۔ لیکن اگر میں ہوں تو کچھ اثر نہ ہو گا۔ اسی طرح اس نے ایک قلم دکھایا جس سے صرف وہ لکھ سکتا تھا۔ اور دوسرا شخص اس سے لکھنا چاہتا تو مطلق

نہیں چلتا تھا۔ تجربے سے دونوں باتیں صحیح نکلیں۔ ماموں نے سمجھ لیا کہ یہ کوئی ناؤ اور علی شیعہ ہی۔ اور اگر نبوت کے ادعائے باطل سے وہ باز آئے تو کام کا آدمی ہوگا۔ ماموں نے اُسکو اپنا ندیم بنالیا۔ اور اس قدر استمالت اور مراعات کی کہ آخر اُسے اپنا راز بتا دیا۔ اور انگوٹھی اور قلم میں جو صنعت تھی ظاہر کر دی۔

ماموں نے ہزار دینار انعام میں دئے اور مقربین میں داخل کر لیا۔ یہ شخص پامی او ہنیت کا بڑا عالم تھا۔ طلسم النخاطق اُسی کی ایجاد ہے جو بغداد کے اکثر گہروں میں موجود تھا۔

ایک بار نصر بن شہیل المتوفی سنہ ہجری جو خلیل بصری کے شاگرد۔ اور حدیث فقہ۔ نحو۔ غریب۔ شعر۔ ایام العرب میں اُستاد وقت تھے۔ ماموں کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور چونکہ ماموں کی سیاہ فرامی اور بے تکلفی سے واقف تھے کپڑے تک نہیں بدلے۔ اور وہی مدت کا بوسیدہ قمیص و عجاڑیہ بدن کئے ہوئے ایوان شاہی میں چلے آئے (ماموں) کیوں۔ نصر امیر المؤمنین سے اس لباس میں ملنے آئے ہو (نصر) مرد کی سخت گرمی کی انہیں کپڑوں سے حفاظت ہوتی ہے (ماموں) یہ تو یہاں ہیں اصل یہ ہے کہ تم کفایت شعاری پہ مرتے ہو! اس کے بعد علم حدیث کا تذکرہ شروع ہوا۔

ماموں نے اپنی سند سے ایک حدیث روایت کی مگر ”سداو“ کے لفظ کو جو اس حدیث میں تھا۔ فتح سے پڑھ گیا۔ نصر نے اس غلطی پر اُسکو متنبہ کرنا چاہا تو اسی حدیث کو اپنی روایت سے بیان کیا اور سداو کو مکسر پڑا۔ ماموں تکیہ لگا کر بیٹھا تھا۔ دفعتاً سنبھل بیٹھا۔ اور کہا کیوں کیا سداو بقرۃ غلط ہے! نصر ہاں مشیم آپ کے اُستاد نے آپکو غلط بتایا (ماموں) کیا دونوں کے معنی مختلف ہیں (نصر) سداو بالفتح کے معنی راست روی کے ہیں۔ سداو بالکسر اُسکو کہتے ہیں جس سے کوئی چیز روکی جائے (ماموں) کوئی سند بتا سکتے ہو (نصر) عربی کا یہ شعر موجود ہے۔

اضاعونی وانی فقی اضاعوا | لیوم کریمہ وسداو نصر

۱۵ مختصر الدول۔ حکمائے عہد ماموں ۱۲

۱۔ تاریخ انصاف ہیونی ۲۷ء عربی میں مسن کو ٹوہ اور پیر کو بھل گئے ہیں ۳۰ سہ ربیع الاول ۱۲۸۵ء بمطابق ۱۶ مئی ۱۹۰۴ء

ادب کی ترقی مقصود تھی۔ تشبیہ اور عام مضامین کے متعلق جو اشعار ہوتے تھے ان کو نہایت ذوق سے سنتا تھا۔ لیکن خاص مدحیہ اشعار دو تین سے زیادہ سننا پسند نہیں کرتا تھا۔ اور یہ کہ اکثر شاعر کو روک دیتا تھا کہ ”بس میری قدر افزائی کے لئے اتنا کافی ہے“

اہل علم کے ساتھ ماموں کی معاشرت بالکل دوستانہ تھی۔ اہل کمال کا عموماً وہ نہایت ادب کرتا تھا۔ اور انکی شاہانہ فیاضیاں ان لوگوں کے لئے بالکل بے روک تھیں علامہ واقدی نے جو فن سیر کے امام ہیں۔ ایک بار ماموں کو خط لکھا۔ حسین تاواری کی شکایت اور لوگوں کا جقدر قرضہ چڑھ گیا تھا۔ اُس کی تعداد لکھی تھی۔ ماموں نے جواب میں یہ الفاظ لکھے ”آپ ہیں دو عادتیں ہیں۔ حیا و سخاوت۔ سخاوت نے آپ کے ہاتھ کھول دیئے ہیں کہ جو کچھ تھا آپ نے سب اڑا ڈالا۔ حیا کا یہ اثر ہے کہ آپ نے اپنی پوری حاجت نہیں ظاہر کی۔ میں نے حکم دیدیا ہے۔ تعداد مطلوبہ کامضامین آپ کی خدمت میں پہنچ جاویگا۔ اگر آپ کی اصلی ضرورت کے لئے یہ تعداد پوری نہ آئے تو خود آپ کی کوتاہی کا قصور ہے۔ اور اگر کافی ہو جائے تو آئندہ بھی آپ جس قدر چاہیں فراخ دستی سے صرف کریں۔ خدا کے خزانہ میں کچھ کمی نہیں ہے۔ آپ نے خود مجھے حدیث روایت کی تھی۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر سے فرمایا تھا کہ رزق کی کنجیاں عرش پر ہیں۔ خدا باند و نکمے لئے انکے خیر کے موافق رزق دیتا ہے زیادہ ہو تو زیادہ اور کم ہو تو کم“ علامہ واقدی کو یہ حدیث یاد نہیں رہی تھی وہ صلہ سے زما وہ اس بات پر جوش ہوئے کہ ماموں کے یاد دلانے سے انکو ایک بھولی ہوئی حدیث یاد آگئی۔

ماموں کے دو فرزند قمر انخوی سے تسلیم پاتے تھے۔ ایک بار وہ کسی کام کے لئے مسند درس سے اٹھا۔ دونوں شہزادے دوڑے کہ جوتیاں سید ہی کر کے آگے رکھ دیں مگر چونکہ دونوں ساتھ پہنچے اس پر نزاع ہوئی کہ اس شرف کیساتھ اخلاص کس کو ہو۔ آخر دونوں نے فیصلہ کر لیا اور ہر ایک نے ایک جوتی سامنے لا کر رکھی۔

ماموں نے ایک ایک چیز پر چھ نوپس مقرر کر رکھے تھے۔ فوراً اطلاع ہوئی۔ اور

فرما طلب کیا گیا۔ ماموں نے اس سے مخاطب ہو کر کہا۔ آج دنیا میں سب سے زیادہ معزز کون ہے (قرآن) امیر المومنین سے زیادہ معزز کون ہو سکتا ہے۔ ماموں (وہ جسکی جوتیاں سیدھی کرنے پر امیر المومنین کے تخت جگر بھی آپس میں جھگڑا کریں۔) (قرآن) میں نے خود شہزادوں کو روکنا چاہتا تھا۔ مگر پر خیال ہوا کہ ان کو اس شرف سے کیوں باز رکھوں عبداللہ بن عباس نے بھی حسین علیہ السلام کے رکاب تہائی تھی۔ اور جب حاضرین میں سے کسی نے اعتراض کیا کہ آپ تو عمر میں ان سے بہت بڑے ہیں تو انہوں نے ڈانٹا کہ ”اے جاہل چپ رہ تو ان کی قدر کیا جان سکتا ہے“ (ماموں) اگر تم ان کو روکتے تو میں تم سے نہایت آزر وہ ہوتا۔ اس بات نے ان کی عزت کچھ کم نہیں کی۔ بلکہ اصالت کے جوہر دکھا دیئے۔ بادشاہ۔ باپ۔ استاد کی اطاعت و ذلت میں داخل نہیں ہے یہ کہہ کر لڑکوں کو سعادت مندی۔ اور قرآن کو حسن تعلیم کے صلے میں دس دس ہزار درہم عطا کئے۔

ماموں کے۔ عام اخلاق و عادات شاہانہ شان و شوکت عیش و طرب کے جلسے

ماموں کی نسبت مورخین کے متفقہ الفاظ یہ ہیں۔ تمام خلفائے بنی عباس میں کوئی تخت نشین و انانی۔ غم۔ بردباری۔ علم رائے۔ تدبیر۔ ہیبت۔ شجاعت۔ عالی حوصلگی۔ فیاضی۔ میں اس سے افضل نہیں گذرا۔ ماموں کا یہ ادعا کچھ بیجا نہیں تھا کہ ”معاویہ کو عمرو بن العاص کا بل تھا۔ عبد الملک کو جملح کا۔ اور جبکو خود اپنا“

ہرون الرشید اکثر کہا کرتا تھا کہ ”میں۔ ماموں۔ میں منصور کا حزم۔ مہدی کی خدا پرستی۔ ہادی کی شان و شوکت پاتا ہوں۔ ان باتوں پر اگر اس کے عضو نکلا تے تکلفی۔ سادہ مزاجی۔ کی صفتیں بڑھائی جائیں۔ تو افضلیت کا دائرہ۔ جسکو مورخین نے

یعنی العباس تک محدود کیا تھا۔ تمام سلاطین اسلام کو محیط ہو جاتا ہے۔
ماموں کا قول تھا کہ ”جگو“ ”حنوین ایسا مزہ آتا ہے کہ اوپر ثواب ملنے کی توقع نہیں۔“ عجب
بن طاہر کا بیان ہے کہ ایک بار ماموں کی خدمت میں میں حاضر تھا۔ اس نے غلام
کو آواز دی۔ ”مگر صدائے برنجاست۔“ پہر پکارا تو ایک غلام ترکی حاضر ہوا۔ اور آتے ہی
بڑبڑانے لگا۔ کہ ”کیا غلام کھاتے پیتے نہیں۔ جیہذا کسی کام کے لئے باہر گئے تو آپ“
یا غلام یا غلام“ چلانے لگتے ہیں۔ آخر یا غلام کی کوئی حد بھی ہے۔“
ماموں نے سر جھکا لیا۔ اور دیر تک سر بگربان رہا میں نے سمجھا کہ بس اب غلام کی خیر
نہیں۔ ماموں میری طرف مخاطب ہوا۔ اور کہا کہ ”نیک مزاجی میں یہ بڑی آفت ہے۔“
کہ نوکرا اور غلام شریر اور بد خو ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ تو نہیں ہو سکتا کہ انکے نیک خو کر نیک
لئے میں بد مزاج بنوں۔“

ایک دن وجہ کے کناڑے بیٹھا تھا۔ ارکان دولت دست بستہ کہڑے تھے سامنے
پردہ پڑا ہوا تھا۔ ایک ملاح یہ کہتا ہوا جاتا تھا کہ ”ماموں جس نے اپنے بہائی کو قتل کر دیا
کیا ساری آنکھ میں عزت حاصل کر سکتا ہے۔“ ماموں یہ سنکر مسکرا دیا۔ اور ارکان دولت
کی طرف مخاطب ہو کر کہا ”کیوں صاحبو آپ ایسی بھی کوئی تدبیر مانتا سکتے ہیں۔ کہ میں اس
جلیل القدر آدمی کی نظروں میں موقر ہو سکوں۔“
ناظرین کو غالباً اس بات سے تعجب ہو گا کہ اس غیر معتدل رحم پر جو بظاہر شانِ خلافت
کے شایاں نہ تھا۔ ماموں کو ناز تھا۔ وہ فخر سے کہتا تھا کہ ”خوہوں و خدام اکثر اپنے جلسوں
میں بیٹھکر مجھ کو گالیاں دیتے ہیں۔ اور میں خود اپنے کانوں سے سنکر دانستہ اذعان
کرتا ہوں۔“

حسین بن ضحاک ایک شاعر نے جو امین کا ندیم تھا۔ امین کے قتل کا نہایت جانگداز
مرثیہ لکھا۔ جس میں ماموں کو بہت کچھ برا بھلا کہہ کر دل کے پھپھوے توڑے تھے
ماموں نے یہ اشعار سننے تو صرف یہ حکم دیا کہ شاعروں کے ساتھ دربار میں نہ آئے

چند روزوں کے بعد پہر بلایا اور کہا: ”سچ کہنا بہائی! میں نے قتل اور بے ادب کی فتح کے دن تو نے کسی ہاشمی عورت کو مارے جاتے۔ اور ذلیل ہوتے دیکھا تھا۔ حسین نے کہا کسی کو نہیں۔ ماموں نے اُسکے الزام دینے کو۔ اس کے چند اشعار پڑھ کر سنائے۔ جس میں اس نے نہایت درد انگیز لفظوں میں یہ سماں کہنیا تھا کہ بغداد تباہ کیا جا رہا ہے۔ اور آل ہاشم کی نازک اور گل اندام عورتیں غارت گردن کے بے رحم ہاتھ سے اپنے ناموس کو نہیں بچا سکتیں۔“ حسین نے کہا: ”اے امیر المومنین۔ یہ ایک جوش تھا۔ جس کو میں دبا نہ سکا۔ میں نے غم میں صبح اور غلط کی کس کو تین مرتبہ۔ غلیفہ مرحوم کا ماتم جن لفظوں میں ہو سکا ادا ہوا۔ اگر تو مواخذہ کرے تو تجھ کو حق ہے۔ اور بخشش سے تو تیری فیاضی ہے۔“ ماموں کی آنکھوں میں آنسوں بہ آئے۔ اور حکم دیا کہ انکی خواہجہ مال کر دی جائے۔ ایک بار اسی حسین نے ایک قصیدہ لکھ کر حاجب کو دیا کہ ماموں کی خدمت میں پیش کرے۔ قصیدہ ساعی کے لحاظ سے نہایت عمدہ تھا۔ ماموں نے سنواری کی داد دی مگر حاجب سے کہا کہ اُسی حسین کا یہ بھی شعر ہے۔

نلا فرح المامون بالملك بعده | ولا زال في الدنيا طريد امشوجا

ترجمہ: ”خدا کرے ماموں اُسکے بعد کبھی سلطنت سے لذت نہ اٹھاوے اور ہمیشہ دنیا میں خوار اور مردود رہے۔“ ماموں نے یہ شعر پڑھ کر حاجب سے کہا کہ ”مدح و ذم مل کر برابر ہو گئی۔ اب شاعر کو صلہ کا کوئی حق نہیں۔“ حاجب نے عرض کیا کہ حضور کی وہ عفو کی عادت کیا ہوئی۔ ماموں نے کہا۔ ہاں یہ صحیح۔ اچھا مناسب انعام دیا جائے جس زمانہ میں امین بغداد میں محصور تھا۔ کوثر اُس کا پیارا غلام ایک دن لڑائی کی سیر دیکھنے کو نکلا۔ اتفاق سے ایک پتھر چہرہ پر آکر لگا۔ اور خون جاری ہوا۔ امین اپنے ہاتھ سے خون پونچھتا جاتا تھا۔ اور یہ اشعار جو اُس وقت اُسکی زبان سے بے اختیار نکلے تھے پڑھتا جاتا تھا۔

ضربوا قرة عيني | لوگوں نے میرے قرۃ العین کو مارا۔

لے کا ل بن الاثیر۔ فتح بغداد۔ ۱۲۵ھ تاریخ الخلفاء سیرطی ۱۲

و من اجل ضررہ	اور میری ضد کی وجہ سے مارا
اخذ الله بعتی من	جن لوگوں نے میرے دل کو جلایا۔
ان من احرقہ	خدا ان لوگوں سے میرے دل کو بدلائے۔
چونکہ عمروہ دل نے یاری نہ دی۔ اس سے زیادہ وہ نہ کہہ سکا۔ اور عبد اللہ ایک شاعر کو حکم دیا کہ ان اشعار کو پورا کر دے۔ عبد اللہ نے چند شعر کہے جس کے اخیر شعر یہ ہیں۔	
من رای الناس لم افضل	لوگ جسکو صاحب فضل دیکھتے ہیں۔
علیم حدودہ	اسپر حسد کرتے ہیں۔
مثل ما حسد القائم	جس طرح خلیفہ وقت پر اس کے بھائی۔
بالملک اخوہ	(ماموں نے حسد کیا۔

امین کے قتل کے بعد ہی شاعر ماموں کے دربار میں حاضر ہوا کہ مدح شاعرانہ لے (ماموں) نے اس کی طرف دیکھ کر کہا کہ ہاں وہ کیا شعر ہے مثل ما حسد القائم بالملک اخوہ شاعر نے اس کی معذرت میں چند اشعار بر جستہ پڑھے ماموں نے پچھلے جرم کا کچھ خیال نہ کیا اور دس ہزار انعام دلائے۔

ماموں کو دعوے تھا کہ بڑے سے بڑا جرم بھی میرے علم کو متزلزل نہیں کر سکتا۔ ایک شخص سے جو عقد و بار نافرمانیاں کر چکا تھا اسے کہا کہ ”تو جس قدر گناہ کرتا جاوے مجھ سے بخشا جاؤں گا۔ یہاں تک کہ آخر عفو و بخشا کر دیتا کروں گا۔ ماموں کی اس رحم دلی پر لوگوں کو اس قدر بھروسہ ہو گیا تھا کہ بے تکلف اس کے سامنے اپنی خطاؤں کا اعتراف کر دیتے تھے۔ عبد الملک جبکی شکایت کی بہت سی عرضیاں گزری تھیں۔ ماموں نے اسکو بلا کر پوچھا کہ اصل کیا بات ہے۔ عبد الملک نے مطلقاً انکار کیا۔ ماموں نے کہا مگر مجھ کو تو اس کے خلاف خبریں پہنچتی ہیں۔ عبد الملک نے عرض کیا۔ امیر المومنین اگر کوئی بات ہوتی تو میں خود اقرار نہ کرتا۔ حضور کا عفو تو سرعاً ہی میری حمایت کے لئے سپرین سکتا تھا۔ پھر میں سچائی کی دولت کو دانستہ کیوں کہوتا۔ ماموں اگرچہ

لک کے ایک ایک جزئیات سے خبر رکھتا تھا۔ اور اس شوق میں ہزاروں لاکھوں روپے صرف کر دیتا تھا۔ مگر غمازوں کا جانی دشمن تھا۔ اس باب میں اس کے مقولے آئے۔
 سے لکھنے کے قابل ہیں۔ اس کے سامنے جب غمازوں کا ذکر آتا تھا تو اکثر کہا کرتا تھا۔ کہ وہ ان لوگوں کی نسبت تم کیا خیال کر سکتے ہو۔ جنگو خدا نے سچ کہنے پر بھی لعنت کی ہے، اسکا قول تھا کہ جس شخص نے کسی کی شکایت کر کے اپنی عزت میری آنکھوں میں بھنسا دی پھر کسی طرح اس کی تلافی نہیں کر سکتا۔

ماموں اگرچہ بڑی عظمت و شان کا بادشاہ تھا۔ اور ناموری کے دفتر میں عام موزین نے اس کے جاہ و جلال کی داستانیں جلی خط سے لکھی ہیں۔ مگر ہائے خیال میں جو چیز اس کی تایخ زندگی کو نہایت مرن اور پراثر بنا دیتی ہے وہ اس کی سادہ مزاجی اور بے تکلفی ہے۔ ایک ایسا شہنشاہ جو تخت حکومت پر بیٹھ کر کل اسلامی دنیا کا ذمہ دار بن جاتا ہے۔ کس قدر عجیب بات ہے کہ عام دوستوں سے ملنے جلنے میں شان سلطنت کا لحاظ رکھنا بالکل پسند نہیں کرتا۔ اکثر اہل علم و ارباب کمال راتوں کو اس کے ہمان ہوتے تھے۔ اور اس کے بستر بستر لگا کر سوتے تھے۔ مگر اس کا عام تیراؤ ایسا ہی ہوتا تھا۔ جیسا کہ ایک سادہ خالص دوست کا دوست کے ساتھ ہوتا ہے۔ قاضی کیجی ایک رات اس کے ہمان تھے۔ اتفاقاً آدھی رات کے بعد ان کی آنکھ کھل گئی۔ اور پیاس معلوم ہوئی۔ چونکہ چہرہ سے بیتابی کا اثر ظاہر ہوتا تھا۔ ماموں نے پوچھا خیر ہے۔ قاضی صاحب نے پیاس کی شکایت کی۔ ماموں خود چلا گیا۔ اور دوسرے کمرے سے پانی کی مراچی اٹھا لایا۔ قاضی صاحب نے گہرا کر کہا۔ حضور نے خدام کو ارشاد کیا ہوتا۔ ماموں نے کہا نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ سید القوم خادمہم راتوں کو خدام سو جاتے تھے تو خود اٹھ کر چراغ اور شمعیں درست کر دیا کرتا تھا۔ ایک بار باغ کی سیہ بگیا۔ قاضی کیجی بھی ساتھ تھے۔ ماموں اُن کے ہاتھ میں دیکر

ٹہلنے لگا۔ جانے کے وقت دھوپ کا رخ قاضی صاحب کی طرف تھا اور دہرے والیں آتے وقت ماموں کی طرف بدل گیا۔ قاضی صاحب نے چاہا کہ وہ پہلو خود لے لیں۔ تاکہ ماموں سایہ میں آجائے۔ لیکن اُس نے گوارا نہ کیا اور کہا کہ یہ انصاف سے بالکل بعید ہے پہلے میں سایہ میں تھا۔ اب اسی کے وقت تمہارا حق ہے۔ ماموں کی سادہ فرائی کچھ عربی انٹل ہونے کی حیثیت سے نہ تھی۔ بے شبہ عباسی خاندان عرب کا ایک مشہور اور ممتاز خاندان تھا۔ لیکن قرینا سو برس سے شاہنشاهی کا چتر اُس پر سایہ فگن تھا۔ اتنی مدت میں نسل۔ اور سرزمین کی سادہ خاصیتیں بالکل شامانہ آداب اور تکلفات سے بدل گئی تھیں۔ مہدی سے پہلے تو درباریوں کو خلیفہ کا دیدار بھی نصیب نہیں ہوتا تھا۔ سریر خلافت کے آگے قرینا بیس ہاتھ کے فاصلہ پر ایک تکلف پردہ پڑا ہوتا تھا اور درباری اُس سے ذرا فاصلے پر دست بستہ کھڑے ہوتے تھے۔ خلیفہ وقت پر دے کی اوٹ میں بیٹھ کر تمام احکام صادر کرتا تھا۔ گو خلیفہ مہدی نے سلطنت کے چہرے سے یہ نقاب اٹھا دیا تھا۔ مگر اور بہت سے تکلفات کے حجاب باقی تھے۔

ماموں کے عہد تک تمام دربار اتیک اسی قسم کے آئین و آداب کا پابند تھا۔ ماموں کو ایک بار چھینک آئی۔ حاضرین میں سے کسی نے سنت نبوی کے طریقے پر یہ حصل اللہ نہیں کہا۔ ماموں نے سبب پوچھا۔ درباریوں نے عرض کیا کہ آداب شاہی مانع تہا ماموں نے کہا۔ کہ میں اُن بادشاہوں میں نہیں ہوں جو دماغ سے مار رہے ہیں۔ چونکہ ماموں اس قسم کے بیہودہ آداب و مراسم کو ناپسند کرتا تھا۔ اہل دربار نے بھی تکلف کی قید سے آزادی حاصل کی۔

با اینہم ماموں کی سادہ روی سے یہ نہیں خیال کرنا چاہئے کہ شامانہ جاہ و چشم با مسرفانہ مصارف میں کچھ تنزل ہوا تھا۔ دس ہزار درہم روزانہ صرف اُس کے طعم خاصہ کا صرف تھا۔ ایک یورپین مصنف نے خلفائے راشدین کی سادہ طرز زندگی کا

اس عہد سے ایک عجیب صورت میں مقابلہ کیا ہے۔

وہ لکھتا ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے شام کا سفر کیا تو ان کا کل ضروری اسباب رسد و کھانے کا سامان ایک اونٹ پر رکھا گیا۔ اور جب ماموں شکار کو نکلا تو اس کے ضروری اور معمولی ساز و سامان کے لئے تین سوا اونٹ بھی کافی نہ ہوئے۔ دولت بنی امیہ کے عہد سے جو اس انقلاب کا پہلا دیباچہ تھا۔ اتنی ہی قلیل مدت تک طرز معاشرت میں اس قدر عظیم اشان تبدیلیاں ہو گئیں کہ کسی طرح قیاس میں نہیں آ سکتیں۔

زبیدہ خاتون (ماموں کی سوتیلی ماں تھی) کی ایجاد پسند طبیعت نے زینب زینت کے حق پر بہت سے عاشے اضافہ کئے۔ جو نہایت ذوق اور مسرت سے قبول کئے گئے اور تمام امراء و عمائد میں۔ رواج عام پانگے۔ عنبر کی شمعیں پہلے پہل انہی کے سبتان میں جلائی گئیں جو اہر کی مرصع جوتیاں اسی کی ایجادات سے ہیں۔ چاندی۔ آبنوس۔ صندل۔ کے قبے اول اسی نے تیار کرائے۔ اور انکو دیبا و سمور اور مختلف رنگ کے حریر سے آراستہ کیا۔ کپڑوں کی ساخت میں یہ ترقی ہوئی کہ زبیدہ کے استعمال کے لئے ایک ایک ننھان پچاس پچاس سزارا شرفی کی قیمت کا تیار ہوا۔

ماموں کی ایک شادی کی تقریب جس شوکت و شان سے ادا ہوئی وہ اس عہد کی فخر فیاضی۔ اور خیمت و دولت کا سب سے بڑا نمونہ ہے۔

عربی مورخوں کا دعویٰ ہے کہ ”گذشتہ اور موجودہ زمانہ۔ کوئی اس کی نظیر نہیں لاسکتا“ ہماری محدود واقفیت میں اب تک کسی نے اُنکے اس فخریہ اداکار پر اعتراض کرنے کی جرات نہیں کی ہے۔ یہ خوش قسمت لڑکی جس سے ماموں کا نکاح ہوا حسن بن سہل کی بیٹی تھی۔ جو فضل کے مرنے پر وزیر اعظم مقرر ہوا تھا۔ اس لڑکی کا نام یوران تھا اور نہایت قابضہ اور تعلیم یافتہ تھی۔ ماموں مع خاندان شاہی اور ارکان دولت و کل فوج و تمام افسران ملکی۔ و خدام حسن کا بہان ہوا۔ اور برابر ۱۹ دن تک اس

۱۹ شرح الذہب سودی ذکر خلافت قہر باندہ ۱۲۷۱ تا یحییٰ بن بوزان کا ترجمہ تفصیلاً مذکور ہے۔ تذکرۃ الخواتین میں جو زمانہ محل کی ایک معمولی تالیف ہو۔ جہاں کہ بوزانی اسی بوزان کی طرف منسوب ہے ۱۲۷۱ منہ رحم

عظیم الشان بارات کی ایسے فیاضانہ حوصلے سے بہان داری کی گئی کہ اُن سے اپنے آدمی نے بھی چند روزوں کے لئے امیرانہ زندگی بسر کر لی۔ خاندان ہاشم و افسران فوج اور تمام عہدہ داران سلطنت پر مشک و عنبر کی ہزاروں گولیاں نثار کی گئیں جن پر کاغذ لپٹے ہوئے تھے۔ اور ہر کاغذ پر۔ نقد۔ نوڈی۔ غلام۔ املاک۔ خلعت۔ سپ۔ خاصہ۔ جاگیر۔ وغیرہ کی ایک خاص تعداد بھی ہونی تھی۔

نثار کی عام لوٹ میں یہ فیاضانہ حکم تھا۔ کہ جس کے حصہ میں جو کوئی آئے اُسے جو کچھ لکھا ہو۔ اُسی وقت وکیل المخزن سے دلا دیا جائے۔ عام مادیوں پر مشک و عنبر کی گولیاں اور درہم و دینار نثار کئے گئے۔ ماموں کے لئے ایک نہایت مکلف فرش بچھا یا گیا جو سونے کے تاروں سے بنا گیا تھا۔ اور لوہر دیا قوت سے مرصع تھا۔ ماموں جب اُس پر جلوہ فرما ہوا۔ تو بیش قیمت موتی اُس کے قدم پر نثار کئے گئے۔ جو زین فرش پر بکھر کر نہایت دلاویز سامان دکھاتے تھے۔ ماموں نے ابو نواس کا یہ مشہور شعر پڑھا۔ اور کہا کہ "ابو نواس نے جو لکھا۔ گویا یہ سماں اپنی آنکھوں سے دیکھ کر لکھا۔

کان صفری د کبری من فواقعنا جام شرابے چوتے بڑے یلے ایسے معلوم ہوتے ہیں حصاء در علی ارض من الذهب کہ گویا سونے کی زمین پر موتیوں کے دانے ہیں۔ زفات کی شب جب نوشہ اور دولہن ساتھ بیٹھے تو بوران کی دادی نے ہزار بیش بہا موتی و دونوں پر چھاور کئے۔ اس تقریب کے تمام مصارف کا تخمینہ پانچ کروڑ درہم کیا گیا ہے۔

عرب کے مورخوں کے ماموں کی سخاوت و دریا ولی کا ذکر۔ فخر اور جوش کے ساتھ کیا ہے۔ اور چونکہ ماموں کے اصلی و عملی کارنامے اس قسم کی حیرت انگیز فیاضیوں سے معمور ہیں۔ انکو ایشیائی عبارت آراپی کی ضرورت نہیں پڑی۔ ان صفات کے متعلق جس قدر مبالغہ کیا جاسکتا ہے خوش قسمتی سے وہ ماموں کے اصلی واقعات ہیں

۱۔ اس شادی کا ذکر پوری تفصیل سے علامہ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں کیا ہے۔ ابو افدا۔ ابن الاثیر ابن خلکان (ترجمہ بوران میں) اور دوسرے مورخوں نے بھی یہ حالات اجمالاً تفصیلاً لکھے ہیں۔

ماموں کی سخاوت و فیاضی

مگن صاحب کہتے ہیں۔

مامون کی فیاضی کی تعریف اس کے ارکان دولت نے ضرور کی ہوگی۔ جس نے رکاب سے پاؤں نکالنے کے پیشتر ایک ضلع کی آمدنی کے چار خمس چوبیس لاکھ چار ہزار دینار تھے ویدئے یہ ایک جزئی مثال ہے شمراء اور اہل فن کو ہزاروں لاکھوں درہم و دینار عطا کر دینا مامون کا ایک معمولی کام تھا۔ محمد بن وہیب کے ایک مدحیہ قصیدہ کے حصے میں حکم دیا کہ فی شعر ایک ہزار دلاوے جائیں۔ یہ کل پچاس شعر تھے۔ اور پچاس ہزار درہم اسی وقت اس کو دلا دیئے گئے۔

بوران کے نکاح میں ایک منس آونی نے نمک اور اشنان کی دو تھیلیاں تذبذبیں اور خطیں لکھا کہ اگرچہ "ناواری ہمت کو دبا دیتی ہے۔ مگر میں نے یہ پسند نہ کیا۔ کہ اہل کرم کی فہرست بند کر دی جائے اور میرا نام اس میں نہ ہو۔ نمک کی برکت اور اشنان کی لطافت اس بات کے لئے کافی ہے کہ میں اس کو حضور کی تذر کے لئے انتخاب کروں گا مامون نے حکم دیا کہ دونوں تھیلیاں اشرفیوں سے بھر کر اس کو واپس دی جائیں۔ اس قسم کی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں۔ اور ہم کو اس تعلیم یافتہ نوجوان کی طرح جو ایشیائی روایتوں کو عموماً بے اعتباری کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

واقعات سے انکار کرنا نہیں چاہئے۔ یہ ایک بڑی غلطی ہے کہ ہم آج موجودہ طرز سلطنت کو پچھلی ایشیائی حکومتوں کے اندازہ کرنے کا پیمانہ بنائیں۔

آج کل کے تعلیم یافتہ اس قسم کی روایتوں کو جو تاریخیوں میں مذکور ہیں عموماً بائبل پر مبنی کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ملکی اور فوجی مصارف سے بچکر اتنا روپیہ کہاں سے آسکتا ہے کہ ان بے انتہا فیاضیوں کے لئے کافی ہو۔ لیکن یہی ان کی غلطی ہے کہ پچھلی ایشیائی سلطنتوں کے ملکی اور فوجی مصارف کو وہ آج پر قیاس کرتے ہیں۔ حالانکہ اس وقت نہ اتنے مختلف صیغے اور عہدے تھے۔ نہ اتنی کشمیر تنخواہیں۔ اس لئے

۱۔ آج کل کے حساب سے ایک کروڑ میں ہزار روپے صرف ہونے سے آسانی ترجمہ محمد بن وہیب " ۲۔ تاریخ الخلفاء سیوطی "

خزانہ عامرہ کا پڑا حصہ ان فیاضیوں میں صرف ہوتا تھا۔ جس کو آج ہم فصول اور لغو بتاتے ہیں۔ یہ باتیں ہلکے بعض عمدہ تاریخی نتائج کی طرف رہبری کرتی ہیں۔ ہم اس عبرت انگیز انقلاب کو حیرت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ جو دہریہ صدی میں اسلامی جانشینوں کے طریق حکومت میں ہو گیا۔ حضرت عمر ایک بار ممبر پر کھڑے ہوئے اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ سنو اور مالو! یہ صد اپنی پوری رقم تار طے ہیں کر چکی تھی۔ کہ حاضرین میں سے ایک شخص کھڑا ہوا۔ اور بلند لہجہ میں کہا ”لا سمعنا ولا طاعة“ یعنی ”نہ سنیں گے اور نہ مانیں گے“ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”آؤ کہیوں“ اس نے کہا ”میں چادریں جو تمام مسلمانوں کو تقسیم کی گئیں۔ اس میں تمہارا حصہ ایک سے زیادہ نہ تھا۔ مگر تمہارے بدن پر جو پیرنہ اور اسی چادر کو کاٹ کر بنایا گیا ہے یہ یقیناً ایک چادر سے زیادہ میں بنا ہو گا۔ تم کو اس ترجیح کا کیا حق تھا“ حضرت عمرؓ نے اپنے فرزند عبداللہ کے ذریعے سے اس اعتراض کا جواب دیا۔ جنہوں نے کہہ ڈالے ہو کہ یہ شہادت دی کہ ”جس قدر کیرا گھٹ گیا تھا وہ میں نے اپنے حصے کی جاوے سے پورا کر دیا“ وہ شخص یہ کہہ کر بیٹھ گیا کہ ”ہاں اب سنیں گے اور مانیں گے“

اس کے ساتھ اب مومن کے عہد کا مقابلہ کرو کہ اس کے غیر متبادل اصرافات پر کروڑوں مسلمان میں سے ایک بھی نکتہ چینی کی جرات نہیں کر سکتا۔ کل بیت المال (پبلک فنڈ) ایک شخص کے ہاتھ میں دیدیا گیا ہے اور وہ جس طرح چاہے اس پر آزادانہ تصرف کر سکتا ہے۔ اس قسم کے بیقاعدہ مصارف سے ہم یہ بات بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ ملکی عہدے کم تھے اور جس قدر تھے ان کی تنخواہیں پیش قرار نہ تھیں۔

ہمارے ناظرین جنہوں نے ماموں کو کبھی فقہ و حدیث کا تذکرہ کرتے دیکھا ہے کبھی اہل کمال کے ساتھ اس کی عالمانہ بحثیں سنی ہیں۔ نہایت تعجب سے دیکھیں گے کہ بزم عیش میں وہ زندانہ وضع سے بیٹھا ہے۔ بے تکلف اور رنگین طبع احباب جمع ہیں۔ پری پیکر نازنینوں کا جہر مٹ ہے دور شراب چل رہا ہے ساز چھیڑا جا رہا ہے۔ گل اندام کئیں نغمہ سرا ہیں۔ یاران با صفا بدست ہوتے جلتے

بزم عیش کے لیے

ہیں۔ آماز خلافت میں ہیں جیسے تک ماموں نعمہ و سرود سے بالکل محترز رہا۔ چند روزوں کے بعد شوق پیدا ہوا مگر اتنا ہی کہ احتیاط کے ساتھ کبھی کبھی سن لیتا تھا۔ یہ حالت بھی چار برس تک قائم رہی۔ پھر تو ایسی چاٹ پڑ گئی کہ ایک دن ان صحبتوں کے بغیر بسر نہیں کر سکتا تھا لیکن اگر انصاف سے دیکھئے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ آزادی۔ جوصلہ مندی۔ لطافت طبع۔ جوش شباب۔ ہمیشہ زندگی حکومت سے باغی رہتے آئے ہیں۔ ماموں کی تخصیص نہیں اس وقت اسلامی سوسائٹیاں عموماً اس رنگ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ مسلمانوں کو اس عہد میں۔ امن۔ فراخ۔ اطمینان و مال۔ سب کچھ میسر تھا۔ پھر کیا چیز تھی جو اون کو زندگی کے پرخطر مقاصد سے روک سکتی۔ ایک مذہب البتہ در انداز ہو سکتا تھا۔ لیکن جدت پسند طبیعتیں اس کو بھی کہیں تان کر اپنے ڈھب کا بنالیتی تھیں۔ شراب کی جگہ نمینہ (دکھورکی) تاری موجود تھی جس کو عموماً عراق کے مذہبی پیشواؤں سے حلت کی سند مل چکی تھی۔

لوڈیوں کی عام اجازت نے عیاشی کے سبب حوصلے پورے کر دیے تھے۔ نعمہ و سرود تو قابلیت علمی کے بڑے جزو سمجھے جاتے تھے۔

بنو اُمیہ اور عباسیہ میں ایک بھی خلیفہ ایسا نہیں گذرا جو اس فن شریعت میں مناسب دستگاہ نہ رکھتا ہو۔ بڑے بڑے مذہبی علما بھی اس چاٹ سے خالی نہ تھے حضرت عمر بن عبد العزیز سے زاہد خشک بھی تو فن نعمہ میں بہت سے سروں کے موجود ہیں۔ ماموں کے دربار میں مغنیوں کا ایک بڑا گروہ موجود تھا۔ جنہوں نے علمی اصول و قواعد کے موافق موسیقی کو معراج کمال تک پہنچا دیا۔ اور جن میں سے مخارق۔ عسلویہ۔ عمرو بن بانیہ۔ عقیدہ۔ یحییٰ کی۔ سوسن۔ زلزل۔ زر زور۔ اس فن کے ارکان تسلیم کئے گئے ہیں۔ لیکن اسحق موصی کی شہرت مقبول کے آگے کسی کو فروغ

علاء بن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں نہایت سختی کے ساتھ ماموں و غیرہ کی بابت خوشی سے انکار کیا ہے۔ لیکن تاریخی منہ کوئی پیش نمونہ ہے۔ صرف حسن ظن پر تقریر کو حوالہ دیا ہے۔ تاہم نیزہ کا پنا تسلیم کرتے ہیں۔ ابن خلدون کے تسلیم کرنا اے بانیہ کی باری کتاب میں ماموں کی نسبت جہاں شراب کا ذکر آئے وہاں یہاں نے شراب کے قیود پر ہیں۔

علاء صاحب ثانی نے جہاں خلفاء کی ایجادات موسیقی کا ذکر کیا ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کا نام بھی لیا ہے۔

امومت کی عام ساخت

ماموں کے دربار کے سبب

نہو سکا۔ اسحق کا باپ ابراہیم۔ موسیقی کا ایک مشہور استاد تھا۔ اور ہارون الرشید کے دربار میں اپنی خدمت پر دس ہزار درہم ماہوار کا نوکر تھا۔ اسحق نے فن ادب انساب۔ روایات۔ فقہ۔ نحو۔ میں مجتہدانہ۔ کمال پیدا کیا تھا۔ یہ عبرت کی جگہ ہے کہ موسیقی کے انتساب نے تمام معزز خطابوں سے محروم کر کے اس کو مغنی کا، حقیر لقب دلایا۔ جس کی شہرت کو وہ کسی طرح دبا نہ سکا۔ وہ اس نسبت سے نہایت نفرت کرتا تھا مگر قبول عام پر کس کا زور ہے۔ ماموں کو بھی اس بات کا افسوس رہا کہ اسحق منصب فضا کے قابل تھا۔ لیکن قوالی کی بدنامی نے اس بلند درجہ پر پہنچنے نہ دیا۔ تاہم اس کی عظمت کا اتنا پاس تھا کہ دربار میں اس کو نہ یوں کے زمرے میں جگہ ملتی تھی۔ اس سے زیادہ یہ امتیاز حاصل تھا کہ اس کو دربار میں فقہا کا لباس پہنکر آنے کی اجازت تھی۔ اس پر بھی مانع نہ ہوا اور ماموں سے درخواست کی کہ وراثہ اور سیاہ طیلسان پہن کر جمعہ کے دن مقصورہ میں داخل ہو سکے۔ ماموں نے مسکرا کر کہا، ”اسحق“ یہ نہیں۔ لیکن میں تمہاری درخواست لاکھ درہم پر خرید لیستا ہوں، یہ کہہ کر حکم دیا کہ لاکھ درہم اس کے گہر ہو بچا دیئے جائیں۔

اسحق کا بیان ہے کہ تحصیل کے زمانہ میں مدتوں میرا یہ روزانہ معمول رہا کہ صبح ترے کے شہیم کی خدمت میں پہنچ کر حدیث سنیں۔ پہر کسائی۔ یا قرآن کے پاس جا کر قرآن کا سبق پڑھا۔ اس سے فارغ ہو کر۔ زلزل سے عود بجانے کی مشق کی۔ پہر شہدہ سے دو تین راگ سیکھے۔ سب سے آخر احمسی اور ابو عبیدہ کی خدمت میں حاضر ہوا کچھ اشعار سنائے۔ کچھ ادب کے مسائل تحقیق کئے۔ شام کو گھر واپس آیا۔ تو جو پہر دن بہر سیکھا تھا۔ سب پد پزیر گوار کو سنا دیا۔ اسی کا بیان ہے کہ میں نے ایک لاکھ درہم مختلف وقتوں میں زلزل کے نذر کئے۔ تب عود بجانا آیا۔ خلیفہ معتمد باللہ اکثر کہتا تھا کہ ”اسحق جب گاتا ہے تو مجھے جوش مسرت میں یہ خیال ہوتا ہے کہ میری سلطنت میں کوئی نیا ملک اضافہ ہو گیا“

اس سے بھی ہیں اس : دشاہ غار ادا کرتا تھا۔ ایک گنگہ ہوتا تھا۔ اس کو عربی میں مقصورہ کہتے ہیں۔ ۱۱

الحق نے موتی کے جواہر و قواعد اپنی تصنیف میں کہے ہیں وہ یونانی حکماء کی تحقیقات سے عموماً مطابق ہیں۔ حالانکہ یہ بات تاریخی شہادتوں سے ثابت ہو گئی ہے کہ اُس کو نہ یونانی زبان آتی تھی۔ نہ ان کتابوں کے ترجمے اُس کی نگاہ سے گزرے تھے۔ اس بات پر تمام اہل فن کو حیرت ہے۔ اور حق یہ ہے کہ اس فن کی تدوین اور ترتیب میں اُس نے فیضانِ غورث سے کچھ کم کام نہیں کیا۔

ان معنیوں کے سوا ایک اور طائفہ تھا۔ جس سے ماموں کے طبوں کی زیب و زینت تھی۔ بروم۔ وایشیائے کوچک کی گل اندام نازنیں جو لڑائی کی لوٹ میں پکڑ آتی تھیں دلال اُن کو سستے داموں پر خرید لیتے تھے۔ اور موسیقی۔ شاعری۔ ایامِ العسب ادب۔ خوشنویسی۔ طرافت۔ حاضر جوابی۔ کی تعلیم دلاتے تھے۔ ان فنون میں کمال ہو کر وہ نہایت گراں قیمتوں پر بازار میں کبھی نہیں۔ ماموں کے شہستان عیش میں۔ ان خوردوٹوں کا ایک بڑا جہر مٹ رہتا تھا۔ جنگی خریداری۔ اور تربیت نے خزانہ عامرہ کو اکثر زیر بار کر دیا تھا۔ ایک بار ایک لونڈی بکنے آئی جس کے فضل و کمال فصاحت ادبیت۔ سخن سنجی۔ کی قیمت بیچنے والے نے دو ہزار دینار طلب کی۔ ماموں نے کہا میں ایک شعر پڑھتا ہوں۔ اگر یہ فی البدیہ اُس کے جواب میں دوسرا شعر کہے تو اصل قیمت سے کچھ زیادہ دیتا ہوں۔ شعر یہ تھا۔

ما تقولین فہن شقہ اداق | من جہد جہک حتی صا دحیرانا

کینز نے جرستہ پڑا

اذا وجدنا محبا قد اضربہ | داع الصبا بة اولناہ احسانا

غریب ایک کیتز جو سرِ علم و فن میں کیتا نے روتگارتھی۔ اور لاکھہ درہم اس کی خریداری میں صرف کئے گئے تھے۔ ماموں کی محبوبہ خاص تھی۔ اس نے ہزار راگ ایجاد کئے تھے۔ جن میں سے بعض کا تتبع اسحق بھی مشکل کر سکتا تھا۔ غریب کی قابلیت اور کمالات کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ خلیفہ المعز باللہ عباسی نے جو فن بدیع کا لے اسحاق وبراہیم کا نہایت نفس تذکرہ آغانی میں لے گا۔

موجود اور عرب کے شعرا کا خاتم ہے۔ عرب کے حالات میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے ایک بار عرب نے ماموں سے رنجیدہ ہو کر ملنا چھوڑ دیا۔ توفی احمد بن ابی داؤد سے ماموں نے التجا کی کہ آپ بیچ میں پڑ کر صلح کرادیں گے۔ عرب نے سنا تو پروہ سے بول اٹھی کہ۔

محلط الجبریا لوصال و لا یدخل فی الصلح بیننا احد

یعنی وصال میں ہم بھر کو ملا دیتے ہیں۔ لیکن صلح کرانے کے لئے ہمارے بیچ میں کوئی غیر شخص نہیں پڑ سکتا۔ ماموں کی ایک دوسری کینز جس کا نام بذل تھا۔ فن موسیقی کے مشہور استادوں میں تسلیم کی گئی ہے۔ علی بن ہشام نے اس کی ایک تصنیف کا جو سات ہزار راگوں پر مشتمل ہے۔ دس ہزار درہم صلہ دیا تھا۔ علامہ ابو الفرج اصفہانی نے عرب و بذل کے دلاویز حالات کے لئے اپنی بے نظیر کتاب الانانی کے بیسیوں صفحے نذر کئے ہیں۔ طبع ناظرین کو اگر زیادہ دلچسپی ہو تو اس کے صفحے پیش نظر رکھیں۔ اس عہد میں تعلیم یافتہ کینز عموماً امرا و خوشحال لوگوں کی حرم میں داخل تھیں۔ اور چونکہ ان کے حقوق اور معاشرت۔ علی طور سے ہر خاندان میں اہل ازواج کے برابر بلکہ بڑھ کر تھے۔ اس لئے عورتوں کی تعلیم اور آزادی کا مسئلہ بہت کچھ انکی بدولت حل ہو گیا تھا۔

ماموں کے عیش و طرب کے جلسوں میں گویا شانہ رنگینی پائی جاتی ہے۔ مگر انصاف یہ ہے کہ یہ جلسے۔ علی مذاق سے بالکل خالی بھی نہ تھے۔ اس قسم کے جلسے جو شاعرانہ جذبات کو پورے جوش کے ساتھ ابھار دیتے ہیں۔ اگر متانت و تہذیب کے ساتھ ہوں تو لڑکچہ پر نہایت وسیع اور عمدہ اثر پیدا کرتے ہیں۔ ماموں خود سخن سنج۔ اور موسیقی کا بڑا ماہر تھا۔ یاران مجلس بھی عموماً نازک خیال اور نکتہ شناس تھے۔ بات بات پر شاعرانہ لطیفے ایجاد ہوتے۔ کبھی موسیقی کی بحث چمڑ جاتی۔ کسی وقت ماموں کے فی البسیدہ مصرعوں۔ یا شعروں پر شعرا کی طبع آزمائیوں کا امتحان ہوتا۔ ایک دن بزم پیش آراستہ تھی۔ باد و حسام کا دور تھا۔ بیس عیسائی کینز دیبا نے رومی کے لباس پہنے۔ گردنوں میں سونے

کی صلیبیں۔ کمر میں زینار۔ ہاتھوں میں گلہ تے لئے ہوئے۔ بزم میں جلو مارا
تھیں۔ یہ سماں ایسا نہ تھا۔ کہ مامون دل پر قابو رکھ سکتا۔ بیباختہ چند اشعار زبان سے
نکلے۔ اور احمد بن صدقہ ایک منی کو بلا کر ان شعروں کے گھانے کی فرمائش کی۔ احمد کی
نغمہ سرائی کے ساتھ کینز ناچنے کھڑی ہو گئیں۔ ان کی مخمور آنکھیں۔ اور جام شراب
ماموں کے پرست کرنے میں یکساں کام دے رہے تھے۔ وہ بالکل سرشار ہو گیا
اور حکم دیا کہ ان نارتیوں کے قدم پر تین ہزار اشرفیاں نثار کی جاویں۔ ماموں کا چچا
ابراہیم جس کے ادمائے خلافت کا حال پہلے حصہ میں گزر چکا ہے۔ اور جو موسیقی
کا بڑا استاد اور اس فن میں اسحق موصلی کی ہمہری کا دعویٰ رکھتا تھا۔ ایک
دن بزم میں حاضر تھا۔ ماموں کے دائیں بائیں بیس جو دش کینز ایک سر میں
عود چھیڑ رہی تھیں۔ اسحق بھی حاضر ہوا۔ اور آنے کے ساتھ ٹھٹک سا گیا (ماموں)
کیوں اسحق! کوئی بے اصول آواز کان میں آرہی ہے! (اسحق) حضور ہاں (ماموں)
ابراہیم کی طرف مخاطب ہو کر، تم اس سوال کا جواب کیا دیتے ہو۔ (ابراہیم)
نہیں۔ ماموں نے اسحق کی طرف دیکھا۔ اس نے کہا ”اب میں بہ تسین
بتا دیتا ہوں کہ اس صف میں کسی تار پر غلط مغراب پڑ رہا ہے“ ابراہیم نے
اس طرف کان لگا کر ساگر پر تمیز نہ ہوئی۔ اسحق نے ایک خاص کینز کی طرف اشارہ
کیا کہ وہ تنہا بجائے اور سب ہاتھ روک لیں۔ اب ابراہیم بھی سمجھ گیا، اور اپنی
تاوا قنیت پر ناوم ہوا۔ ماموں نے کہا ”ابراہیم۔ اسی تاروں کی یکساں اور متبوع
میں ایک غلط صدا جس کے کان میں کھٹک جائے اور اس کو بہ تسین بتا دے تم
اس ہمہری کا کیونکر دعویٰ کر سکتے ہو؟“ شاید یہ پہلا دن تھا کہ ابراہیم نے صریح
لفظوں میں اسحق کی فضیلت کو تسلیم کر لیا۔ ایک دن معتمد بادشاہ نے ماموں کی
دعوت کی۔ مکان جو دعوت کے لئے سمایا گیا تھا۔ اس کی چہت میں جا بجا
روشنہ انوں میں شیشے لگے تھے۔ مجلس میں احمد یزیدی اور سیاتر کی بی موجود تھیں جو
معتمد کا پیارا غلام۔ اور حسن و جمال میں یگانہ روزگار تھیں۔ آفتاب کا عکس

شیشوں سے ہو کر سما کے چہرے پر پڑا تو عجیب کیفیت پیدا ہوئی۔ ماموں بیباختہ پکار اُٹھا کہ ”دیکھنا! آفتاب کا عکس سیلے کے چہرے پر پڑ کر کیا ساں دکھلا رہا ہے۔ پھر ایک شعر پڑھا کہ اسی وقت موزوں ہوا تھا۔ پہلا مصرع یہ ہے ”قد طلعت شمس علی شمس“ یعنی آفتاب پر آفتاب چمک رہا ہے!“ اگرچہ یہ ایک برحسب لطیفہ تھا تاہم مقصود کوشک ہو۔ ماموں نے تسکین کر دی کہ ”رقابت مقصود نہیں۔ صرف یہ ایک فوری اثر کا اظہار تھا۔“

ماموں کا مذہب

ماموں مذہب کے لحاظ سے اس شعر کا مصداق ہے۔

کس کی ملت میں گنوں آپ کو بتلائے شوخ | تو کہے گبر مجھے گبر مسلمان مجھ کو

سنی مورخ اس کے محاسن و فضائل کا علانیہ اعتراف کر کے بڑی حسرت سے لکھتے ہیں کہ ”افسوس شیعہ تھا“ شیعہ سخت ناراض ہیں کہ اُس کا تشیع بالکل فریب تھا جس کے ذریعہ سے اس نے حضرت علی رضا علیہ السلام پر قابو حاصل کیا۔ اور پھر زہر دلوادیا۔ معتزلہ کی تاریخیں موجود نہیں۔ ورنہ یہ دیکھنا تھا کہ اس مقدس فرقہ نے اُس کو کس لقب سے یاد کیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ ماموں کے زمانہ تک ان فرقوں میں وہ حد فاصل نہیں قائم ہوئی تھی۔ جواب ہے۔ سنی۔ شیعہ۔ معتزلہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ سنیوں کے بڑے بڑے پیشوا اُسے مذہبی (امام بخاری وغیرہ) شیعوں سے حدیثیں روایت کرتے تھے۔

بزرگان سلف میں سیکڑوں ایسے گزرے ہیں کہ اگر ان کے مجبور عقائد کا شیرازہ کہو لہ یا جائے تو شیعہ۔ سنی۔ معتزلی۔ قدریہ۔ ہر ایک کے ہاتھ میں اس کا کچھ حصہ آئے گا۔ عقائد کے لحاظ سے ماموں معجون مرکب تھا۔ قرآن کے حادث ہونے کا قائل تھا۔ عام منادی کرا دی تھی کہ جو شخص امیر معاویہ کو اچھا کہے وہ دائرہ اطاعت سے باہر ہے حضرت علی کو تمام صحابہ سے افضل سمجھتا تھا۔ لیکن اور خلفائے بھی بد اعتقاد نہ تھا اس نے ایک نظم میں حضرت عثمان و عائشہ کی نسبت بھی اپنا رسوخ اعتقاد ظاہر

کیا ہے۔ اس کے یہ خیالات جن کو اب مذہبی اعتقادات کا لقب دیا جاتا ہے۔ مختلف زمانوں کی تعلیم و معاشرت کے نتائج تھے۔ خاندان ہرامکہ کی صحبت نے جو اس کی ابتدائی تعلیم و تربیت کے رہنما تھے۔ اس کو شیعہ پن کے خیالات سکھائے بڑا ہوا تو بھی یہی صحبت رہی۔ فضل بن سہل۔ جو پایہ تخت کے وزیر اور حکومت کے ارکان اعظم تھے۔ ماموں پر ایسے محیط تھے کہ وہ انہیں کی آنکھوں سے دیکھتا تھا۔ اور انہیں کے کانوں سے سنتا تھا۔ یہ دونوں شیعی تھے اور ان کے اقتدار نے کل دربار پر اپنا رنگ جما لیا تھا۔ آخر میں معتزلی اپنے فضل و کمال کی وجہ سے باریاب ہوئے۔ ماموں کی قابل طبیعت نے ان کے عقائد کو بھی خیر مقدم کیا۔ اس دو طرفہ کشمکش میں سنیت کا جس قدر حصہ باقی رہ گیا وہ صرف خاندان کا قدرتی اثر تھا۔ ماموں کے دربار میں۔ ہندو۔ عسائی۔ یہودی۔ مجوسی ہر ایک مذہب کے عالم اور فاضل تھے۔ وہ سب سے نہایت فیاضانہ مراعات رکھتا تھا۔ اور کسی کے عقائد اور مذہبی خیالات سے اس کو بحث نہ تھی۔ لیکن تعجب اور افسوس ہے کہ خود اس کے ہم مذہبوں کو ہمیشہ اس کے تعصبات سے گزند پہنچتا تھا۔ شیعہ پن کے جوش میں ایک منادی کراوی کہ متعصب عموماً جائز سمجھا جاوے۔ اگر یہ حکم ذاتی رائے کی صورت میں ہوتا تو شاید کسی کو خیال بھی نہ ہوتا۔ لیکن ایک عام منادی فرمان شاہی کے ہمزبان تھی۔ اور اگر قاضی یحییٰ کے منطقی استدلال سے ماموں عاجزانہ آجاتا تو شاید سیٹوں کی قسمت بدل گئی ہوتی۔ ماموں اس وقت دمشق میں تھا۔ دربار کے تمام علماء بھی ساتھ تھے۔ اس وحشت انگیز منادی نے گو تمام مشہور بہرہ کو یا لیکن حکومت کی آواز کو کون وبا سکتا تھا۔ جو لوگ ماموں کے مزاج داں تھے۔ سمجھ چکے تھے کہ اس پر خطر موقع پر اگر کوئی شخص اپنی جرأت کا امتحان لے سکتا ہے تو وہ صرف قاضی یحییٰ ہیں درباریوں میں سے دو شخص ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ پہلے سے طیار بیٹے تھے۔ ان لوگوں سے کہا کہ دربار میں چلیے۔ میں بھی ذرا دیر میں آتا ہوں۔ یہ لوگ ہو چکے۔ تو ماموں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول پڑھ رہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں تھے میں ان کو حرام کرتا ہوں۔ ہر لفظ پر اس کا چہرہ غصہ سے متغیر ہوتا جاتا تھا۔

شیعہ کی ترویج

جب ایک پُر غیظ لہجہ میں یہ روایت ختم کر چکا تو نہایت طیش میں آکر کہہ اُسے بخل۔ چوپینز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جائز تھی۔ تو کون ہے کہ اس کو حرام کرے؟ ماموں کو اس طرح بدافسروختہ دیکھ کر سب سہم گئے۔ اتنے میں قاضی بیچے پہونچے اور گو خود کہتے ہیں کہہا۔ لیکن اُن کا مفسوم چہرہ۔ اُن کے دلی خیالات کو صاف ادا کر رہا تھا۔ ماموں نے اُن کی طرف مخاطب ہو کر کہہا۔ کیوں آپ کا چہرہ کیوں متغیر ہے۔

(قاضی بیچے) اسلام میں ایک نیا رخنہ پڑا۔

(ماموں) وہ کیا (قاضی بیچے) زنا حلال کر دیا گیا۔

(ماموں) یہ کیونکر (قاضی بیچے) متعہ زنا ہی تو ہے۔

(ماموں) کس دلیل سے (قاضی بیچے) قرآن مجید کی اس آیت میں (الاعمال اذ

واجبہ اومتامکنت ایتماکم۔ صرف دو قسم کی عورتوں سے تمتع جائز کیا

گیا ہے۔ جو رو۔ نوٹڈی۔ کیا تمتعہ عورت نوٹڈی ہے۔ ماموں، نہیں (قاضی بیچے) پھر

کیا زہرہ شرعی ہے! کیا اس کو میراث مل سکتی ہے؟ قاضی بیچے نے ایک

حدیث بھی تمتع کی حرمت میں پڑھی۔ ماموں کو اپنی خود رانی پر نہایت افسوس ہوا اور

اسی وقت حکم دیا کہ پہلا حکم منسوخ کر دیا گیا۔

ماموں اس بات میں بے شبہ نہایت تعینر کا مستحق ہے کہ وہ اعلیٰ درجہ کی

فلسفیانہ تعلیم و خیالات کے ساتھ مذہبی عقائد میں نہایت راسخ الاعتقاد تھا۔ فرائض اور

اعمال کا سخت پابند تھا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اُس کو جو بھی ارادت تھی

عاشقانہ وارفستگی کی حد تک پہونچ گئی تھی۔ شام کے سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کا نامہ مبارک ملا تو آنکھوں سے لگایا۔ اور جوش محبت کی ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی

بار بار آنکھوں سے لگاتا تھا۔ اور روتا جاتا تھا۔ مذہبی جوش ایک بڑی طاقت ہے اور

ہمیشہ دنیا میں اُس سے عجیب عجیب اثر ظاہر ہوئے ہیں۔ مگر فسوس ہے کہ ماموں نے اس قوت سے کوئی عمدہ کام نہیں لیا۔ بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ جس چیز نے اُس کی تمام خوبیاں غارت کر دیں۔ وہ یہی مذہبی جنوں تھا۔ فلسفہ کے اثرات کو چند عقائد میں معتزلی المذہب بنا دیا تھا۔ جس میں سے قرآن کے حادث ہونے کا مسئلہ اس رسوخ کے ساتھ اُس کے دل میں بیٹھ گیا کہ اُس کے نزدیک اس مسئلہ سے انکار کرنا۔ گویا اصل توحید سے انکار کرنا تھا۔ مسئلہ ہجری میں جب وہ شام کے اضلاع میں مقیم تھا۔ تو اسحق خراسانی گورنر بغداد کو ایک فرمان بھیجا۔ جس کا مختصر مضمون یہ تھا: امیر المومنین کو معلوم ہوا ہے کہ عموماً تمام مسلمان جو شریعت کی باریکیوں کو نہیں سمجھ سکتے قرآن کے قدم کے قائل ہیں۔ حالانکہ خود قرآن کی متعدد آیتوں سے اس کے خلاف ثابت ہے۔ یہ لوگ بدترین امم اور ابلیس کی زبان ہیں۔ بغداد کے تمام قاضیوں کو جمع کر کے یہ فرمان سنا دیا جائے۔ اور جس کو انکار ہو۔ وہ ساقط العداالت۔ مشہور کر دیا جائے گا ماموں کو اس پر بھی تسل نہیں ہوئی۔ سات بڑے بڑے عالموں کو جو مذہباً بہت بڑا اقتدار رکھتے تھے اپنے پاس طلب کیا۔ اور رُو رُو گفتگو کی۔ یہ سب لوگ اس مسئلہ میں ماموں کے خلاف تھے۔ مگر توار کے ڈر سے وہ کہہ آئے۔ جو اُن کا دل نہیں کہتا تھا۔ جب یہ لوگ بھی ماموں کے ہمزبان بن گئے تو اُس نے اسحق کے نام ایک دوسرا فرمان بھیجا کہ ممالک اسلامیہ کے تمام علماء اور مذہبی پیشواؤں کا اظہار لیا جائے اس حکم کی پوری پوری تعمیل ہوئی اور سب کے اظہار اُن کے خاص الفاظ میں قلمبند ہو کر ماموں کے پاس بھیج دیئے گئے۔ اس کے جواب میں ماموں نے جو کچھ لکھا وہ اُس کے جنوں مذہبی کا۔ ہذیان تھا۔ تمام محدثین اور فقہاء میں سے ایک بھی نہیں بچا جس پر رشوت۔ چوری۔ وروع گوئی۔ بے علمی۔ حماقت شعاری کا۔ الزام نہیں لگایا تھا۔ فرمان میں یہ چنگیزی حکم بھی تھا کہ جو لوگ اس عقیدے سے باز نہ آئیں پا بزنجیر روانہ کئے جائیں۔ تاکہ میں خود اپنے سامنے اتمام حجت کر کے اُن کی موت و حیات کا فیصلہ کر دوں اسحق نے یہ فرمان جمع عام میں پڑھ کر سنایا جس کی مہبت

دور قرآن کے مستحق ماموں کی تھی

نے بڑے بڑے ثابت قدموں کے عزم کو متزلزل کر دیا۔ اور سب کے سب سچائی اور آزادی کو خیر باد کہہ کر ماموں کے ہمزبان ہو گئے۔ علامہ قواریری - و سجادہ - ائمہ کسی قدر مستقل رہے۔ مگر حبیب پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی گئیں اور ایک رات ہی سختی میں گزری تو ثابت ہو گیا۔ کہ اُن لوگوں کو اپنے عزم و استقلال کی نسبت جو حق عن تھا۔ وہ صحیح نہ تھا۔ صرف امام حنبل و محمد بن نوح - ایسے معرکہ میں ثابت قدم رہے۔ جس کے صلے میں پابز بخیر مو کر طرطوس روانہ کئے گئے۔

ماموں کو بھر معلوم ہوا۔ کہ جن لوگوں نے اس مسئلہ کو تسلیم کر لیا تھا۔ تقیہ کیا تھا وہ نہایت برا فروخت ہو اور اُن لوگوں کی نسبت حکم دیا کہ آستانہ دولت پر حاضر کئے جائیں۔ ایک جم غفیر جس میں - ابو حسان زیادہ - نصر بن شعیب - قواریری - ابی نصر تمار - علی بن مقاتل - بشر بن الولید - وغیرہ شامل تھے۔ پولیس کی حراست میں شام کو روانہ کیا گیا۔ یہ لوگ رتہ تک پہنچ چکے تھے۔ کہ ماموں کے مرنے کی خبر آئی جس کا اثر عام مسلمانوں پر جو کچھ ہوا ہو۔ لیکن ان بیکسوں کے لئے تو یہ ایک نہایت جانفزا مژدہ تھا۔

تمام خلفائے بنی العباس کے برخلاف ماموں آل علی سے نہایت محبت رکھتا تھا۔ باغ فدک ساوات کو واپس دیدیا تھا۔ آل ہاشم کو عموماً بڑے بڑے ملکی عہدے دے۔ اس عزیزانہ مراعات کو خاندان عباس رشک کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ یحییٰ بن حنین نے (علویں میں تھے) جب انتقال کیا۔ تو ماموں کو اُن کے مرنے کا ایسا صدمہ ہوا۔ کہ شاید کبھی نہ ہوا تھا۔ خود اُن کے جنازہ پر حاضر ہوا۔ اور ویر تک رنج و غم کی وہ حالت اس پر طاری رہی کہ لوگ دیکھ کر تعجب کرتے تھے۔ اس واقعہ کے تھوڑے دنوں کے بعد۔ زینب خاتون کا (جو تمام خاندان عباس میں نہایت محترم تھیں) ایک عزیز فرزند مر گیا۔ ماموں نے بجائے اسکے

آل علی سے محبت

۱۷۔ تمام واقعات کامل بن الاثیر اور تاریخ الخلفاء میں زیادہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔

کہ جنازہ میں شریک ہوتا۔ یا خود تعزیت کو جاتا۔ صلح کو اپنی طرف سے بھیجا کہ غزوہ کے ساتھ ماتم پر سی کر ائے۔ اس سے بے پروائی نے زینب خاتون کو اس قدر رنج دیا کہ ان کو عظمت خلافت کا بالکل خیال نہ رہا اور ماموں کی طرف اشارہ کر کے یہ شعر پڑھا۔

سبکناہ و محسبہ لجینا | قابلی الکیر عن خبث المحلید

ترجمہ۔ ہم نے اسکو تایا تو چاندی خیال کیا تھا۔ لیکن بھیجی نے ظاہر کر دیا کہ زنگ آلود ہوا ہے پھر صلح سے کہا کہ ماموں سے جا کر کہنا۔
اے مراجل کے نوٹے۔ اگر آج یحییٰ بن الحسین ہوتا تو تو منہ پر دامن رکھ کر جنازہ کے نیچے دوڑتا جاتا۔

یہ عجیب بات ہے کہ ماموں کی اس فیاضانہ مراعات کو ہمارے مورخین شیعہ بن کا اثر خیال کرتے ہیں۔ ماموں کو بے شبہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہایت پر جوش اور محبت آمیز عقیدت تھی۔ اس کا لازمی اثر تھا کہ خاندان نبوت کے ساتھ بھی اس کو دلی اخلاص ہو۔ اس مراعات کا ایک اور سبب تھا۔ جس کو خود ماموں نے ایک موقع پر بیان کیا ہے۔
اس نے کہا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمان خلافت میں ایک بنی ہاشم کو بھی کوئی ملکی عہدہ نہیں دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ و عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اس خاندان کے ساتھ کچھ فیاضی نہ کی۔ لیکن علی مرتضیٰ جب ہوئے۔ تو عبد اللہ بن عباس میں کو۔ بصرہ۔ عبید اللہ کو یمن معبد کو مکہ۔ قثم کو بحرین کی حکومت دی۔ اور آل عباس میں کوئی باقی نہیں رہا۔ جس کو حکومت میں کچھ حصہ نہ ملا ہوا۔ ہمارے خاندان پر یہ قرعہ باقی چلا آتا تھا۔ جس کو اب میں نے ادا کیا ہے۔

معاصر طنتین

۱۲۔ ماموں کے کنیز زادہ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ ۱۱۔ ۱۲۔ کامل بن الاثیر ذکر سیرت ماموں۔ ۱۳۔

۱۳۔ تاریخ الخلفاء سیوطی۔ ۱۴۔

ہم مختصر طور پر بتانا چاہتے ہیں کہ جس زمانہ میں - ماموں - دنیا کے بڑے بڑے حصوں پر نہایت عظمت و جلال کے ساتھ حکمرانی کر رہا تھا - اس وقت اس کی معاصر سلطنتیں ترقی کے کس پایہ پر تھیں -

انگلینڈ کا تنگ رقبہ سات چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں منقسم تھا - جن کے نام تھے کنیٹ - سیکس - ویکس - ناومبر لینڈ - مریشیا - ایسٹ انگلیٹا - یہ سب بادشاہ جن کو رئیس کہنا چاہئے - آپس میں لڑتے رہتے تھے - اور جو شخص ان میں کسی قدر عظیم حاصل کر لیتا تھا - اس کو بادشاہ انگلش کا پر فخر لقب ملتا تھا - ششم ۶ء میں اکبرٹ (Egbert) بادشاہ ویکس اپنے تمام حریفوں پر غالب ہو گیا - اور قریباً تمام انگلینڈ میں اس کی فتوحات پھیل گئیں - لیکن قبل اس کے کہ وہ اپنے فتوحات کی بنیاد مستحکم کر سکے ڈینس (Danes) کا حملہ شروع ہو گیا - اکبرٹ نے ششم ۸۰۰ء میں انتقال کیا - جرمن - اٹلی - ہنگری - ایسی چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں - جن کے لئے سلطنت کا لقب نہ تہذیب و شائستگی کے لحاظ سے موزوں تھا - نہ جمعیت و قوت کے اعتبار سے شمار لینا شاہنشاہ فرانس نے ششم ۱۰۰۰ء میں ان ریاستوں کو فتح کامل حاصل کرنے کے بعد اپنی حدود و حکومت میں داخل کر لیا - اور ایک سلطنت اعظم کی بنیاد قائم کی - یورپ کے مورخوں نے اس کی عظمت و شان کا اعتراف کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس نے اپنے معاصر ہروں ارشید اعظم سے دوستانہ راہ و رسم پیدا کی - اور سفارت و دیپلومیسی - فرانس کے مورخوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس سفارت کے جواب میں ہروں ارشید نے جو شاہانہ تحفے بھیجے اس میں ایک گھڑی بھی تھی - جس کی کمال صنعت پر تمام دربار حیرت زدہ ہو گیا - اور فرانس میں گھڑی کا

لہان ناموں کا صحیح تلفظ انگریزی میں یہ ہے

(1) Kent (2) Sussex (3) Wessex (4) Essex (5) North -
-umbria land. (6) Mercia (7) East Angles

اس میں گھڑی کا مال کثرت الجہان فنون اور باہیں تھیں کے ساتھ لکھا ہے - قہر ہے کہ یہ پہلی ایجاد و جمل کی نہایت اعلیٰ و فہم کی صنعت کے برابر تھی - ۱۲

رواج اُسی زمانے سے شروع ہوا۔ عربی تاریخوں میں اس سفارت کا بالکل ذکر نہیں ہے اور اس وجہ سے مسٹر پاھر صاحب کا خیال ہے کہ مسلمانوں کی سلطنت چونکہ اُس وقت نہایت عروج پر تھی۔ اِس لئے اُس سے فخریہ رابطہ قائم کرنے کے لئے یورپ میں یہ قسے خود ایجاد ہو گئے۔ شارلمین سہ میں انتقال کر گیا۔ اُسی کے ساتھ عظمت سلطنت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

قسطنطنیہ میں میکس اول و میکس دوم و ٹیوفلس سپر میکس دوم۔ ماموں کے معاصر تھے یہ خاندان۔ اکثر دولت عباسیہ کو خراج کے طور پر کسی قدر سالانہ رقم ادا کیا کرتا تھا۔ بعض تخت نشینوں نے کبھی کبھی سرتابی کی۔ مگر عباسیوں نے اپنی قاہرہ فتوحات سے اُن کو بتا دیا۔ کہ اُن کے حق صلح بہر حال جنگ سے زیادہ مفید ہے۔ ناظرین کو چاہئے کہ اس موقع پر ماموں کی فتوحات پر ایک بار اور نظر ڈالیں۔

غرض و نیا میں اُس وقت جتنی سلطنتیں موجود تھیں۔ سلطنت عباسیہ سے کچھ نسبت نہیں رکھتی تھیں۔ لیکن خاندان بنی اُمیہ جو اسپین میں فرمانروا تھا۔ عباسیہ کا حریف مقابل تھا۔ حکم بن ہشام جو سلسلہ ہجری میں تخت نشین ہوا۔ اور عبدالرحمن اوسط جو خلیفہ میں تخت حکومت پر بیٹھا۔ دونوں اموی خلیفہ ماموں کے معاصر تھے اور اگر وسعت سلطنت کے اعتبار سے نہیں تو فتوحات یورپ کے لحاظ سے وہ صحیح طور پر ماموں کی ہمسری کا دعوے کر سکتے تھے۔ حکم نے فوج کو بہت ترقی دی۔ اور علم کی نہایت تدریجی کے ساتھ سرپرستی کی۔ عبدالرحمن اوسط نے یورپ پر بہت سی فتوحات حاصل کیں۔ اسپین میں بے شمار مسجدیں بنوائیں۔ خلفائے بنی اُمیہ میں وہ پہلا تخت نشین ہے۔ جس نے سلطنت کے اصول و قواعد منضبط کئے

اراکسین دربار اور ملکی عہدے

ہر سلطنت میں۔ بعض اہل دربار۔ اور عہدہ داران ملک اپنے زورِ لیاقت اور حسن تدبیر

سے ایسا اقتدار حاصل کر لیتے ہیں کہ ان کے کارنامے سلطنت کی تاریخ کا ایک ضروری حصہ بن جاتے ہیں۔ اور اس لئے ان کے عام حالات زندگی پر بھی ایک اجمالی نگاہ ڈالنا ضروری ہے۔ کافر بن ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور بڑا سبب ہے۔ جس کی وجہ سے ہم دوبار یوں اور عہدہ داروں کا مختصر طور پر تذکرہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

خلفائے راشدین کے بعد مسلمانوں میں شخصی حکومت شروع ہو گئی۔ جسکی بنیاد امیر معاویہ نے ڈالی تھی۔ اُس وقت سے آج تک جہاں جہاں اسلامی حکومت قائم ہوئی۔ شخصی اختیارات کے اصول پر قائم ہوئی۔ جس کا ایک لازمی خاصہ یہ تھا کہ فرمانروا وقت کسی عام ملکی قانون کا بند نہیں ہوتا تھا۔ رعیت کے مسلمہ اصول بھی ہمیشہ اس کی ذاتی خواہشوں کے سانچے میں ڈھالے جاتے تھے اسی طرح اس کے نائبان سلطنت اور عمال اپنے اپنے اختیارات کی حدود تک۔ گویا خود مختار فرماں روا ہوتے تھے۔ اس لئے ہم کو اگر کسی عہد کے امن و انصاف کی نسبت کوئی رائے قائم کرنی ہو تو ضرور ہے کہ سلطان وقت اور عہدہ داران سلطنت کی ذاتی سیاست اور طریق عمل پر بھی نگاہ ڈالیں۔ اماموں کے عمالوں اور عہدہ داروں کے حالات لکھنے سے پہلے مختصر طور پر ہم عہدوں کے تعین اور ان کے فرائض لکھتے ہیں۔

اُس وقت بڑے بڑے ملکی عہدے جن پر سلطنت کی بنیاد قائم تھی۔ یہ تھے وزارت۔ کما تبت۔ شرطہ (پولیس) فقہاء۔ عدالت۔ ولایت

وزارت۔ یہ سب سے بڑا منصب تھا۔ اور حق یہ ہے کہ عملی طور سے وزیر اعظم کے اختیارات۔ بادشاہ کے اختیارات سے زیادہ وسیع اور بااثر ہوتے تھے

وزارت کے مختلف درجے تھے۔ اور ہر صیغہ کے وزیر الگ الگ مقرر تھے۔ مثلاً۔ وزیر القلم۔ وزیر الحرب۔ وزیر الخراج۔ ان سب سے بالاتر وزارت اعظم کا منصب تھا۔ جو ذوالریاستیں یعنی وزیر الحرب والقتلہ کے معزز خطاب سے مخاطب ہوتا تھا۔ اسی رعایت سے اس کا امتیازی پردہ جس تیرے پر آویزان ہوتا تھا۔

اُس کے دو چل جوتے تھے۔

کتابت۔ کاتب کا رتبہ حکمت اور سوخ کے اعتبار سے قریباً وزیر کے رتبہ کے ہم پلہ تھا۔ وہ تمام فزاہین۔ احکام۔ توقیعات۔ سلطنتیہائے غیر کے معاہدے اپنی خاص عبارت میں لکھتا تھا۔ جن پر وہ اپنے دستخط ثبت کرتا تھا۔ اور دونوں کناروں پر سرخ روشنائی سے شاہی ہرنگ لگاتا تھا۔ اِس کے علاوہ اُن تمام عرصیوں پر جو ہر روز ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لوگ مختلف مقاصد کے لئے بادشاہ کی خدمت میں بالذات یا بواسطے گذرانتے تھے۔ بادشاہ کی ہدایت سے نہایت مختصر اور لمبی عبارت میں مناسب احکام لکھتا تھا۔ اِس میں اِس قدر کمال ہم پہنچا گیا تھا۔ کہ جعفری کی عام توقیعات بازار میں ایک ایک اشرفی کو کبھی تھیں۔ اور فن انشا کے شائق۔ بڑے شوق سے مول لیتے تھے۔

قضا۔ قاضی۔ جس کو جج جسٹس کہا جاسکتا ہے۔ اُس کو فصل مقدمات کے علاوہ قیام اور مجنونوں وغیرہ کی جائداد کا انتظام۔ مغلسوں کی خبر گیری۔ وصیتوں کی تمہیل جوڑوں کی تزویج۔ (جب کوئی والی نہ ہو) اِس قسم کے کام سپرد تھے۔
معدل دفتر قضا سے تعلق رکھتا تھا۔ اُس کے پاس ایک رجسٹر ہوتا تھا جس میں ثقل اور ساقط اعدالت لوگوں کے نام درج ہوتے تھے۔ مقدمات کی پیشی کے وقت گواہوں کے اعتبار و عدم اعتبار کا مدار بہت کچھ اُس کے رجسٹر پر ہوتا تھا۔ اُس کے علاوہ عام حقوق۔ اور مشتبہ جائدادوں۔ و قرضوں کے کاغذات مرتب رکھتا تھا اور عموماً دستاویزات کی رجسٹری اُسی کے دفتر میں ہوتی تھی یہ بڑی ذمہ داری کا عہدہ تھا اور اُس نے نہایت مشہور راستہ باز اور ثقہ لوگ اِس منصب کے لئے انتخاب کئے جاتے تھے۔

مختص کو ان باتوں کی خبر گیری رکھنی پڑتی تھی۔ بازاروں۔ یا مجامع عام میں کوئی امر خلاف شریعت نہ ہونے پائے۔ جانور دن پر اُن کی طاقت سے زیادہ بوجہ نہ لادا جاوے۔ گشتی میں زیادہ آدمی نہ سوار ہونے پائیں۔ راستہ پر یا مرکز پر جو مکانات

گرنے کے قریب ہوں۔ اُن کو اُن کے مالکوں سے کہہ کر گروادے جو مسلمین
لڑکوں پر زیادہ سختی کرتے ہوں۔ اُن کو سزا دے۔ کوئی شخص ترازو یا پیمانہ۔ وزن سے
کم نہ رکھنے پاوے۔ محتسب کے ساتھ بہت سے مہرکاری پیداوے ہوتے تھے
اور وہ بازاروں اور گلی کوچوں میں گشت کرتا رہتا تھا۔

ولایت۔ والی یا عامل۔ علی اختلاف مراتب۔ کلکٹر۔ کمشنر۔ لفٹننٹ گورنر اور
بعض حالتوں میں گورنر کے برابر ہوتے تھے۔

اموں کے دربار میں جو لوگ یکے بعد دیگرے وزارت اعظم کے منصب پر ممتاز
ہوئے اُن کے نام یہ ہیں۔ فضل بن سہل۔ حسن بن سہل۔ دیہ دونوں حقیقی بھائی تھے۔ احمد
بن ابی خالد احوں۔ ثابت بن یحییٰ۔ محمد بن یزدار۔ لیکن وزارت اعظم کا اصلی جاہ و جلال فضل
بن سہل کے دم تک قائم رہا۔ اور شاید اُس کی برابر تنخواہ بھی لیجئے تئیں لاکھ درہم ماہوار۔
کسی اور کی نہیں مقرر ہوئی۔ اسی بنا پر بعض مورخوں نے خیال کیا ہے کہ فضل کے
بعد یہ عہدہ توڑ دیا گیا۔ اور حسن وغیرہ جو وزراء مشہور ہیں۔ دراصل کاتب کا
منصب رکھتے تھے۔

فضل۔ نسباً و ذہباً مجوسی تھا۔ اور سنیہ صحیحی میں اموں کے ہاتھ پر اسلام
لایا تھا۔ جعفر بن ابی ہاشم کے ہزاروں ارشید کی خدمت میں اس کی تعریف سے اس کو پیش کیا
کہ شہزادہ اموں کی مصاحبت کے لائق ہے۔ لیکن جب ہزاروں نے امتحاناً دربار میں
طلب کیا تو شاہانہ عظمت و جلال کا ایسا اثر ہوا کہ فضل حیرت زدہ رہ گیا۔ اور آداب مسلم
کے معمولی الفاظ بھی ادا نہ کر سکا۔ ہزاروں نے متعجبانہ جعفر کی طرف دیکھا۔ فضل نے بڑھکر
عرض کی کہ امیر المومنین باغلام کی سعادت کی یہ بڑی دلیل ہے کہ آقا کی ہیبت سے متاثر
ہوئے ہزاروں پھر دک اُٹھا۔ اور جعفر کے انتخاب کی تعریف کی۔ فضل شہزادگی کے زمانے
میں اموں کا ندیم خاص رہا۔ اور چونکہ ابتدا میں اسی کے پُر زور ہاتھوں نے خلافت کی کشتی چوڑی
سے کپالی تھی۔ اموں پر ہنسائیت محیط ہو گیا تھا۔ اور دربار میں کسی شخص کو اس کی مخالفت

سلطہ ابن تمام عہدوں کی تفصیل مقدمہ بن خلدون میں مرقانہ محمد سے بھی ہے۔ ۱۰۔

اموں کے وزراء

فضل بن ابی ہاشم جو اموں کی

کارانہ تھا۔ اس خود پرستی کے سوا فضل میں اور تمام خوبیاں تھیں۔ نہایت فیاض۔ دہلی
خزانہ۔ علم دوست تھا۔

بڑے بڑے مشہور شعراء۔ مثلاً صریح الخوانی۔ ابراہیم صولی۔ ابو محمد۔ جو فن انشا کے
بڑے ترقی دینے والے تھے۔ اُس کے دربار میں حاضر رہتے تھے۔ چونکہ فیاضی کے
ساتھ عام طور پر حاجت روائے خلق تھا۔ ہر روز حاجتمندوں کا ایک بازار لگا رہتا تھا۔ ایک بار
اُس نے گھبرا کر شامہ بن اشتر سے کہا: میں دن لوگوں سے نہایت تنگ آ گیا ہوں
شامہ نے کہا: ”آپ جس پایہ پر ہیں۔ اُس سے اتراؤ تو ایک شخص بھی آپ کو تکلیف
دینے نہ آئیگا۔ اس موثر فقرے نے اُس کی فیاضی کو پہلے سے بہت زیادہ کرویا
ایک شخص نے اُس کو ایک رقعہ دکھا۔ جس میں کسی کی چلی کھائی تھی۔ فضل نے
اُس کے ماشیہ پر نکھدیا کہ ”میں غازی کے قبول کر نیو غازی سے بڑھتا ہوں۔ کیونکہ غازی
صرف راستہ بتاتا ہے۔ اور قبول کرنے والا خود اُس پر چلتا ہے۔ فضل علم نجوم
کا بہت بڑا ماہر تھا۔ نجوم کا علم مصطلح معنوں میں صحیح ہوا غلط۔ مگر فضل کی چند پیشین گوئیاں
تاریخی شہادتوں سے ایسی صحیح ثابت ہو گئی ہیں کہ حن اتفاق کی اُس سے عجیب
تر مثال نہیں مل سکتی۔ ۱۲۰۰ھ میں ماموں کے اشارہ سے قتل کیا گیا۔ اُس
کے اسباب میں ایک صندوق نکلا۔ جس میں ایک حریر کے ٹکڑے پر یہ عبارت اُس کے
ہاتھ لکھی ہوئی تھی۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم فضل نے اپنی نسبت یہ فیصلہ کیا ہے کہ
اڑتالیس برس زندہ رہے گا۔ پہر آگ اور بانی کے درمیان قتل کیا جاوے گا۔ چونکہ
وہ حمام میں مارا گیا تھا۔ اُس نے اُس کی یہ پیشین گوئی پورے طور سے صحیح تسلیم کی گئی
حسن بن سہیل۔ پہلے فارس۔ اہواز۔ بصرہ۔ کوفہ۔ یمن۔ کا گورنر
مقرر ہوا تھا۔ فضل کے قتل ہونے کے بعد وزارت کے منصب پر ممتاز ہوا۔ اُس
کی قدر شناسی اور فیاضیوں کے فسانے۔ عموماً مشہور ہیں۔ دوران اپنی بیٹی کی

شادی۔ جس شان و شوکت سے کی۔ اس کو ماموں کے حالات میں دیکھتا چاہئے
 نہایت فصیح و بلیغ اور نکتہ سناں تھا اس کے ولادیز فقرے اور پڑ زور بلند
 تحریریں ادب کی تصنیفات میں اکثر مثلاً پیش کی گئی ہیں۔

عام لوگوں کے ساتھ نہایت لطف و محبت سے پیش آتا تھا۔ اور ادو خواہوں
 کے مال پر از بس توجہ رکھتا تھا۔ لوگوں کی سفارش کرنے پر اور تقصیرات کے معاف
 کرانے میں اس کو ایک عجیب دلچسپی تھی۔ ایک شخص نے کچھ جرم کیا تھا۔ حسن نے
 اس کی شفاعت کا رقم لکھ دیا۔ وہ نہایت شکر گزار ہوا۔ اور احسان مندی کے
 جوش میں ویر تک شکرے کے الفاظ ادا کئے۔ حسن نے کہا: ”مسلک گزری کی
 کیا بات ہے۔ شفاعت کرنا ہم لوگ جاہ و عزت کی زکوۃ سمجھتے ہیں۔“ وہ اکثر کہا کرتا تھا
 کہ قیامت میں جس طرح مال کی زکوۃ سے سول ہوگا۔ تدر و منصب کی زکوۃ کی
 بھی پرسش ہوگی۔“

افسوس ہے کہ حسن نے وزارت سے کچھ زیادہ عرصہ تک خط نہیں اٹھایا بقیل
 کے قتل کا اس کو ایسا صدمہ پہنچا تھا کہ رات دن کے رونے اور فریاد کرنے سے مختل
 الحواس ہو گیا۔ اور آخر یہاں تک نوبت پہنچی کہ پاؤں میں بیڑیاں پہنائی گئیں۔ ۲۲
 بمقام سرخس وفات کی۔

احمد بن ابی خالد احوال۔ حسن بن سہیل کی درخواست پر اس کا قائم مقام مقرر
 ہوا تھا۔ ماموں نے جب اس کو مستقل کرنا چاہا تو اس نے انکار کیا۔ اور کہا کہ جو خدمت
 مجھ سے لیجائے میں حاضر ہوں۔ لیکن وزارت کے لقب سے معاف رکھا جائے
 ماموں نے چونکہ اس کی لیاقت کا صحیح اندازہ کر لیا تھا۔ یہ درخواست قبول نہ کی۔ اور
 خلعت وزارت عطا کیا۔ احمد نے نہایت لیاقت۔ اور عظمت و شان کے ساتھ وزارت
 کی ماموں بھی اس کی نہایت عزت کرتا تھا۔ ایک بار کسی نے عرضی دی۔ کہ وزیر اعظم احمد
 کھانے کا بہت شائق ہے۔ اور جس کی دعوت کھاتا ہے مقدمات میں خلاف انصاف
 اس کی طرف داری کرتا ہے۔ ماموں نے اس شکایت پر اگر کچھ لٹا دیا تو یہ کیا کہ تنخواہ

کے علاوہ ہزاروں ہم روزانہ احمد کے دسترخوان کے لئے مقرر کر دئے۔ احمد کی وزارت ختم ہونے کے ساتھ ماموں کی خلافت کا زمانہ بھی تسریعاً ختم ہوتا ہے۔ باقی اور لوگ جو برائے نام وزیر کہلائے۔ ان کی چند روزہ اور گناہم وزارت کوئی تاریخی اثر نہیں رکھتی۔ اور اس لئے ان کے حالات سے اگر ہم قطع نظر کریں تو شاید ناموزوں نہ ہو گا۔

کتاب۔ ماموں کے دربار میں جو لوگ اس معزز منصب پر مقرر ہوئے اپنے فن میں پیش و یگانہ روزگار تھے۔ عمرو بن مسعدت۔ المتوفی ۱۱۰ھ ہجری بہت بڑا نامور فاضل تسلیم کیا گیا ہے۔ بڑے سے بڑے مضمون کو مختصر لفظوں میں اس خوبی سے ادا کرتا تھا۔ کہ مضمون کا اصلی اثر۔ اور زور۔ پورا قائم رہتا تھا۔ احمد بن یوسف کا بیان ہے۔ کہ ایک بار میں ماموں کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ ایک خط پڑھ رہا تھا۔ اور عیب محبت کے عالم میں تھا۔ بار بار پڑھتا تھا۔ اور جوہر ہوتا تھا۔ ہاتھ سے رکھ دیتا تھا۔ اور پھر اٹھالیتا تھا مجھ کو دیکھا تو کہا: ”امیر المؤمنین ہزاروں ارشید۔ فسرلایا کرتے تھے بلاغت اس کا نام ہے۔ کہ نہایت مختصر لفظوں میں مطلب ادا ہو۔ اور مضمون کا اصلی زور اور اثر قائم رہے۔ امیر المؤمنین نے جو فرمایا تھا۔ اس خط نے آنکھوں سے دکھا دیا کہ یہ کہہ کر ماموں نے خط کی عبارت پڑھ کر سنائی۔ جو فوج کی باقی تنخواہ کی نسبت ایک شکایت امیر عزمی تھی۔ خط کے خاص الفاظ یہ ہیں۔ ”کتابی الی امیر المؤمنین ومن قبل من الابرار والنقاد فی الطاعة والافتیاء علی احسن ما لکوا علیہ طاعة جنید تاخرت عطیاتہم واختلت احوالہم“۔ یعنی میں ”امیر المؤمنین کو خط لکھ رہا ہوں اور فوج و افسران فوج اطاعت اور انقیاد کے اس عمدہ ترویج پر ہیں۔ جہاں تک ایک ایسی فوج کا ہونا ممکن ہے۔ جس کی تنخواہیں نہ ملی ہوں۔ اور تباہ حال ہو رہی ہو“

ماموں کا دوسرا کاتب احمد بن یوسف۔ جن بلاغت میں اس درجہ کا تسلیم الثبوت ہے۔ اور تھا۔ کہ اس زمانہ میں فنس و کمال کی اس ترقی کے ساتھ بھی کوئی شخص اس کی

ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا تھا۔ طاہر بن الحسین نے ماموں کو امین کے قتل کا جو خط لکھا تھا۔ اور جو اختصار۔ و حسن ادا۔ و بلند خیالی کے لحاظ سے ضرب المثل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اسی احمد بن یوسف کا نتیجہ طبع تھا۔ وزیر اعظم۔ احمد احوال اکثر ماموں کے سامنے اُس احمد بن یوسف کا تب کا تذکرہ نہایت تعریف کے ساتھ کیا کرتا تھا۔ چنانچہ ماموں نے اُس کو دربار میں طلب کیا۔ احمد نے آداب و تسلیم کے بعد اس گفت و لطیف سے گفت گو کی کہ ماموں حیران رہ گئے۔ اور کہا: کمال تعجب ہے کہ احمد آج تک اپنے کو چھپا کیوں کر سکا؟ علامہ ابو اسحق حسری نے زہر الاداب میں بہت سے اُس کے لطیف اور فصیح و بلیغ خطوط و اشعار نقل کئے ہیں۔ ہم اس موقع پر صرف ایک شعر پر اکتفا کرتے ہیں۔ شعر

اذما التقینا والعمون نواظرا | فاستننا حرب و انصارنا سلم

ترجمہ۔ جب ہم محبوب سے ملتے ہیں تو زبانیں رڑتی ہیں۔
یعنی باہم شکایت کے دفتر کھولتے ہیں، اور نگاہیں صلح کر لیتی ہیں۔
قصۃ مالک محروسہ میں قضاۃ کا جو بہت بڑا محکمہ تھا۔ اُس کا صدر مقام دارالخلافۃ بغداد تھا۔ اور افسر صدر۔ قاضی القضاۃ کے لقب سے مخاطب ہوتا تھا۔ اس منصب پر یکے بعد دیگرے دو شخص ممتاز ہوئے۔ یحییٰ بن اکثم۔ و احمد بن ابی داؤد۔ یحییٰ بن اکثم۔ حکومت کی عظمت و جاہ کے ساتھ پیشوائے مذہبی تسلیم کئے گئے ہیں انکی جلالت و شان کے لئے یہ امر کافی ہے کہ امام بخاری و ترمذی۔ فن حدیث میں اُن شاگرد تھے۔ قاضی یحییٰ کے ذاتی کمال اور پوئیکل لیاقت نے اُن کو وزیر اعظم کے رتبہ تک پہنچا دیا تھا۔ و فرزندارت کے تمام کاغذات پہلے اُن کی نگاہ سے گزرتے تھے۔ جب سند قبول پاتے تھے۔ اُن کی تقرری کی ابتدا اس طرح ہوتی کہ لہلوں نے ایک خالی شدہ عہدہ قضا پر کسی کو مقرر کرنا چاہا۔ امیدواروں میں یہ بھی پیش کئے گئے۔ اور چونکہ یہ منظر تھے۔ ماموں نے حارت آمیز نگاہ سے اُن کی طرف دیکھا یہ کہہ گئے۔ اور عرض کی کہ۔ اگر سب سے غرض ہے تو غیر ضروری اسلی

بیات کا حال اتنا سے معلوم ہو سکتا ہے ماموں نے امتحان پوچھا کہ وہ ایک میت نے والدین اور وہیتیاں چھوڑیں۔ پھر ایک بیٹی مری اور وہی پہلے ورثاء باقی رہے کہ کیوں کر تقسیم ہوگا۔ یہ بھی نے کہا۔ میت مرد ہے یا عورت؟ ماموں۔ اس حال ہی سے سمجھ گیا۔ کہ قاضی ایسے نے اصل مسئلہ سمجھ لیا ہے۔ جب یہ بصرہ کے قاضی مقرر ہو کر گئے۔ تو ان کا سن کل بیس برس کا تھا۔ لوگوں نے ان کی کم سنی سے تعجب کیا۔ اور ایک شخص نے خود ان سے پوچھا کہ مد حضور کی عمر کس قدر ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ”عتاب بن اسید کی عمر سے (جن کو رسول اللہ صلعم نے۔ مکہ معظمہ کا قاضی مقرر کیا تھا) زیادہ ہے“ کا متعہ کی نسبت انہوں نے ماموں سے گفتگو کی تھی۔ ہم کو ہم۔ ماموں کے حالات میں لکھ آئے۔ ماموں کمال قدر دانی سے انکو خود اپنے تخت پر جگہ دیتا تھا۔ فقہ میں ان کی تصنیفات نہایت اعلیٰ رتبہ کی ہیں۔ فقہائے عراق کے مد میں ان کی ایک کتاب جس کا نام تنبیہ ہے۔ ایک مشہور کتاب ہے۔

لطیفہ قاضی بھی کسی قدر حسن پرستی کا چسکا بھی رکھتے تھے۔ ایک بار ماموں نے امتحان چند خوبصورت اور پری پیکر غلاموں کو حکم دیا کہ جب میں اٹھ جاؤں تو تم لوگ قاضی صاحب کو چہرہ دو۔ غلام شوخیاں کرنے لگے تو قاضی صاحب نے ان کی طرف حسرت آمیز نگاہ سے دیکھا اور کہا ”ظالموں تم نہ ہوتے تو ہم لوگ بچے مسلمان ہوتے ہمارے پر دے سے یہ گفتگو سن رہا تھا۔ یہ شعر پڑھتا ہوا باہر نکلا۔“

وکنان حبی ان نری العدل ظاهرا فاعقبنا بعد الوحى وقنوط
متی تصلم الدنيا وتصلم اهلها وقاضی قضایا المسلمین غلوط
لطیفہ۔ ماموں کے زمانے میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ ماموں نے قاضی ایسے کہا۔ آؤ چپکے چل کر اس کا حال دریافت کریں۔ دونوں معسول ہیں پس ہنکر اس کے پاس گئے۔ اور پوچھا۔ آپ کا معجزہ کیا ہے۔ اس نے کہا میں کو خدا کی طرف سے اہام ہوتا ہے ماموں نے کہا۔ ”اس وقت بھی کوئی وحی اتری ہے اس

نے کہا ہاں یہ الہام ہوا کہ دو شخص تم سے ملنے آتے ہیں۔ ایک بادشاہ ہے اور دوسرا انتہا درجہ کا شاہد باز ماموں بیاضتہ ہنس پڑا۔ اور چلا آٹھا۔ وَاللّٰهُ اشْهَدُ اَنْكَ لِرَسُولِ اللّٰهِ لَانْ بَاتُوْنَ كُوَانْ بَزْرُكُوْنَ كِي بے تکلفی۔ اور رنگین معنی کا اقتضا سمجھنا چاہئے۔ ورنہ قاضی قاضی کے زہد اور اتقا و ورع میں کس کو کلام ہو سکتا ہے۔ ابس بحث کے متعلق ابن خلدوں نے جو لکھا ہے۔ نکتہ سنجی کی داد دی ہے۔ قاضی یحییٰ نے سلسلہ صبری میں ۸۳ برس کی عمر میں انتقال کیا۔

قاضی القضاۃ احمد بن ابی داؤد۔ نہایت بڑے فقیہ۔ امولی۔ متکلم۔ شاعر تھے و جبل خزامی نے جو ماموں کے عہد کا مشہور شاعر ہے۔ کتاب الشعرا میں ان کا ذکر کیا ہے ایک دن قاضی یحییٰ بن اکثم کے ہاں فقہا۔ علماء کا مجمع تھا۔ یہ بھی اُس جلسہ میں موجود تھے کہ شاہی چوہدار آیا۔ اور کچھ امیر المومنین ماموں نے قاضی صاحب کو مع تمام حاضرین دربار میں طلب کیا ہے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ قاضی احمد کو دربار میں رسائی ہوئی۔ ماموں نے ان سب سے علمی بحثیں کیں۔ قاضی احمد کی باری آئی تو ان کی جربستہ گوئی اور طبعی سے متعجب ہو کر نام و نسب پوچھا اور حکم دیا کہ آج سے علمی مجلسوں میں ہمیشہ شریک ہوا کریں قاضی احمد سے پہلے دربار کا یہ آئین تھا۔ کہ جب تک خلیفہ خود کوئی بات نہ چھیڑے کوئی شخص گفتگو کا مجاز نہیں تھا۔ قاضی احمد پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے اس جابرانہ قاعدے کو توڑا۔ اور حق ہے کہ جس آزادی اور ولیرمی سے وہ اپنے فرائض ادا کرتے تھے۔ شخصی حکومتوں میں اس کی بہت کم مثالیں مل سکتی ہیں۔ خلیفہ معتمد باللہ کی سلطنت و قہر سے تمام دربار کا پتا تھا۔ مگر قاضی احمد جو چاہتے تھے کہتے تھے۔ اور معتمد کو سننا پڑتا تھا۔ معتمد نے جب برکی کے قتل کا حکم دیا۔ تو دربار میں سنا ہوا گیا۔ اور اُس کی غضبناک صورت دیکھ کر سب کے حواس جاتے رہے۔ محمد برکی پہلے پر بٹھایا گیا۔ اور جلاد نے تلوار کو جنبش دی۔ قاضی احمد نے پڑھ کر کہا

سے ماموں کا بھائی تھا۔ اور اُس کے بعد تخت خلافت پر بیٹھا۔ بڑی عظمت و اقتدار سے حکومت کی خانہ ان عباسیہ کی تخت اور عظمت جس کے فرائض مشہور ہیں ابی کے عہد تک قائم رہی۔ پھر خلافت برائے نام رہ گئی تھی۔

”آپ قتل تو کرتے ہیں مگر اُس کے مرنے کے بعد اُس کا مال و اسباب آپ کیونکر لے سکتے ہیں“ معتم نے نہایت عیث میں اکر کہا ”جھکو۔ اُس کے مال لینے سے کون روک سکتا ہے۔ قاضی احمد نے ”خدا اور اوس کا رسول“ کیونکر شرعاً مال وراثت کو مل سکتا ہے۔ اور جب تک آپ اُس کے قتل کو جائز نہ ثابت کریں۔ وراثت وراثت سے محروم نہیں ہو سکتا۔“ قاضی احمد نے یہاں تک مجبور کیا کہ معتم آخر اس ارادے سے باز رہا۔

اگر ایسا ہوتا تھا کہ معتم قاضی احمد کو آتے دیکھ کر درباریوں سے کہتا تھا کہ قاضی صاحب آکر دنیا بہر کی سفارشیں اور لوگوں کی درخواستیں پیش کریں گے۔ میں برگزانی سب خواہشیں منظور نہیں کر سکتا۔ لیکن وہ اپنے زورِ تعمیر اور حسن ادا سے جو کچھ چاہتے تھے منظور کرا لیتے تھے۔ نہ ہی معتم زلی تھے۔ شہر میں خلیفہ متوکل با شرف نے ان کو عہدہ قضا سے معزول کیا اور انکی اولاد سے ایک لاکھ ساٹھ ہزار اشرفیاں تاوان کے طور پر وصول کیں۔ شہر میں اودن کا انتقال ہوا۔

گورنر و لٹننٹ عمالوں کے طبقہ میں سے خاص خاص شہر کے عامل دوالی جو کلکٹر کے مساوی المرتبہ کہے جاسکتے ہیں شہر ہوتے۔ اور گورنر کا منسلک جیسٹریٹس مرتب کر سکتے۔ تاہم جہاں تک ہم معلوم کر سکے ہیں۔ اس سلسلے میں غیر مذہب والے بہت کم داخل تھے۔ بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ بالکل نہیں تھے جنکی وجہ یہ ہے کہ اس عہدے کے ساتھ عموماً فوجی خدمت شامل ہوتی تھی اور دوسرے مذہب والے اس خدمت کو پسند نہیں کرتے تھے یہ مسلمانوں کو خود انپر اعتماد نہیں ہوتا تھا۔ قدیم اسلامی حکومتوں میں عیسائی۔ یہودی وغیرہ قوموں کو جو عہدے ملتے تھے وہ زیادہ تر وقف خراج و خزانہ و سررشتہ و کتابت کے عہدے تھے۔

اس عہد تک مسلمانوں میں اس قدر آزادی کا اثر باقی تھا کہ صوبے یا ضلع کا والی جابرانہ حکومت کرنا چاہتا تھا تو عام رعایا ملائیہ ناراضی کا اظہار کرتی تھی۔ اور اگر وہ باز نہیں آتا تھا تو منفی ہو کر اودکو نکال دیتی تھی۔ شہر میں جب عید اللہ (ایک عیسائی شہزادہ تھا) مصر کا گورنر مقرر ہو گیا۔ اور رعایا پر سختی کی تو لوگوں نے ہنگامہ برپا کر دیا۔ اور نہایت دولت کے ساتھ مصر سے اُس کو نکال دیا۔

۱۷۷ عامہ و مشہور اخبارات میں قاضی احمد کا نہایت مفصل تذکرہ ہے۔

ماموں کی تاریخ خلافت میں اس قسم کی ادبیت ہی مثالیں موجود ہیں۔

ماموں کے عہد میں جو لوگ لغت یا گورنر مقرر ہوئے۔ ان میں طاہر بن امین سری بن الحکم
عبد اللہ بن السری۔ عبد اللہ بن طاہر۔ حسن بن سہل۔ نہایت نامور اور مدبر تھے۔ اور خصوصاً
طاہر کا خاندان تو اقتدار کے اس درجے تک پہنچ گیا تھا۔ کہ ماموں کے بعد خراسان میں مستقل
حکومت کی بنیاد قائم کر لی۔ عبد اللہ بن طاہر شجاعت اور تدبیر کے علاوہ نہایت بڑا ادیب
محدث۔ شاعر موسیقی دان تھا۔ اسکی فیاضیوں کے سامنے ماموں کی دریا دلی بھی کچھ حقیقت
نہیں کہتی جس زمانہ میں وہ مصر کا گورنر تھا ایک دن کوٹے پر چڑھا۔ دیکھتا تو لوگ کہاں پھانے کے
لئے آگ جلا رہے ہیں۔ حکم دیا کہ سب کے لئے کہاں کھڑا مقرر کرو یا جائے یہ کل ہزار آدمی تھے
اور جب تک عبد اللہ زندہ رہا ان لوگوں کو اسکی سرکار سے وظیفہ ملتا رہا۔ مصر و قہر میں ہونے سے
پہلے راہیں جس قدر اسنے خیرات کی اسکا اندازہ ایک کروڑ درہم سے زیادہ کیا گیا ہے ابو تمام طلائع
جسکی کتاب الحماسہ آج تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اسی کے دربار کا شاعر تھا۔ تمام خاندان مشاہیر
اسکی (عبد اللہ بن طاہر کی) نہایت عزت کرتا تھا۔ سلسلہ میں جب وہ اس سامان سے بغداد
میں داخل ہوا۔ کہ شام حوصل وغیرہ میں جن لوگوں نے علم بغاوت بلند کئے تھے پانچویں اسکے
جلوس ساتھ تھے۔ تو تمام بغداد خاندان خلافت اور خود معتمد با اللہ اسکے استقبال کو نکلا۔
مرنے سے پہلے جس لاکھ درہم خرچ کر کے غلام آزاد کرا دے۔ ان تمام مصارف پر جب
مرا تو چار کروڑ درہم خاص اسکے خزانے میں موجود تھے۔

ماموں کے عہد کے اہل کمال

مورخ کا یہ ضروری فرض ہے کہ جس عہد کا حال لکھے اس زمانہ کے اہل فضل و کمال کا بھی
سے بخود مظاہرہ فی تاریخ مصر و القہرہ میں۔ عبد اللہ بن طاہر کا مخلص ترجمہ لکھا ہے۔ علامہ ابو الفرج اصفہانی نے
عبد اللہ کی لیاقت علمی۔ نکتہ نبی۔ موسیقی وانی کے متعلق جو واقعات لکھے ہیں ان میں اس کے فضل و کمال کا
اندازہ ہو سکتا ہے۔

تذکرہ کہے۔ جس سے ملک کی تہذیب و ترقی۔ اور فرمانروائے وقت کی علمی فیاضیوں کا اندازہ ہو سکے۔ لیکن بغداد کی تاریخ میں اس فرض کو اگر کوئی ادا کرنا چاہے تو اصل کتاب کے علاوہ کئی جلدیں طیار کرنی پڑیں گی۔ ماموں کا دربار۔ اکبری و شاہجہانی دربار نہیں ہے کہ دانش اندوزان دولت کیلئے آئین اکبری و شاہجہاں نامہ کے چند صفحے کافی ہوں۔

ماموں کی حکومت بغداد سے لیکر شام۔ افریقہ ایشیائے کوچک۔ ترک تاتار۔ خراسان ایران۔ سندھ تک پھیلی ہوئی ہے۔ اور ایک ایک شہر بلکہ ایک ایک قصبہ میں علمی کارخانے کھلے ہوئے ہیں۔ جن کا صدر مقام اور اصلی مرکز دار الخلافہ بغداد ہے۔

اس زمانہ کی وسعت تعلیم کا اس حکایت سے اندازہ ہو گا کہ حیب علامہ نصر بن شہید نے ماموں کی قدردانی کا شہرہ سنکر بصرہ سے خراسان جانے کا قصد کیا تو ان کی مشابعت کے لئے جو لوگ شہر سے نکلے اٹلی تعداد قریباً تین ہزار تھے۔ جن میں سے ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو محدث۔ یا نحوی۔ یا لغوی۔ یا عروضی۔ یا اصول کے معزز لقب سے ممتاز نہ ہو۔ امام بخاری اسی زمانہ میں موجود تھے۔ انکی کتاب جامع صحیح خود ان سے جن لوگوں نے پڑھی وہ تعداد میں نوے ہزار سے کم نہ تھے۔

تاریخ میں اگر کوئی زمانہ اہل کمال کے پیش کرنے پر ناظر کر سکتا ہے تو ماموں کا عہد حکومت اس فہر میں سب سے مرجع ثابت ہو گا۔ فقہاء و محدثین میں سے یحییٰ ابن معین امام بخاری محمد بن سعد کاتب واقدی۔ ابن علیہ سفیان بن عیینہ۔ عبد الرحمن بن مہدی یحییٰ القطان۔ یونس بن کثیر۔ ابو طیب ابی سلمیٰ شاگرد امام ابو حنیفہ۔ اسمٰعیل بن الفرات فاضل مہر حسن بن زیاد اللؤلؤی شاگرد امام ابو حنیفہ۔ حماد بن اسلم۔ حافض بن ہشام۔ روح بن عبادہ۔ ابو داؤد الطیالسی۔ غازی بن قیس شاگرد امام مالک امام واقدی۔ ابو حسان زیادہ۔ محمد بن نوح البعلی۔ علی بن ابی قتاتل۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ آج بھی علوم کے ارکان انہیں کی روایتوں پر قائم ہیں اور خصوصاً امام شافعی و امام احمد حنبل کا قوہ پایہ ہے کہ اسلامی دنیا کے بڑے بڑے حصوں میں انہیں کے لئے دیکھو تاریخ ابن عساکر۔ تذکرہ طبرستان۔

۱۵ میں نے یہ روایت عبد الکریم شہرستانی کی ٹل وٹل سے تس کی تھی۔ لیکن تحقیق سے معلوم ہوا کہ فسطویٰ مسلم سے چھپے
گنڈا ہے۔ ابن الاثیر نے عبد الکریم پر تعجب کیا ہے کہ اٹھنے ایسی بدیہی عقل کی۔ ۱۶۔

سہل بن ہرودن - خالد بن عبد الملک المروزی - سند بن علی ماص بن سید الجہری - اکثر مترجموں کی تحواہیں آجکل کے حساب سے ڈھائی ہزار روپیہ ماہوار تھیں۔

عبد اللہ بن سہل - نجوم میں - اویسی بن ابی المنصور - علم رصد میں نام آور تھے۔ موسیٰ بن شاکر - ادب میں رہنمائی کیا کرتا تھا۔ پرتوہ کی اور دربار میں داخل ہوا اُس نے تین مہینے بیٹھے چھوڑے۔ ماموں نے اُن کی تربیت اور پرداخت - اسحق بن ابراہیم مصعبی کے متعلق کی اور جب کسی قدر بڑے ہوئے تو حکم دیا کہ یحییٰ بن ابی المنصور کے ساتھ بیت الحکمت میں کام کیا کریں۔ تھوڑے دن میں ان سب نے فلسفہ و طبیعت میں بڑی ناموری حاصل کی اور علوم قنون کے سرپرست بن گئے۔ ان میں سے محمد نے رفتہ رفتہ بڑا اقتدار حاصل کیا اور سچا لار فوج مقرر ہوا۔ احمد نے زیادہ تر علم انیل کی طرف توجہ کی۔ اُس کی کتاب انیل کی نسبت علامہ ابن خلدون نے نہایت تعجب ظاہر کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ عجیب و غریب صنائع حکمت پر مشتمل ہے۔ جن کو علم ہندسہ میں نہایت کمال تھا۔ مالا لکھ تحصیل کے طور پر اُنہیں صرف چند ہی مقالے پڑھے تھے۔

ایک دن مروزی نے ماموں کے سامنے اعتراض کے طور پر کہا کہ جن نے اقلیدس کے صرف چھ مقالے پڑھے ہیں۔ جن نے کہا کہ میں شکل کو خاص اپنے طریق استدلال سے ثابت کر سکتا ہوں۔ اس حالت میں مجھ کو پڑھنے کی کیا ضرورت ہے؟ ماموں نے یہ فخریہ جواب تسلیم کیا۔ مگر یہ کہا کہ ”نا تمام چھوڑ دینے سے تمہاری طبیعت کی کاہلی ظاہر ہوتی ہے۔ علم ہندسہ فلسفہ کے لئے اُسی قدر ضروری ہے جتنے کہ الف بات ت گنگو کے لئے، ادب و عربیت کے ماہرین میں قراء نحوی - اہمسی - ابو عبیدہ نحوی وغیرہ شہیر المتوفی سنہ ۳۰۰ یریدی لغوی - کلثوم عثمانی - ابن الاعرابی - ثعلب نحوی - ابو عمر و الشیبانی انھیں نحوی - قطرب نحوی المتوفی سنہ ۳۰۰ جو ماموں کے ہم عصر اور اکثر اُن کے خزان کرم سے فیضیاب تھے۔ ان لوگوں نے فن ادب و عربیت کو معراج کمال تک پہنچا دیا۔ آج جب قدر دنیا میں عربی ادب کی تصنیفات موجود ہیں انہیں کی تحقیقات اور روایتوں

۱۸۱ سالہ قمر الدول ذکر حکماء عبد ماموں ارشدیہ

سے مال مال ہیں۔ اور حق یہ ہے کہ اگر ان کا واسطہ بیچ سے اٹھا دیا جائے تو خود ان فنون کی بیانیہ قائم نہ رہے گی۔

قرآن صرف علم نحو۔ بلکہ لغت۔ فقہ۔ نجوم۔ طب۔ ایام العرب میں بھی کمال درجہ رکھتا تھا۔ ثعلب کا قول ہے کہ اگر قرآن نہ ہوتا تو آج علم عربیت نہ ہوتا۔ قرآن کی بہت سی تصنیفات ہیں جنکے صفحوں کی مجموعی تعداد قریباً چھ ہزار ہے۔ شمس میں وفات پائی۔

امامی بصرہ کا رہنے والا تھا۔ عربی علم لغت قریباً ایک فہم اسی کی روایت سے مدون ہوا ہے۔ اور قلم کے اشعار ایک طرف بارہ ہزار صرف رجز کے شعریا دیجئے۔ ابو عبیدہ و امامی ہمزبان اور علوم عربیہ میں حریت مقابل سمجھے جاتے تھے ایک بار دونوں فضل بن الریح (وزیر امین الرشید) کے پاس حاضر تھے۔ فضل نے امامی سے پوچھا کہ ”تم نے گہوڑے کے اوصاف میں جو کتاب لکھی ہے کتنی جلدوں میں ہے؟“ امامی نے کہا ”صرف ایک جلد“ ابو عبیدہ سے پوچھا تو اس نے بڑے فخر سے کہا ”میری کتاب چار جلدوں میں ہے“ امامی نے فضل سے کہا کہ ایک گھوڑا منگوایا۔ اور اس کے ایک ایک عضو پر ہاتھ رکھ کر اس کے متعلق عرب کے اشعار پڑھتا گیا۔ ابو عبیدہ سے جب فرمائش کی گئی کہ اس طرح وہ بھی ہر عضو کے متعلق اشعار سنائے تو اس نے انکار کیا۔ فضل نے وہی گہوڑا امامی کو انعام میں دیا۔ امامی کا بیان ہے کہ جب میں ابو عبیدہ کو چھیڑتا چاہتا تھا تو اسی گہوڑے پر سوار ہو کر اس سے ملنے جاتا تھا۔

ماموں کے وزیر جن بن سہل نے بھی اپنے دربار میں ابو عبیدہ و امامی کو طلب کیا تھا اور امامی کی قوت ملاحظہ پر جس کا اس وقت ایک عجیب طریقے سے امتحان لیا گیا تمام دربار محو حیرت ہو گیا۔ امامی کی بہت سی تصنیفات ہیں جن میں سے ۳۵ کتابوں کا ذکر علامہ بن خلکان نے کیا ہے۔ شمس میں وفات پائی۔

یزیدی۔ ماموں کا استاد تھا۔ ابن ابی القایم نے ادب کے متعلق اس کے کچھ جمع کئے جو ضخیم دس ہزار ورق ہیں یزیدی کے پانچ بیٹے تھے۔ اور ہر ایک ادب شعر ایام العرب میں استاد و کامل تھا۔ شمس میں انتقال کیا۔

۱۸۲

۱۸۲

ابو عمرو الشیبانی لغت و شعر کا امام تھا۔ امام حنبل اُس کے شاگرد تھے۔ ابو عمرو نے قبائل عرب میں سے اسی قبیلوں کے اشعار جمع کئے ہیں۔ کتاب النحل۔ کتاب اللغات کتاب النوادر الکبیر وغیرہ انکی تصنیفات سے ہیں۔

انجش نحو کا مشہور امام ہے۔ عروض میں بحر محبت اسی کی ایجاد ہے بمعانی القرآن کتاب الاشتقاق۔ کتاب العروض۔ کتاب الاصوات۔ کتاب المعانی الشعر اور اُسکے سوا بہت سی تصنیفیں ہیں۔ سنہ ۲۰۰ میں انتقال کیا۔

ابو عبیدہ لغت اور اشعار عرب کا بڑا ماہر تھا فضل بن الربیع نے اُسکو بعرو سے طلب کیا تھا۔ جب دربار میں حاضر ہوا۔ تو بڑی عزت سے اپنے پاس بنایا۔ ذرا دیر کے بعد ایک اور شخص کا بتوں کا لباس پہنے حاضر ہوا۔ فضل نے اُسکو بھی اپنے پہلو میں جگہ دی اور کہا کہ ان کو پہچانتے ہو ابو عبیدہ انہیں کا نام ہے۔ وہ شخص مدتوں سے ابو عبیدہ کے ملنے کا خفاق تھا۔ اس نعمت غیر مترقبہ کی بڑی شکرگزاری کی۔ ابو عبیدہ سے کہا اگر آپ اجازت دیں تو ایک شبہ جو مدت سے میرے دل میں کھٹکتا ہے۔ عرض کروں۔ ابو عبیدہ نے منظر کیا۔ اُس نے کہا کہ قرآن کی اس آیت میں ”طلعہا کاندہ من الشیاطین“ خدا نے شیاطین کے سر سے تشبیہ دی ہے۔ حالانکہ تشبیہ ایسی چیز سے ہونی چاہئے جسکو لوگ جانتے پہچانتے ہوں۔ ابو عبیدہ نے کہا ”خدا عجب کے مذاق کے موافق۔ کلام کرتا ہے امرار القیس کہتا ہے ”مسنونہ تہرق کا نیاب احوال حالانکہ ہوت اور شیطان کو اہل عرب نے کبھی نہیں دیکھا ہے چونکہ عام خیال میں شیطان کی صورت پر خوف تسلیم کی گئی ہے۔ اس لئے خدا نے خوف کے موقع پر اُس نے تشبیہ دی ہے“ ابو عبیدہ نے اس واقع کے بعد مجاز القرآن ایک کتاب لکھی جس میں اس قسم کی آیتوں کی توضیح کی۔ ابو عبیدہ کی تصنیفیں قریباً دوسویں جن میں سے پچاس کا ذکر علامہ ابن خلدون نے کیا ہے سنہ ۲۰۰ میں وفات پائی۔

ابن الاعرابی۔ امام العربیہ کے لقب سے مشہور ہے۔ کسان کا شاگرد تھا۔ علم لغت میں قدیم مصنفوں کی اکثر غلطیاں ثابت کیں قسریٰ سو آدمی اُسکے ملحقہ درس

میں بیٹھے تھے اور بغیر کسی کتاب یا یادداشت کے درس دیتا تھا۔
 علاقہ درس میں دور و دراز ملکوں کے طلباء حاضر رہتے تھے ایک دن اُسٹن دو طالب
 علموں سے انکا نام و نسب پوچھا تو معلوم ہوا کہ ایک اسپینا ب اور دوسرا انڈس کا
 رہنے والا ہے۔ اس بعد المشرقین کے اجتماع پر خود ابن الاعرابی کو بھی تعجب ہوا کہ
 میں انتقال کیا۔

ہم اس بحث کو اس اعتراف کے ساتھ ختم کرتے ہیں کہ جس قدر لکھنا چاہئے تھا
 اس کا دواں بھی بننے نہیں لکھا۔ ماموں کے درباریوں کے ساتھ اب ہم ماموں سے
 بھی رخصت ہوتے ہیں۔

محمد شبلی پروفیسر مدرسۃ العلوم علی گڑھ

برائے

۶۷۷